فخرِ جنوبؒ

حضرت اقدس مولانا محمد یعقوب صاحب قاسمی وشارمی علیہ الرحمۃ

سابق شیخ الحدیث وصدر المدرسین مدرسۂ کاشف الہدیٰ، مدراس

ورکن شوریٰ دارالعلوم دیوبند

حیات وخدمات

زیر نگرانی

حضرت مولانا عبدالمجید صاحب باقوی دامت برکاتہم

مہتمم مدرسۂ کاشف الہدیٰ مدراس

ترتیب واشاعت

مدرسۂ کاشف الہدیٰ، مدراس

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نام کتاب: فخر جنوب حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ
حیات وخدمات
زیر نگرانی: حضرت مولانا عبدالمجید صاحب باقوی دامت برکاتہم
مہتمم مدرسۂ کاشف الہدیٰ، مدراس
کمپیوٹر وکتابت: مفتی محمد صدیق کاشفی وشارمی، مولوی عبدالمجید کاشفی
مع رفقاء ومعاونین
ترتیب واشاعت: مدرسۂ کاشف الہدیٰ، مدراس
بموقعہ: جلسۂ دستار بندی مدرسۂ کاشف الہدیٰ،
۱۴۴۰ھ مطابق ۲۰۱۹ء
ملنے کا پتہ: مدرسۂ کاشف الہدیٰ، مدراس
فون نمبرات: 9444748473, 9176223666,
9444136228

فہرست مضامین

1	سخنہائے گفتنی	حضرت مولانا عبدالمجید صاحب دامت برکاتہم	9
2	کلماتِ تبریک	حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب افریقی	13

تعزیتی پیغامات

3	تعزیتی خط	حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب بنارسی	14
4	،،	حضرت مولانا سید محمد شاہد صاحب	16
5	،،	حضرت مولانا زہیر الحسن صاحب	18
6	پیشِ لفظ	حضرت مولانا مفتی ابوالحسن محمد یعقوب صاحب	20
7	تاریخ وشارم	مولانا محمد صدیق صاحب وشارمی	25

سوانحی خاکہ

8	سوانحی خاکہ	مولانا محمد اسماعیل ذبیح اللہ صاحب	38
	تمہید		38
	نام ونسب		39
	خاندانی پسِ منظر		39
	پیدائش		40
	عہدطفولیت		40

عصری تعلیم	41
دینی تعلیم کی طرف رجحان	42
جامعہ باقیات صالحات میں	43
دارالعلوم دیوبند میں	44
نکاح	46
اسفار	47
سفرحج بیت اللہ	48
دوسرا سفر بیت اللہ	49
تیسرا سفر بیت اللہ	50
حضرتؒ کا رمضان	51
مشائخ واکابرین سے تعلق	52
بیعت وتکمیل سلوک	54
خلافت واجازت	56
حضرتؒ اپنے اساتذہ کی نظر میں	57
حضرتؒ اپنے معاصرین....	59
حضرتؒ اپنے اہل وطن کی نظر..	61
گھر کے بزرگ	65

حسن معاشرت اور صلہ رحمی	68
اندازِ تربیت	70
نماز جماعت کی پابندی	72
سادگی	73
جفاکشی	76
کمالِ احتیاط	77
من کان للہ کان اللہ لہ	79
حضرت کے خدام خاص	80
حضرت کے معالجین	81
اصلاح وطن کی فکر	83
علالت و وفات	84
پس ماندگان	87

تأثرات علماء کرام

9	حضرتؒ کی انقلاب انگیز خاموشی	حضرت مولانا علاؤالدین صاحب منبعی	90
10	امیر شریعت تمل ناڈو	حضرت مولانا مفتی محمد سلمان صاحب منصور پوری	93
11	آتی رہے گی تیرے انفاس کی خوشبو	حضرت مولانا مفتی محمد انصر علی صاحب	98
12	حضرتؒ اور اصول پسندی	حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب	109

13	آنکھیں اشکبار ہیں اور دل غمزدہ	حضرت مولانا مفتی ریاض احمد صاحب	114
14	فخر جنوبؒ کی اصول ومثالی زندگی	حضرت مفتی ابوالحسن محمد یعقوب صاحب	119
15	ملنے کے نہیں! نایاب ہیں ہم	حضرت مولانا عبدالکریم صاحب	132
16	خدا رحمت کند، ایں عاشقانِ پاک	حضرت مولانا ظہیر احمد صاحب راہی فدا ہی	138
17	علامہ عصر حضرتؒ	حضرت مولانا نثار احمد صاحب باقوی	146
18	آہ! ایسی بابرکت ذات کو کہاں سے لائیں	حضرت مولانا عبدالسبحان صاحب	158
19	حضرتؒ اصول مدرسہ کے آئینہ میں	حضرت مولانا صفی اللہ صاحب	167
20	یہی سرخ بنے گی زیب عنوان ۔۔	حضرت مولانا مفتی معصوم ثاقب صاحب	170
21	حضرتؒ کے امتیازی اوصات	حضرت مولانا محمد علی صاحب	183
22	کچھ یادیں، کچھ باتیں	حضرت مولانا شکیل احمد صاحب نقشبندی	185
23	ایک ستودہ صفات حامی ملت بیضاء	حضرت مولانا مفتی اشفاق احمد صاحب	190
24	چند ناقابل فراموش یادیں	حضرت مولانا مفتی محبوب الرحمن صاحب	199
25	مسلکِ دیوبند اور حضرتؒ	حضرت مولانا مفتی شفیق احمد صاحب	206
26	ایک چراغ اور بجھا	حضرت مولانا مشتاق احمد صاحب باقوی	211
27	وہ میرے سرپرست تھے!	حضرت مولانا مفتی اقبال احمد صاحب	216
28	حضرتؒ! ایک بے مثال مربی	حضرت مولانا ملک محمد ابراہیم صاحب	224
29	امیر شریعتؒ: اوصاف وکمالات	حضرت مولانا مفتی صلاح الدین صاحب	230
30	حضرتؒ کے معمولات	حضرت مولانا محمد حسین صاحب وشارمی	239
31	آسمان تیری لحد پر شبنم افشانی	حضرت مولانا محمد حسن قادری صاحب	247

تأثرات عمائدین

32	حضرتؒ ایک اصول پسند شخص	جناب ملک محمد ہاشم صاحب	252
33	حضرتؒ سے متعلق کچھ جھلکیاں	جناب ٹی۔ یم۔ حاجی عبد الغفور صاحب	255
34	ایک مستجاب الدعوات بزرگ	جناب حاجی تنجاوُر مشتاق احمد صاحب	258
35	نصف صدی کے گلہائے عقیدت	جناب حاجی پروفیسر نصر اللہ صاحب	260

تأثرات فضلاء مدرسہ کاشف الہدیٰ

36	ایک عہد کا خاتمہ	مولانا عبد الکریم صاحب کاشفی میل وشارم	264
37	تم کیا گئے رونق ہستی چلی گئی	مولانا احمد اللہ صاحب کاشفی میل وشارم	267
38	آہ! حضرت اقدسؒ	مولانا عظیم اللہ صاحب کاشفی مدراس	275
39	آہ! یادگار سلف جاتے رہے	مولانا رفیق احمد صاحب کاشفی	278
40	تم کیا گئے روٹھ کے دن بہار	مولانا عمیر صاحب کاشفی	281
41	ستارے جو ٹوٹ گیا	مولانا محمد عمران صاحب کاشفی اونگول	287
42	بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں	مولانا محبوب علی صاحب کاشفی	290
43	حضرتؒ ایک عبقری شخصیت تھے	مولانا مفتی محمد صدیق صاحب کاشفی	295
44	آپ کے نمایاں اوصاف وکمالات	مولانا عبد المجید صاحب کاشفی	299
45	عصر حاضر کے جامع کمالات شخصیت	مولانا محمد عمران صاحب کاشفی کولار	314

خطوط

46	حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ	318

47	حضرت مولانا مفتی معراج الحق صاحبؒ	331
48	حضرت مولانا ابوالسعود احمد صاحبؒ	334
49	حضرت مولانا شفیق خان صاحبؒ	335
50	عکس خطوط	336

بیانات

51	جلسہ دستار بندی میں فارغین سے خطاب		338
52	تعزیتی خطاب		350
53	ایک اہم وعظ بعنوان ''اصلاح معاشرہ''		362
54	مرثیہ بروفات والد محترمؒ	نتیجہ فکر از دختر فخر جنوبؒ	383

سخنہائے گفتنی

حضرت مولانا عبدالمجید صاحب باقوی دامت برکاتہم

بانی ومہتمم مدرسۂ کاشف الہدیٰ مدراس

میرے مشفق ومربی حضرت قبلہؒ اگر چہ ہم سے جدا ہو گئے ہیں، مگر اب تک ہمارے دلوں میں ان کی یاد تازہ ہے، ان کی رہنمائی، نصیحت، اتباع سنت، طلبہ کی تربیت کا نرالہ انداز، طلبہ کو متقی پرہیزگار بنانے کی ترغیب وغیرہ یادیں ہمارے سامنے گردش کررہی ہیں، جس کی وجہ سے گویا حضرت کی ذات ہمارے درمیان موجود ہے۔

جامعہ باقیات میں میری طالب علمی کے زمانہ میں حضرت نہ صرف میرے استاذ تھے، بلکہ مشفق ومربی بھی تھے۔ حضرتؒ کے افہام وتفہیم کے انداز سے طلبہ خود بخود حضرتؒ کی طرف مائل ہوتے تھے۔ میں نے اس زمانہ میں حضرتؒ کے جو اوصاف دیکھے، وہ کسی دوسرے کے اندر نہیں دیکھے۔

حضرتؒ با استعداد وصلاحیت مند طلبہ کو منتخب کر کے ان پر محنت کرتے، اور ان کو قوم کی خدمات کے لئے تیار کراتے، اس میں حضرتؒ نے بڑی کامیابی حاصل کی، ان ہی میں سے ایک مدرسہ کاشف الھدی بھی ہے۔

بندے نے کئے مدارس میں تعلیم حاصل کی، آخر کار جامعہ الباقیات الصالحات میں داخلہ کے بعد میرے اندر پہلے سے جو دینی خدمت کی خواہش تھی، اس کو حضرتؒ کی

نصیحتوں نے مزید جلا بخشی اور میرے اندر یہ داعیہ پیدا ہوا کہ میں کیوں نہ ایک مدرسہ کو شروع کروں، حضرتؒ کی نصیحت کے مطابق متقی اور پرہیزگار علماء کو کیوں نہ تیار کروں، اس طرح کے جذبات میرے دل میں ابھرتے تھے۔ لیکن اس زمانہ میں بڑے بڑے مدارس اور بڑے بڑے علماء کی موجودگی اس ارادے کو پورا کرنے میں رکاوٹ بنی ہوئی تھی۔

جامعہ الباقیات الصالحات سے ۱۹۷۳ء کو فراغت کے بعد میں نے حضرتؒ سے اپنے جذبات ظاہر کئے تو حضرتؒ نے میری ہمت افزائی کرتے ہوئے بندے ہی کے وطن میں مدرسہ کھونے کی اجازت دی تو میں نے حضرتؒ سے درخواست کی کہ آپ خود ہمارے وطن تشریف لاکر اپنی دعا کے ساتھ مدرسہ کا آغاز فرمادیں، تو حضرتؒ نے میری درخواست منظور فرمائی، اور ۱۹۷۴ء میں تامل ناڈو کے مشہور عالم مولانا شمس الھدی صاحب کے ساتھ تشریف لاکر دعا کے ساتھ مدرسہ کی بنیا ڈالی، پھر یہ مدرسہ دس سال تک شہرِ مدراس میں کئی جگہ سے منتقل ہوکر پونا ملی کنٹرومنٹ میں قائم ہوا، حضرتؒ باقیات صالحات سے مستعفی ہوکر کیرلہ کے مدرسہ میں ڈیڑھ سال مدرس رہے، پھر میں نے حضرتؒ کو یہاں مدرسہ کاشف الھدی تشریف لاکر صدرالمدرسین کے عہدے پر فائز ہونے اور ہماری رہبری کرنے درخواست کی، حضرتؒ چاہتے تو خود بھی بڑا مدرسہ قائم کر سکتے مگر حضرتؒ نے اپنی تواضع واخلاص سے اس ناچیز کی دعوت کو قبول فرمایا اور آخر دم تک ہماری رہبری کرتے ہوئے نمایاں دینی خدمات انجام دئے، اور وفات سے ایک قبل تک طلبہ کو بخاری شریف کا درس دیا۔

مدرسہ کے مخالف اور دشمن طاقتوں نے جب مجھے بہت تنگ کیا تو حضرتؒ نے مجھ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ میرا جینا اور میرا مرنا تمہارے ساتھ ہے اس کے بعد میں نے

بلند حوصلہ کے ساتھ مدرسہ کی خدمات انجام دئے، نیز ایک مرتبہ حضرتؒ نے مجھے دعا دی اے اللہ مولوی عبدالمجید کو مزید ہمت نصیب فرما۔

حضرتؒ کی تدفین کے بعد حضرتؒ کے بھائی محمد یوسف صاحب نے فرمایا کہ ہم نے ہمارے بھائی مولانا محمد یعقوب صاحب کو آپ کے حوالے کردیا، واقعۃً حضرتؒ کا تعلق ۴۸ سال تک میرے ساتھ رہا۔

حضرت جنید بغدادیؒ کی خانقاہ میں ایک شخص آیا، حضرتؒ کے اعمال اور اقوال کو دیکھا، چند سالوں کے بعد کہا میں یہاں سے جارہا ہوں، تو حضرت جنید بغدادیؒ نے پوچھا کس لیے؟ تو اس شخص نے کہا کہ لوگ تم کو ولی اللہ کہتے ہیں میں اتنے سال تمہارے یہاں رہا، مگر کوئی کرامت میں نے نہیں دیکھی۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ اتنی مدت میں کیا تم نے مجھ کو تکبیر تحریمہ چھوڑا ہو یا جماعت کی نماز کو ترک کیا ہو، یا سنت پر عمل نہ کیا ہو، دیکھا؟ تو اس نے کہا: کہ نہیں، آپ تو عمل کے پابند ہیں تو حضرتؒ نے فرمایا کہ پھر اس سے بڑھ کر کونسی کرامت ہے۔

جی ہاں!! ہمارے بڑے حضرتؒ سے پینتالیس (۴۵) سے زیادہ احقر کو تعلق رہا مگر اتنے سالوں میں ایک چھوٹی سی سنت کو بھی ترک کرتے ہوئے میں نے نہیں دیکھا تو حضرتؒ کے ولی اللہ ہونے پر اس سے بڑھ کر اور کیا کرامت چاہئے؟

علامہ ابن حجر عسقلانیؒ نے بخاری شریف کی شرح میں ولی اللہ کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ وہ ''اللہ کا عارف اور اطاعت میں پابند اور عبادت میں مخلص ہو'' یہ تمام اوصاف ہم نے حضرتؒ کی زندگی میں دیکھا۔

لوگوں کے نزدیک ولی اللہ کے مصداق وہ لوگ ہیں، جو قبر کے اندر ہیں،

فی الحال ولی کا دنیا میں وجود ہی نہیں، یہ قطعاً غلط ہے، انبیاء اور صحابہ کا سلسلہ تو ختم ہوگیا، مگر اولیاء اللہ کا مقام اور اس تک پہنچنے کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔ حضرتؒ اپنے زمانے میں اولیاء کاملین میں سے تھے، جنہوں نے حضرت کو قریب سے دیکھا انھیں ضرور محسوس ہوگا۔ حضرتؒ کی سادگی اور خاموش مزاجی کو دیکھ کر ہم ان کے اونچے مقام کا اندازہ نہیں لگا سکتے، ان کی حالت امام شافعیؒ کے اس شعر کے مترادف ہے یعنی میرے اوپر ایک کپڑا ہے اسے ایک پیسے سے بھی فروخت کیا جائے تو پیسہ بھاری ہوگا، لیکن اس میں ایک قلب ہے اس کے ایک ٹکڑے کو اگر تمام مخلوق کے مقابلے میں فروخت کیا جائے تو وہی (قلب کا ٹکڑا) وزنی ہوگا۔

اولیاء اللہ اللہ تو نہیں ہیں اور اللہ سے جدا بھی نہیں ہیں۔ حدیث پاک میں ہے اللہ کے اولیاء وہ ہیں جنہیں دیکھنے سے اللہ یاد آجائے، حضرتؒ اس حدیث پاک کے مصداق تھے۔

حضرتؒ کی حیات بے مثال ہے ان کا تقویٰ، زہد، عقائد و مسلک کی پختگی فرقۂ باطلہ کے مقابلے میں نمایاں کارنامے، نیز اس طرح کے دیگر اوصاف عالیہ، علماء، طلباء اور دیگر عوام کیلئے قابل تقلید، اسوہ اور نمونہ ہے۔ لہذا ان کی حیات و خدمات پر علمائے کرام کے مقالات کا مجموعہ شائع کرنے کا ادارے نے فیصلہ کیا ہے۔ یہ رسالہ بفضلہٖ تعالیٰ ہمارے ہاتھوں میں ہے، اس کو پڑھ کر امت نفع اٹھائے گی۔ یہ ہمیں قوی امید اور دعا بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرتؒ کو قبولیت سے نوازے اور ان کے خطوطِ راہ پر چلنے اور اس کو اپنانے کی اللہ ہمیں توفیق عطا فرمائے۔

کلمات تبریک

حضرت اقدس مولانا محمد ابراہیم صاحب پانڈور افریقی دامت برکاتہم

خلیفہ حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحبؒ وخادم خاص حضرت فقیہ الامتؒ

حضرت مولانا یعقوب صاحب وشارمیؒ بہت نیک دل آدمی تھے ہر ایک سے محبت رکھتے تھے، جب بھی ہمارا جنوبی ہند کا سفر ہوتا ہماری مولانا سے ملاقات ہوتی بہت ہی شفقت ومحبت سے پیش آتے تھے، مولانا کا ذوق اکابر کی طرح بالکل سادگی کا تھا۔ مولانا نے آخر دم تک مدرسہ کی خدمت کی، مدرسہ کو اپنا سمجھا تدریسی مشغلہ کو آخر تک نہیں چھوڑا، مولانا آپس میں اتحاد واتفاق کا ماحول پیدا کرنے کی کوشش کرتے تھے اسکا ماحول بنایا تھا ہمیں ان کے نقش قدم پر چلنا چاہیے، رمضان کے بعد حضرت کے مکان پر ملاقات کے لئے جانا ہوا، بہت محبت کے ساتھ پیش آئے، بات چیت ہوئی۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے ان کے درجات کو بلند فرمائے پسماندگان کو صبر جمیل نصیب فرمائے مدرسہ میں پیدا ہونے والے خلا کو پُر فرمائے۔

تعزیتی پیغامات

تعزیتی خط از: مہتمم دارالعلوم دیوبند

گرامی قدر صاحبزادگان، جملہ اہل خانہ ومتعلقین

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نوراللہ مرقدہ کے سانحۂ ارتحال کی خبر سے ہم سب خدام دارالعلوم، اساتذۂ کرام، طلبہ عزیز وکارکنان کو بے حد صدمہ ہوا۔

اناللہ وانا الیہ راجعون

حضرت مولاناؒ جنوب ہند میں منہاج اکابر اور مزاج اسلاف کی جیتی جاگتی تصویر تھے آپ نے دارالعلوم سبیل الرشاد بنگلور، جامعہ الباقیات الصالحات، ویلور اور مدرسۂ کاشف الہدی مدراس کی مسند تدریس پر رہ کر طالبان علوم نبوت کو اپنا فیض پہنچایا آپ انتہائی سادہ مزاج شخصیت کے حامل تھے دارالعلوم دیوبند کے معزز رکن شوری تھے اور ہمیشہ دارالعلوم دیوبند کی خیر خواہی اور اس کی ترقی کی بابت فکرمند رہتے تھے امیر شریعت تامل ناڈو کے اہم عہدہ پر بھی فائز تھے ان تمام اہم اور معزز عہدوں پر فائز ہونا آپ کی قابلیت اور علمی خدمات کو نمایاں کرتا ہے۔

قحط الرجال کے اس دور میں اہم شخصیات کا ایک ایک کر کے رخصت ہونا ملت کا بہت بڑا خسارہ ہے۔ اس صدمہ کی گھڑی میں ہم خدام دارالعلوم دیوبند آنجناب کے خاندان مرحوم کے پس ماندگان ومتعلقین کی خدمت میں تعزیت مسنونہ پیش کرتے ہوئے دعا گو ہیں کہ اللہ ذوالجلال والاکرام حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی

حسنات کو قبول فرماتے ہوئے جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے ان کے ساتھ خصوصی عفو ودرگذر اور رحمت ومغفرت کا معاملہ فرمائے ان کی خدمات کو قبول فرمائے، ان کی رحلت سے جنوب ہند میں جو خلاء پیدا ہوا ہے اس کا نعم البدل عطا فرمائے غمزدہ خانوادہ کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

(دارالعلوم دیوبند میں حضرت مولاناؒ کے لیے ایصال ثواب کرایا گیا ہے)

والسلام

(مولانا مفتی) ابوالقاسم نعمانی

مہتمم دارالعلوم دیوبند

۲۸/۵/۱۴۴۰ھ، ۴/۲/۲۰۱۹ء

دارالعلوم دیوبند

Darul-Uloom, Deoband. U.P. India

تعزیتِ مسنونہ

حضرت مولانا سید محمد شاہد صاحب

امین عام مدرسہ مظاہر علوم، سہارنپور، یوپی

آیت کریمہ: **کل نفس ذائقة الموت** کے مطابق اپنے وقت کے مشہور عالمانہ و بزرگانہ شخصیت مدرسۂ کاشف الہدیٰ کے بانی و مہتمم حضرت مولانا محمد یعقوب بھی وصال فرما کر ملاء اعلیٰ میں پہنچ گئے اور اس طرح سے جنوبی ہند ایک روحانی وعرفانی شخصیت سے ظاہری طور پر محروم ہوگیا۔ کم وبیش نصف صدی قبل جب وہ عہد شباب سے گذر رہے تھے تب موصوف مرحوم بہت کثرت کے ساتھ مخدومنا شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنیؒ کی خدمت میں حاضر رہتے ہوئے کئی کئی روز خدمت میں رہ کر اکتساب فیوض کرتے۔ سہارنپور میں ان کا یہ قیام کبھی کبھی ہفتہ دو ہفتہ کو بھی محیط ہو جاتا۔ اور وہ ان ایام میں حضرتؒ کے ارشاد پر کاتبِ خطوط بھی بن جاتے اور خطوط کے جوابات تحریر کیا کرتے۔ مجھے آج بھی اچھی طرح یاد ہے کہ وہ انتہائی کم گوئی اور خاموشی کے ساتھ حضرتؒ کی مجلس میں بہت سنجیدگی اور وقار کے ساتھ رہ کر اپنی فطری سادگی اور طبعی یکسوئی کے ساتھ اپنے کام میں مشغول رہتے۔ موصوف مرحوم کو جب ذکر وفکر میں اشتغال بڑھا اور روحانی وعرفانی مقامات سے ان کو تعلق خاطر پیدا ہوا، تب حضرت شیخ نے اپنی

جانب سے خلافت سے سرفراز فرما کر بیعت عامہ کی اجازت دی جس کے نتیجہ میں جنوبی ہند اور اس کے مضافات میں ان کے ذریعہ سے حضرتؒ کے فیوض واثرات بھی خوب پھیلے۔ اس احقر کو اسی نسبت اور تعلق کے احساسات کے پیش نظر جنوبی ہند کے متعدد سفروں میں ان سے ملاقات کا داعیہ پیدا ہوتا رہا۔ چنانچہ متعدد مرتبہ ان کی زیارت وملاقات اور مدرسہ کاشف الہدیٰ کے مشاہدے اور معائنہ کا موقع ملا۔ جس میں ان کے صاحبزادگان سے بھی نیاز حاصل ہوتا رہا۔ اللہ جل شانہ نے ان کو بڑی جامعیت عطا فرمائی تھی۔ وہ شریعت وطریقت کے جامع ہونے کے ساتھ علمی و عملی صفات کے بھی حامل تھے۔ اور فبما رحمة من اللہ لنت لھم کی شان سے متصف ہونے کی وجہ سے عوام اور خواص کے قلوب میں ان کی محبوبیت بھی تھی۔ اللہ جل شانہ ان کی زندگی بھر کے خدمات دینیہ کو قبول فرمائے۔ مضمر ثمرات وبرکات بنائے۔ اور ان کے قائم کردہ اداروں اور ان کے صاحبزادگان کے منافع اور اثرات کو خوب وسعت وترقی عطا فرمائے۔ اور قبول فرمائے۔ آمین

فقط والسلام

بندہ محمد شاہد غفرلہ

امین عام مدرسۂ مظاہر علوم سہارنپور یوپی

۱۲؍رجب المرجب ۱۴۴۰ھ

نوٹ: فخر جنوب حضرتؒ کو حضرت قاری امیر حسن صاحبؒ سے بھی خلافت اور اجازت کا ہونا معروف ومشہور ہے۔

تعزیتی پیغام

حضرت مولانا محمد زہیر الحسن صاحب زیدہ مجدہم

بنگلہ والی مسجد، نئی دہلی

مکرمین ومحترمین: جناب مولانا اسماعیل ذبیح اللہ، جناب مولانا عبد المجید صاحبان حفظکم اللہ ورعاکم وجملہ اساتذۂ کرام وطلبۂ عظام مدرسۂ کاشف الہدیٰ۔

بعدہ! امید کہ آپ حضرات بخیر ہوں گے، بندہ کو مختلف ذرائع سے محسن ملت، نمونۂ اسلاف، امیر شریعت تملناڈو حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ (رکن شوری دار العلوم دیوبند، شیخ الحدیث وصدر المدرسین مدرسۂ کاشف الہدیٰ) کے سانحۂ ارتحال کی غمناک خبر موصول ہوگئی تھی۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون)

بلا شبہ حضرت والا مرحوم کی وفات ایک عظیم ملی خسارہ ہے۔ حضرت تقویٰ شعار، با اخلاق اور متحرک شخصیت کے مالک، اسلاف کے فکر ومزاج کی ایک جیتی جاگتی تصویر اور فکر دیوبند کے ترجمان تھے۔ خصوصاً جنوبی ہند میں آپ دین اسلام کے ایک مضبوط داعی ومدارس اسلامیہ کے مشفق سرپرست ومحافظ تھے۔ فرق باطلہ کی تردید اور مسلک حق کی حفاظت واشاعت میں آپ کا کردار قائدانہ رہا ہے آپ اپنے بیش بہا علمی واصلاحی کارناموں اور عظیم ملی خدمات کے لئے ہمیشہ یاد رکھے جائیں گے۔ ان شاء اللہ۔

یقیناً یہ وقت امت مسلمہ بالخصوص حضرت کے متعلقین ،متوسلین و پسماندگان کے لئے بڑا صبر آزما ہے۔اس پرفتن دور میں بڑوں کی سرپرستی سے محرومی پوری ملت اور مجھ جیسے خردوں کے لئے بڑی دشواری اور غم کا باعث ہے۔ پوری ملت سوگوار اور مستحق تعزیت ہے۔

بندہ دعا گو ہے کہ اللہ تعالی مولانا مرحوم کی مغفرت فرمائے، جنت الفردوس میں اعلی مقام عطا کرے، پسماندگان و متعلقین کو صبر جمیل عنایت فرمائے اور ان کی وفات سے پیدا ہونے والے خلا کو پر فرمائے۔آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ.

فقط بندہ

(حضرت مولانا) محمد زہیر الحسن (صاحب زیدہ مجدہم)

۶؍فروری ۲۰۱۹ء

بنگلہ والی مسجد، دہلی۔۱۳

پیش لفظ

حضرت مولانا مفتی ابوالحسن محمد یعقوب صاحب قاسمی

استاذ مدرسۂ کاشف الہدیٰ، مدراس

انبیاء کرام، صالحین اور اہل اللہ کی زندگی اور سیرتوں کے تذکرے کے بعد میں آنے والوں کے لئے نصیحت اور قابل تقلید نمونہ ہوتا ہے۔اسی لئے قرآن کریم واحادیث مبارکہ میں انبیاء وصالحین کے قصص ذکر کئے گئے ہیں۔ارشاد خداوندی ہے: **نحن نقص علیک احسن القصص بما اوحینا الیک هذا القرآن** (سورۂ یوسف:۳) ترجمہ: ہم نے جو قرآن کریم آپ کے پاس وحی کی ہے، اس کے ذریعہ ہم آپ سے ایک عمدہ قصہ بیان کرتے ہیں۔ان قصص و واقعات کو ذکر کرنے کا مقصد محض قصہ گوئی اور پڑھنے اور سننے میں لذت ولطف اندوزی نہیں، بلکہ ان میں بہت سی مصلحتیں مخفی ہیں۔ایک جگہ قرآن کریم میں ارشاد ہے "**واتبع سبیل من اناب الی**" (سورۂ لقمان:۱۵) ترجمہ: اور اس شخص کی راہ پر چلنا جو میری طرف رجوع ہو،ان آیات کریمہ میں اللہ تبارک وتعالی نے نیک لوگوں کے راستے پر چلنے اور ان کی اتباع کا حکم فرمایا ہے،جنہوں نے اللہ کی طرف رجوع کیا ہے،اور یہ اتباع اسی وقت ممکن ہے جبکہ ان اہل اللہ کے طریق زندگی ان

کے اقوال وافعال وسیرت وسوانح معلوم ہو۔

چنانچہ اہل اللہ کی سیرت وسوانح ، حیات وخدمات کی تدوین وتالیف کا مقصد ہی یہی ہے۔ اللہ تبارک وتعالی نے قرآن کریم میں تقویٰ اختیار کرنے اور سچوں کے ساتھ رہنے کا حکم فرمایا ہے ’’یا ایھا الذین امنو ا اتقوا اللہ و کونو ا مع الصادقین ‘‘(سورۂ توبہ:۱۱۹) عصر حاضر کے قحط الرجال میں ہر ایک کو ہر جگہ اہل اللہ کی صحبت میسر نہیں ہوتی، تو ان کی سیرت وسوانح کی تدوین کر کے ان کا مطالعہ کرنا بھی اہل اللہ کی صحبت کے قائم مقام ہوسکتا ہے اور اس سے بھی وہ فوائد حاصل ہوسکتے ہیں، بشرطیکہ سچی طلب ہو، چنانچہ حکیم الامت حضرت اقدس مولانا اشرف علی تھانویؒ تحریر فرماتے ہیں: جو نیک لوگ گزر گئے ہیں ان کے اچھے حالات کی کتابیں پڑھکر یا پڑھوا کر ان کے حالات معلوم کرنا یہ بھی ایسا ہی ہے جیسے گو یا ان کے پاس ہی بیٹھ کر ان سے باتیں سنیں اور ان سے اچھی خصلتیں سیکھ لیں۔ (حیٰوۃ المسلمین: صفحہ: ۴۳)

علاوہ ازیں اہل اللہ واکابر کے سوانح سے بہت سی دینی فوائد متعلق ہیں، اہل اللہ کے نیک اوصاف مثلاً تواضع، عفوودرگزر، دشمنوں کے ساتھ حسن سلوک وغیرہ واقعات پڑھنے سے فطری طور پر تواضع اور عفو و درگزر کا سبق حاصل ہوتا ہے، اپنے عیوب اور کوتاہیوں پر نظر پڑتی اور اصلاح کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ ان اہل اللہ کے حیات وخدمات میں غمی، رنج وراحت، خصوصاً گھریلو ومعاشرتی زندگی ومعاملات اور لین دین کے تمام پہلو کا تذکرہ ہوتا ہے، جسکی وجہ سے پڑھنے والے

کو اپنے حالات میں ان سے سبق ملتا ہے، اس سے عمل کرنا اور سیدھے راستے پر مستقیم رہنا آسان ہوجاتا ہے۔ انہی وجوہات واسباب کی بنا پر ہر دور میں اہل اللہ کے سوانح حیات وخدمات کو مرتب کرنے کا معمول رہا ہے۔

نمونۂ اسلاف فخر جنوب حضرت، مولانا محمد یعقوب صاحب وشارمیؒ کی حیات وخدمات بھی کچھ اسی طرح تھے، حضرت والاؒ کی زندگی کے ہر پہلو میں خدام و متعلقین بلکہ عامۃ المسلمین کے لئے قابل تقلید نمونہ ہے حضرت والاؒ کی زندگی وحیات میں ہی ہماری خواہش تھی کہ آپ کے سوانح وخدمات کی ترتیب دیجائے لیکن حضرتؒ کی تواضع وفنائیت کی وجہ سے یہ کام موقوف رہا۔

اب جبکہ ہر طرف سے اسکا تقاضہ ہوا، اور حضرتؒ کے وصال کے بعد خلا پیدا ہوا ہے اسکا نعم البدل کہاں سے تلاش کیا جائے نیز یہ حقیقت ہے کہ ہر اہل علم و اہل اللہ کا وصال ہوا تو وہ اپنی جگہ خالی چھوڑ گئے مگر ان کے سوانح اور ان کی خدمات کو مرتب کر کے ان کا پڑھنا کچھ تلافی مافات کا کام دے سکتا ہے۔ ان ہی امور کے پیش نظر حضرتؒ کے وصال کے بعد یہاں اساتذہ کرام کے مشورہ میں یہ بات طے ہوئی کہ مدرسہ ہذا کے امسال کے جلسۂ دستار بندی میں حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب وشارمیؒ کے حیات وخدمات پر مشتمل ایک کتاب ٹمل اور اردو دونوں زبانوں پر مہتمم مدرسہ حضرت مولانا عبد المجید صاحب دامت برکاتہم کی نگرانی میں شائع کی جائے۔

اسکی ترتیب کیلئے چند اساتذہ کو ذمہ داری دی گئی، حضرتؒ کی زندگی کا ایک طویل عرصہ اس مدرسہ کاشف الہدیٰ کے خدمات میں گزرا حضرتؒ نے اس ادارہ کو ایک پودہ کی شکل سے اسکی آبیاری کرتے ہوئے تناور درخت تک لا کھڑا کیا، جس سے نہ صرف تامل ناڈو بلکہ جنوبی ہند کا بیشتر حصہ فیض یافتہ و خوشہ چین ہے اب یہ مدرسہ کاشف الھدیٰ جنوبی ہند کا ایک ممتاز بڑے دینی مدارس میں شمار کیا جاتا ہے اس سے فیض یافتہ باصلاحیت سینکڑوں فارغین اس پورے علاقہ کو اپنے علم دین کی شمع سے روشن کئے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس مدرسہ کو تا قیامت پھلتا پھولتا آباد رکھے، حاسدوں کے حسد سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

صاحب البیت ادری بما فیہ کے بمصداق حضرتؒ کے صاحبزادے محترم مولانا محمد اسمٰعیل ذبیح اللہ صاحب جو مدرسہ ھذا کے قدیم اساتذہ میں سے ہیں، انہوں نے اپنی درسی مشغولیات کے ساتھ سال آخر کا قیمتی وقت نکال کر حضرتؒ کے گھریلو زندگی، پیدائش، تعلیم وخدمات، آپ کے اوصاف، حالات ومعاملات پر مشتمل ایک طویل سوانحی خاکہ مرتب فرمایا جو اس کتاب کا اساس و بنیادی عنصر ہے۔ پسر نمونۂ پدر است کے بمصداق آپ اپنے والدؒ کے علمی و اخلاقی وارث بھی ہیں۔ اللہ انہیں حقیقی جانشین بنائے، پھر اکابر علماء واساتذہ کے ہم مشکور ہیں جن کے وقیع تاثرات ومضامین اس کتاب کی زینت بنے ہیں۔

اسکے بعد حضرتؒ کے تلامذہ و مدرسہ ھذا کے اساتذہ و فارغین نے بھی اپنی

شاگردی کا حق ادا کرتے ہوئے حضرتؒ کے سوانح وخدمات سے متعلق جو واقعات ونصائح ان کے حافظہ میں محفوظ رہے انہیں سپرد قرطاس کر کے بعد میں آنے والے حضرتؒ کے متعلقین کے لئے قابل استفادہ وذخیرہ وخزانہ فراہم کیا۔ جزاھم اللہ و احسن الجزا۔

آخر میں بغرض استفادہ حضرتؒ کے خطوط کو جمع کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرمائے اور حضرتؒ کے لئے ثواب پہنچانے کا ذریعہ بنائے آمین۔

آخر میں ہم اس کے جملہ معاونین بالخصوص مفتی محمد صدیق صاحب وشارمی، مولانا عبدالمجید صاحب کاشفی اور مولانا شکیل احمد صاحب وشارمی اور ان کے رفقاء کے مشکور وممنون ہیں، جنہوں نے کمپوزنگ وطباعت کے مرحلہ تک پہنچا کر بڑا تعاون کیا۔ اللہ تعالیٰ ان کے خدمات کو قبول فرمائے اور اسکو ذخیرۂ آخرت بنائے۔ آمین

ابوالحسن محمد یعقوب قاسمیؔ

خادم مدرسۂ کاشف الہدیٰ، مدراس

شہر وشارم کا ایک تاریخی پس منظر

مولانا مفتی محمد صدیق صاحب کاشفی
مدرس مدرسۂ مفتاح العلوم، میل وشارم

جس زمانے میں مغلیہ فوجوں نے ’’جنجی‘‘ کو فتح کیا اور کرناٹک مغلیہ سلطنت میں شامل ہوگیا تھا اس وقت وشارم ایک چھوٹے سے قصبے کی شکل میں آباد تھا۔ رقبہ کے اعتبار سے یہ ایک چھوٹا سا شہر ہے۔ جس کے حدود اربعہ یہ ہیں۔ جانب مشرق میں تقریبا چھ (۶) کلومیٹر کی دوری پر آرکاٹ، اور (۱۲۰) کلومیٹر کی دوری پر شہر مدراس، اور مغرب میں (۱۷) کلومیٹر کی دوری پر ویلور شہر واقع ہے، اور شمال کی جانب شہر سے لگی ہوئی پالا رندی اور جنوب میں جوادی پہاڑ کا سلسلہ ہے۔ اطراف واکناف کے دو، تین محلے کے سوا پورے شہر میں مسلمانوں کی آبادی ہے۔ اس کی عمر کوئی ڈھائی سو سال سے زیادہ نہیں ہے۔

شہر کی آبادی کا سلسلہ

شہر کی آباد کاری کا سلسلہ یوں شرع ہوا کہ دھیرے دھیرے شہر کے اطراف واکناف کے قریہ اور علاقہ والے آئے اور اس سرزمین کا حصہ بنتے گئے اور اس پرسکون، امن وآشتی اور زرخیز علاقے کو اپنا مسکن اور قیام گاہ بنایا۔ جس

جس قصبہ سے یہ لوگ آئے تھے۔ ان کے خاندانوں کے نام بھی اکثر اسی کی طرف منسوب کئے گئے ۔ جیسے تمری، کلوے، پولور، کلمبور وغیرہ۔ اسی طرح تملناڈو کے دور دراز کے علاقہ والوں نے بھی اس قطعہ کو اپنی رہائش گاہ بنایا اور ان کے خاندانوں کے نام بھی اسی علاقے کی طرف منسوب کئے گئے۔ جیسے تنجاور خاندان ہے۔ اور دیگر خاندانوں کے نام ان کے پیشے کے اعتبار سے رکھا گیا ہے۔

اہل وشارم کا پیشہ

شروع زمانے سے ہی اہل وشارم کا پیشہ زیادہ تر زراعت اور پنواڑی (پان کے باغات) پر مشتمل تھا، اور بعض لوگ نیل کی تجارت بھی کرتے تھے اسی پر ان کا گزراوقات ہوتا تھا، بعد میں ان لوگوں نے چمڑے کی تجارت کو اپنا پیشہ بنایا۔ اور خوب ترقی کرتے چلے گئے مگر اس دنیوی ترقی کے باوجود ان لوگوں نے دین کو فراموش نہیں کیا، خاص طور پر وہ دینی اور مذہبی علوم کے دل دادہ تھے۔

چنانچہ اسلامیہ ہائی اسکول کے ایک سابق مایہ ناز ہیڈ ماسٹر یم۔ جے سعید احمد صاحب مرحوم وشارم کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں ’’ابتدائی زمانے سے ہم کو اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ یہ لوگ علم کے دلدادہ ہیں اور علم کے پھیلاؤ کے لئے کوشاں رہتے ہیں‘‘

وشارم کی وجہ تسمیہ

چنانچہ ایک ماہر سیاسی مبصر کا قول ’’مخبر اعظم‘‘ نامی کتاب میں نقل کیا گیا

ہے کہ ’’اس شہر کا نام وشارم اس لئے پڑا کہ یہاں کے باشندے فطرتاً علم دوست واقع ہوتے چلے آئے ہیں، تعلیم و تعلم سے ان کو بے حد دلچسپی رہی اور وہ اہل علم کو بڑی عزت اور قدر کی نگاہوں سے دیکھتے تھے اس طرح یہاں پڑھے لکھے لوگوں کی کثرت ہوئی، اطراف واکناف کے قصبوں میں اہل وشارم کی بے حد قدر ومنزلت کی جاتی تھی۔ اور وہ ’’وشاردھ‘‘ کہلائے ’’وشاردھ‘‘ کے معنی سنسکرت میں اور تامل میں عقلمند اور ماہر علم وفن کے ہیں رفتہ رفتہ ’’وشاردھ‘‘ کا تلفظ بگڑ کر وشارم بن گیا‘‘

معمار وشارم

اس شہر کی دینی ودنیوی ترقی اور اس کی نیک نامی کا سہرا جن پاکیزہ ہستیوں کے سر جاتا ہے جو بجا طور معمار وشارم کہلائے جانے کے مستحق ہیں، ان کا تذکرہ کسی قدر کتاب ’’وشارم تاریخ کے آئینہ میں‘‘ میں مذکور ہے وہاں ملاحظہ فرمالیں۔ یہاں فقط ان کے اسمائے گرامی ذکر کئے جاتے ہیں۔ جناب آلنجی محمد عثمان صاحب مرحوم، جناب الحاج پاکتنی پاچھا صاحب مرحوم، نواب سی عبدالحکیم صاحب۔

وشارم کی نیک نامی کے چند ظاہری اسباب:

چشم بد دور! تقریبا ہندوستان کے جن علاقوں میں اس مختصر آبادی والے شہر کی دینداری اور اس کی نیک نامی کا جو تذکرہ سنا جاتا ہے۔ اس کے چند ظاہری اسباب یہ ہیں۔

جماعتی نظام کا سلسلہ:

تاریخ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ دور اول کے بزرگوں نے اپنے زمانے میں شہر کی نیک نامی اور اس کی ترقی کے لئے بہت کچھ کیا اور بہت کچھ دیا ہے۔ خصوصاً بعد میں آنے والی نسلوں کے لئے باہمی اتحاد واتفاق اور انھیں یکجہتی کے ساتھ سکون وراحت کی زندگی گزارنے کے لئے جماعت کی شکل میں ایک ایسی اجتماعی قوت عطا کیا، جس پر سرزمین وشارم جتنا بھی فخر کرے کم ہے

واقعی یہ خدا کی ایک دَین ہے۔ اور بزرگوں کی قربانیوں کا صدقہ اور ان کی دوراندیشی کا ثمرہ ہے کہ انہوں نے شہر میں امن وامان کی فضا کو قائم وباقی رکھنے کے لئے سارے شہر والوں کو ایک ہی جماعتی نظام کے تحت مربوط رکھا۔ یہی وجہ ہے کہ آج تک شہر میں پولیس اسٹیشن (Police Station) قائم نہیں ہوا، یہ بات دراصل یہاں کے شہریوں کے امن پسند ہونے کی دلیل ہے۔

یہ جماعت کل چار متولی اور پچیس (۲۵) افراد کے اراکین پر مشتمل ہے، اس کا ایک مستقل دفتر بھی قائم ہے۔ مساجد کا نظم ونسق اوقات نماز وغیرہ اسی جماعتی نظام سے متعلق ہے۔ اسی طرح شادی بیاہ میں سادگی ٹھیک وقت مقررہ پر نکاح، بے جا رسومات اور منکرات پر روک تھام کے لئے باقاعدہ قانون مرتب کئے گئے ہیں، نیز جو بھی گھریلو یا معاشرتی مسائل ہوں سب جماعت ہی کے ذریعہ بحسن وخوبی انجام پاتے ہیں۔

دینی وعصری تعلیم گاہوں کا قیام:

شہر کی نیک نامی کا ایک دوسرا اہم عنصر دینی وعصری تعلیم گاہوں کا قیام ہے ابتداء میں صرف گھروں میں مکتب قائم تھے ۔ جب بچوں کی تعلیم کا کوئی خاص نظم نہیں تھا، تو جناب آلنجی محمد عثمان صاحب مرحوم نے سب سے پہلے ''مدرسۂ عثمانیہ'' نامی ایک مدرسہ کی بنیاد رکھی، جس میں قرآن مجید کے علاوہ حدیث، فقہ، اور فارسی کی تعلیم بھی ہوتی تھی ۔ عصری تعلیم گاہوں میں دنیوی تعلیم کے ساتھ ساتھ دینی تعلیم و تربیت کے لئے شہر کے چند مخلص نوجوانوں نے ''مجلس صلاح دارین'' کے زیر اہتمام اسلامیہ ہائی اسکول کی بنیاد رکھی ۔ اس کے بعد جب ''میل وشارم مسلم ایجوکیشنل سوسائٹی'' (M.M.E.S) قائم ہوا تو سوسائٹی والوں نے اس امانت کو ہاتھوں ہاتھ لے کر خوب پروان چڑھایا اور اس کی شاخیں قائم کیں ۔ آج یہ ترقی کے منازل طے کرتے کرتے اپنی عمر کی سوسال پوری کر چکا ہے ۔

مدرسۂ نسوان

اس کے ساتھ ساتھ لڑکیوں کی بھی تعلیم وتربیت اور ان میں دینی بیداری پیدا کرنے کے لئے جناب ایس ۔ عبدالوہاب صاحب مرحوم نے مدرسۂ نسوان کی بنیاد ڈالی جو آج ترقی کرتے کرتے لڑکیوں کی دینی تعلیم کا مرکز بن چکا ہے اور اس کی بھی شاخیں قائم ہوئی ۔ چند سالوں سے شعبۂ حفظ کا انتظام کیا گیا ہے بحمد اللہ کئی طالبات حفظ کلام پاک کی دولت سے بہرور ہو چکی ہیں ۔

دینی مدارس ومکاتب کا قیام

علاوہ ازیں بعض مخلص احباب نے مستقل دینی تعلیم وتربیت کے لئے مدارس دینیہ اور مکاتب قرآنیہ کا جال بچھایا ۔ الحمد اللہ ان مخلصوں کی محنتوں کا یہ ثمرہ ہے کہ آج شہر میں علماء وحفاظ کا ایک بڑا طبقہ اپنے فرض منصبی میں لگا ہوا ہے ۔ جبکہ اس شہر میں ایک دور، قحط الحفاظ کا بھی گزرا ہے ۔ رمضان المبارک کے موقع پر تراویح کے لئے لوگ حفاظ کی آمد کے منتظر رہتے تھے ۔ اب بحمد اللہ اس کی ضرورت نہ رہی خود شہر کے حفاظ کرام کا ایک بڑا طبقہ شہر کی مساجد میں تراویح سناتا ہے ۔ علاوہ ازیں ایک طبقہ بیرون شہر بھی جاتا ہے ۔

ایک مختصر تعلیمی جائزہ

تعلیمی جائزہ کے اعتبار سے فی الحال شہر میں مکاتب کی تعداد تقریباساٹھ (۶۰) اور دینی مدرسوں کی تعداد بارہ (۱۲) سے کچھ متجاوز ہیں ۔ اور عصری تعلیم گاہیں تقریبادس (۱۰) ہیں ۔ علاوہ ازیں اعلی تعلیم کے لئے کالج بھی قائم ہیں ۔

مدرسہ منبع الحسنات، میل وشارم 1968 ء

شہر وشارم کے ایک مشہور ومخلص تاجر چرم الحاج آئیلم صفی اللہ صاحب مرحوم اپنے رفیق ومشیر خاص حضرت مولانا ایس ۔ ٹی محمد اسحاق صاحب باقویؒ (سابق امام وخطیب مسجد بڑی میٹ، مدراس) کے مشورہ سے رئیس العلماء حضرت مولانا شاہ ابوالسعود صاحب باقویؒ کی سرپرستی میں ۱۳۸۷ھ م ۱۹۶۸ء میں

اپنے صرف خاص سے یہ مدرسہ قائم فرمایا۔

مدرسۂ مفتاح العلوم، میل وشارم 1976ء

مدرسۂ مفتاح العلوم کا آغاز ۱۳۹۶ھ مطابق 1976ء میں بانی مدرسہ ملک التجار عالیجناب ملک خضر حسین صاحب مرحوم کی تمنا وخواہش پر انجمن گلی میں ہوا تھا۔ اور بسم اللہ خوانی حکیم الاسلام حضرت اقدس مولانا قاری محمد طیب صاحب قدس سرہ کی بابرکت دعاؤں سے ہوئی، اور اس عمارت کا سنگ بنیاد بھی حضرت حکیم الاسلامؒ ہی کے دست مبارک سے رکھا گیا۔

رفاہی وسماجی خدمات:

صالح معاشرہ کی تشکیل کا ایک اہم عنصر ایثار وہمدردی بھی ہے۔ چنانچہ شہر کے اہل خیر حضرات میں غرباء کی خبر گیری کمزوروں اور ضرورت مندوں کے ساتھ ہمدردی وخیر خواہی اور ان کی امداد وتعاون کا جذبہ شروع ہی سے رہا ہے۔ اس کی ایک شکل رفاہی اداروں کی سرگرمیاں ہیں۔ فی الحال دس (۱۰) سے کچھ زائد ادارے پوری لگن اور فکر کے ساتھ اپنے فرض منصبی میں لگے ہوئے ہیں۔ چند مشہور اداروں کے نام یہ ہیں، انجمن محمدیہ، اسلامیہ ویلفئر اسوسی ایشن، کرسنٹ ویلفئر اسوسی ایشن، اخوان ویلفئر اسوسی ایشن، نیشنل ویلفئر اسوسی ایشن وغیرہ۔ اس کے علاوہ شہر میں K.H اپولو ہسپتال بھی قائم ہے جہاں دور دور سے لوگ علاج کے لئے آتے ہیں۔

اکابرین امت کی تشریف آوری:

آج ہم شہر میں جو کچھ بھی دینی بیداری اور دینی ماحول کی فضا دیکھتے ہیں، اس میں شک نہیں کہ یہ سب اولیاء اللہ اور اکابرین امت کی تشریف آوری کا صدقہ اور ان کی مستجاب دعاؤں کا ثمرہ ہے۔ شروع ہی سے اس شہر کو بہت سے اکابرین امت کی تشریف آوری کا شرف حاصل رہا ہے۔ چنانچہ بانی باقیات حضرت مولانا شاہ عبدالوہاب صاحبؒ جب بھی وشارم تشریف لاتے تو بڑی مسجد میں آپ کی وعظ ونصیحت کی مجلس ہوتی، علاوہ ازیں شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ، علامہ سید سلیمان ندویؒ، مفتی اعظم مولانا مفتی شفیع صاحبؒ، حکیم الاسلام مولانا قاری طیب صاحبؒ، حضرت مولانا انظر شاہ صاحب قاسمیؒ، مسیح الامت حضرت مولانا شاہ مسیح اللہ خان صاحبؒ، مفکر اسلام مولانا ابوالحسن علی میاں ندویؒ، فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود الحسن صاحبؒ، عارف باللہ حضرت مولانا قاری امیر حسنؒ وغیرہ اکابر حضرات نے اپنی تشریف آوری اور پند ونصائح سے لوگوں کے قلوب میں دینی بیداری پیدا کی۔

دعوت وتبلیغ کی سرگرمیاں

اس میں شک نہیں کہ دعوت وتبلیغ کی عظیم اور مبارک محنت سے شہر کے چھوٹے، بڑے، مرد، عورت غرض ہر طبقہ میں دینی بیداری آئی۔ چنانچہ شہر میں 1997ء کے صوبائی اجتماع کے بعد جو وشارم کی سرزمین کا ایک تاریخی اجتماع تھا،

اس کام کو خوب فروغ حاصل ہوا، اور لوگوں میں دین پر چلنے اور دین کے سیکھنے سکھانے کا جذبہ پیدا ہوا، نیز اس مبارک کام کی بدولت شہر میں کئی مساجد قائم اور آباد ہوتے چلے گئے ۔

مساجد کی تعداد

بڑھتی ہوئی آبادی کو دیکھ کر اہل ثروت نے جہاں بھی ضرورت محسوس کی اپنے صرف خاص سے مسجدیں تعمیر کیں۔ اور الحمد للہ آج وشارم میں مساجد کی کل تعداد تقریبا (40) ہیں۔ ان میں سے اکثر مساجد کا تعلق جماعتی نظام سے وابستہ ہے

مسجد رحمانیہ:

اس عالی شان مسجد کی سنگ بنیاد حضرت اقدس مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کی مستجاب دعا اور آپ کی دست مبارک سے رکھی گئی۔ اور 16,02,2017 بروز جمعرات امیر شریعت حضرت اقدس مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کی مستجاب دعاؤں سے اس کا افتتاح ہوا۔ یہ مسجد بائی پاس روڈ کے لبِ سڑک پر واقع ہے جو شہر کی دیگر مساجد کے مقابلہ میں کافی بڑی اور عالی شان ہے، جس میں لگ بھگ ساڑھے تین ہزار افراد بیک وقت نماز پڑھ سکتے ہیں۔

اصلاح معاشرہ

یہ مسلم حقیقت ہے کہ اصلاح معاشرہ کی اصل روح امر بالمعروف نھی عن المنکر ہے، پورے معاشرہ کی اصلاح کا مدار اسی پر موقوف ہے۔ چنانچہ اس معاملہ

میں شہر کے ذمہ دار حضرات پہلے ہی سے بڑے حساس تھے، اور شہر کی کڑی نگرانی فرماتے تھے۔

ایک موقع پر حضرت امیر شریعت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ نے پاکتی مسجد میں اصلاح معاشرہ کے عنوان پر خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ ''میں اپنے طالب علمی کے زمانے میں شہر کے ذمہ داروں میں یہ بات اچھی طرح محسوس کرتا تھا کہ غیرت دینی ان کے اندر کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی، حمیت ملی جس کو کہتے ہیں وہ ان کے اندر بہت زیادہ تھی ۔ جہاں کہیں بستی میں غیر شرعی قسم کی چیزیں یا فحش قسم کی چیزیں ہونے لگتی تو فوراً ذمہ داروں سے رابطہ قائم کرتے، اس سلسلے میں مشورہ کرتے، اس زمانے میں لوگ آرکاٹ سینما کے لئے جاتے تھے اس پر یہاں مستقل بندشیں ہوئیں، اسی طرح قوالیوں پر بندشیں ہوئیں، رمضان المبارک میں ہوٹلوں کے دن میں کھلے رکھنے پر پابندی عائد کی گئی۔ یہ بندشیں ہوئیں۔ آج پھر وہ دور یاد آرہا ہے اللہ ان کی مغفرت فرمائے اور وطن کے اندر، شہر کے اندر ایسے جذبات رکھنے والے، دینی حمیت رکھنے والے اور قومی غیرت رکھنے والے زیادہ سے زیادہ پیدا ہوں۔

الحمد للہ اسی ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے عوام میں دینی شعور و بیداری پیدا کرنے لئے، احیاءِ سنت کی اشاعت، بدعات و رسومات منکرات وخرافات سے معاشرہ کو بچانے کے لئے شہر کے علماء وحفاظ کی جماعت کا قیام عمل میں آیا۔

تقسیم کار کے اعتبار سے شہر میں علماء کی تین جماعتیں ہیں۔ دعوۃ الحق ،

تنظیم العلماء، جمعیۃ العلماء۔ان اداروں کی نگرانی میں وقت ضرورت بیرون شہر سے اکابر علماء کرام کو مدعو کر کے بیانات کا انتظام کیا جاتا ہے۔اور شہر کی کئی مساجد میں ہفتہ واری درس قرآن کا سلسلہ بھی جاری ہے علاوہ ازیں ضرورت اور موقع کی مناسبت سے دینی رسائل و پمفلٹ بھی شائع کیا جاتا ہے۔

وشارم میں خانقاہی نظام:

جیسا کہ اوپر مذکور ہوا حسب موقع شہر میں اکابرین کی تشریف آوری ہوتی اور ان کی وعظ ونصیحت کی مجلسیں ہوتی تھی اس کا اثر یہ ہوا لوگوں میں اللہ والوں سے اصلاحی تعلق قائم کرنے کا جذبہ پیدا ہوا، خصوصاً حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری طیب صاحبؒ سے کئی حضرات نے اپنا اصلاحی تعلق قائم کر رکھا تھا۔قاری طیب صاحبؒ کئی مرتبہ وشارم تشریف لائے اور آپ کو شہر میں لانے اور آپ کی میزبانی کا شرف حاصل کرنے والے پہلے بزرگ جناب الحاج چنمیر افقیر محمد صاحب تھے، جو قاری صاحبؒ سے بے انتہا عقیدت ومحبت رکھتے تھے، یوں کہئے کہ آپ حکیم الاسلامؒ کے عاشق اور آپ کے سچے جاںنثاروں میں سے تھے۔اسی عقیدت ومحبت کی بنا پر آپ نے اپنے مکان کا نام بھی طیب منزل رکھا۔جب بھی قاری صاحبؒ وشارم آتے تو ضرور آپ کے مکان پر تشریف لاتے اور حسب معمول بعد فجر آپ ہی کے مکان پر وعظ ونصیحت کی مجلسیں منعقد ہوتیں۔لیکن شہر میں کہیں بھی مستقل طور پر خانقاہی نظام نہ تھا۔

خانقاہ محمودیہ:

سب سے پہلے ۱۴۱۰ھ 1995ء میں بمقام مسجد خضر میں خانقاہ محمودیہ کا قیام عمل میں آیا۔جناب الحاج ملک محمد ہاشم صاحب نے دین کے اس اہم شعبہ کے طرف بھی اپنی توجہ مبذول فرمائی، اور امت مسلمہ کے لئے خصوصا اہل وشارم کی صلاح وفلاح کے لئے شہر میں خانقاہی نظام کا یہ مبارک سلسلہ جاری فرمایا۔اس عظیم مقصد کے لئے حضرت اقدس فقیہ الامت مولانا مفتی محمود الحسن صاحبؒ نے ۱۴۱۰ھ 1995ء میں میل وشارم کا سفر فرمایا، جبکہ آپ کی عمر شریف اس وقت تقریبا ۹۱ سال کی تھی۔اس پیرانہ سالی میں آپ نے اپنے خلفاء اور مریدین کی ایک بڑی جماعت کے ساتھ مسجد خضر میں مکمل ایک ماہ کا قیام فرمایا۔اور اپنی قیمتی نصائح اور دردمحبت سے سالکین وطالبین کو مستفیض فرمایا۔حضرتؒ کے نام گرامی پر خانقاہ کا نام ''محمودیہ'' تجویز کیا گیا۔اس ذریں موقع پر آپ کی آمد اور آپ کے باکمال وباصفا خلفاء کرام کی تشریف آوری سے گویا وشارم کا یہ قطعہ بقعۂ نور بن گیا تھا۔عصر حاضر کے اکابرین میں سے عارف باللہ حضرت اقدس مولانا قاری صدیق احمد صاحب باندویؒ، حضرت اقدس مولانا قاری امیر حسن صاحبؒ، حضرت مولانا محمد ابراهیم صاحب پانڈور زیدمجدھم، حضرت مولانا مفتی محمد احمد خان صاحب خانپوری زیدمجدھم، حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب زیدمجدھم، حضرت مولانا مفتی فاروق صاحبؒ وغیرہم وقتا فوقتا شہر وشارم تشریف لاتے ان کے قیمتی نصائح

سے اہل وشارم اور اس کے اطراف واکناف کے لوگ فیض اٹھاتے ،الحمد للہ ہرسال ماہ مبارک کے موقع پربھی اجتماعی نظام کے ساتھ اعتکاف کا یہ سلسلہ چلتا ہے۔ علاوہ ازیں ہر ماہ کی آخری جمعرات میں بھی عصرتا اشراق مجلس ہوتی ہے۔

واقعی اگر ہمارے بزرگوں کی یہ مخلصانہ قربانیاں نہ ہوتیں تو نہ یہ شہر امن وامان کا گہوارہ بنتا اور نہ ہی کبھی یہ دینی فضاد یکھنے کوملتی ،اللہ تعالی ہمیں بھی انھیں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ،ان کے لگائے ہوئے چمن کی شادابی کے لئے پوری طرح کمر بستہ ہوکراس گراں بار امانت کی نگہبانی اور پاسبانی کے لئے نیز شہر میں امن وامان کو بحال رکھنے اورعوام الناس کی فلاح وبہبود کے لئے ہمیں کام کرنا آسان فرمائے اور میری یہ دلی دعا ہے کہ اللہ تعالی ان تمام حضرات کوجنہوں نے دامے درمے، سخنے قدمے اہل شہرکی ترقی کے لئے جوقربانیاں دی ان سب کوبہترین جزا عطا فرمائیں۔آمین

مختصر سوانحی خاکہ

حضرت مولانا محمد اسمٰعیل ذبیح اللہ صاحب قاسمی زید مجدہٗ

ابن حضرت اقدس فخر جنوبؒ

تمہید:

اس دنیا میں ان گنت لوگ آئے اور چلے گئے مگر کتنے لوگوں کو دنیا نے یاد رکھا؟ تاریخ کے صفحات پر گنتی کے چند نام باقی رہ گئے ۔جنہیں دنیا بھلا نہ سکی، یہ وہ حضرات ہیں جو بقیہ لوگوں سے ممتاز رہے اور اپنی خداداد صلاحیتوں کی بنا پر ایسے ایسے کارہائے نمایاں انجام دئے جن کی وجہ سے دنیا انھیں بھلا نہ سکی۔انہیں خوش نصیب حضرات میں سے ایک ہستی حضرت اقدس والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں۔ بقول کسی مفکر کہ’’ کچھ لوگ تاریخ پڑھتے ہیں اور کچھ تاریخ رقم کرتے ہیں،اور کچھ تاریخ بناتے ہیں،اوران کی زندگی تاریخ ساز اورعہد ساز ہوجاتی ہے‘‘۔اللہ تعالیٰ نے حضرت موصوف کوثالث الذکر زمرے میں شامل فرمایا۔اور ایک ایسی مثالی زندگی گذارنے کی توفیق بخشی کہ ان کی اس زندگی کے ہر شعبے میں ہم چھوٹوں کے لئے اس میں ایک نصیحت ملتی ہے اور ہر گوشہ میں ایک سبق ملتا ہے۔

بحمد للہ! آپ کے اندر بیک وقت کئی صلاحتیں ودیعت کر دی گئی جنہیں

بروئے کار لاکر دین وملت کی خدمت کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی ،ایک کامیاب مدرس ،بہترین منتظم ہونے کے ساتھ ساتھ خلق اللہ کی ہدایت وفلاح انہوں نے انجام دیا۔

علم وعمل زہد وتقوی ،تدبر وتفکر جیسے بے شمار پہلوؤں کے جامع شخصیت کی خدمات پر قلم اٹھانا احقر جیسے بے بضاعت اور ادنی طالب علم کے لئے اس کا تصور ہی عزم وہمت کی راہ میں سد سکندری بن جاتا ہے پھر بھی مقولہ معروف ''ما لایدرک کلہ لایترک کلہ'' کے پیش نظر انگلی کٹا کر شہیدوں کی فہرست میں نام شمار کرنے کے لئے کچھ معروضات پیش خدمت ہیں۔

نام ونسب:

محمد یعقوب ابن محمد اسماعیل ابن محمد قاسم ابن محمد باشاہ

خاندانی پس منظر:

شہر آرنی کے قریب کلمبور نام کا ایک قصبہ ہے جو آج بھی چاول کی کاشتکاری میں مشہور ہے اس علاقے میں دریا نام کا ایک خاندان بستا تھا جس کے ایک فرد جناب محمد باشاہ صاحب عرف پاچھا صاحب تھے وہ آج سے تقریباً ڈیڑھ سوسال قبل کلمبور سے منتقل ہوکر وشارم تشریف لائے تھے۔موصوف حضرت اقدس والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پردادا تھے حضرت دادا مرحوم جناب محمد قاسم صاحب کی کل چار اولاد تھی ایک حضرت کے والد بزرگوار جناب اسمٰعیل صاحبؒ اور تین پھوپھیاں تھیں جن میں سے ایک لاولد تھیں (جنہیں سب بچے ممّا کہہ کر پکارتے تھے) حضرتؒ نے انہیں کے گود پرورش پایا انہیں حضرت سے بہت محبت تھی

پیدائش:

آپ کی ولادت (T.C) ٹرانسفر سرٹیفکیٹ کے اعتبار سے یکم جولائی 1935ء مطابق ۲۷/رجب المرجب ۱۳۵۳ھ کو شہر میل وشارم میں ہوئی۔ حضرتؒ ابھی شکم مادر ہی میں تھے کہ آپ کی والدہ محترمہ نے ایک خواب دیکھا کہ قرآن مجید کی آیت کریمہ "نصر من اللہ وفتح قریب" آسمان پر لکھا ہوا ہے۔صبح کو انہوں نے یہ خواب اپنے خاوند جناب محمد اسماعیل مرحوم سے ذکر کیا پھر انہوں نے کسی اللہ والے سے اس کی تعبیر دریافت کی تو ان بزرگ نے فرمایا۔انشاءاللہ آپ کے گھر اللہ کا ایک ولی پیدا ہوگا۔

عہد طفولیت:

حضرتؒ اپنے والدین کے دوسرے فرزند تھے آپ کے بڑے بھائی جناب الحاج محمد اسحاق صاحب مرحوم آپ سے ڈیڑھ سال یا دوسال بڑے تھے اسی طرح آپ کے تیسرے بھائی جناب الحاج محمد یوسف صاحب دام اقبالہ آپ سے دو یا ڈھائی سال چھوٹے ہیں ان تینوں بھائیوں میں عمر میں زیادہ تفاوت نہ ہونے کی وجہ بچپن میں کھیل کود وغیرہ میں اکثر و بیشتر ایک ساتھ ہوتے تھے ان لوگوں کو آپسی محبت اور اتحاد واتفاق کے ساتھ کھیلتے دیکھ کر راہ گیر بہت رشک کرتے اور انہیں حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کا نمونہ قرار دیتے تھے۔ان تین علاوہ حضرتؒ کے اور دو بھائی، اور دو بہنیں ہیں جو بالترتیب اس طرح ہیں :صفیہ بیگم صاحبہ، الحاج محمد قاسم صاحب، حاجیہ عائشہ بیگم صاحبہ اور الحاج احسان اللہ صاحب۔ہم لوگ جب بچپن میں کھیل کود کے دوران باہم دست وگریباں ہوجاتے تو ہماری

دادی مرحومہ حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے بھائیوں کی آپسی محبت کا زمانہ یاد دلا کر عار دلایا کرتی تھیں، بہرحال حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا بچپن اور لڑکپن کا زمانہ بھی ایک مثالی زمانہ تھا البتہ لڑکپنی کی کچھ معصومانہ شرارتیں اور اپنے بھائی بہن کے ساتھ ہنسی مذاق کے کچھ واقعات بھی ہم نے اپنی ددھیال والوں سے سنا ہے لیکن اس آپسی تعلقات میں کسی قسم کی کمی نہیں آتی تھی۔

عصری تعلیم:

مکتب اور ابتدائی عصری تعلیم کے بعد آپ نے ثانوی تعلیم کے لئے اسلامیہ ہائی اسکول میل وشارم میں داخلہ لیا الحمدللہ ہر سال امتیازی نمبرات کے ساتھ کامیابی حاصل کرتے رہے جب گیارہویں جماعت میں تھے تو ششماہی امتحانات کے قریب ٹائیفائڈ میں مبتلاء ہوگئے جس کی وجہ سے تقریباً دوماہ کی رخصت لینی پڑی اور اس سال کے ششماہی امتحانات میں بھی حاضر نہ ہوسکے صحت یابی کے بعد جب دوبارہ اسکول پہنچے تو ایک غیر مسلم استاد سبرتنم ایّر Subradanam Ayyar نے کہا یعقوب! پبلک یگزام کے لئے اب صرف دوماہ بچے ہیں اب تمہارا کیا ہوگا۔ تو حضرت نے کہا انشاء اللہ محنت کرلوں گا۔ پھر استاد نے خود کہا تم ایک کام کرو، اب رہے سہے چند دن روزانہ شام کو میرے گھر ٹیوشن Tuition کے لئے آجاؤ۔ حضرت نے اپنے خیرخواہ استاذ کی رائے اپنے والد بزرگوار کو سنایا تو انہوں نے کہا اس وقت میری مالی حیثیت اتنی اچھی نہیں ہے کہ میں تمہاری ٹیوشن کا خرچ برداشت کرسکوں اس پر حضرتؒ نے خاموشی اختیار کرلی بعد میں جب استاذ کو اس بات کا علم ہوا کہ ٹیوشن کی فیس کی وجہ بات رک گئی تو

ناراضگی کا اظہار فرمایا کہ میں نے کب تم سے ٹیوشن کی فیس کا مطالبہ کیا۔ باقی بچے ہی کتنے دن؟ بس اب دیر نہ کرو آج ہی سے شروع کرو چنانچہ حضرتؒ کی مسلسل محنت اور استاذ کی توجہات سے اس سال SLC کے پبلک یگزام Public Exam میں پورے اسکول میں اول پوزیشن حاصل کی اور بعض Subject میں ضلع بھر میں امتیازی نمبرات سے کامیاب ہوئے فللہ الحمد علیٰ ذلک۔

دینی تعلیم کی طرف رجحان:

اس زمانے میں اسلامیہ ہائی اسکول میل وشارم میں عصری تعلیم کے ساتھ ساتھ ایک دینی ماحول بھی قائم تھا الحمدللہ! آج بھی یہ اسکول دینی ماحول میں اپنی مثال آپ ہے، چنانچہ ان دنوں شعبہء دینیات میں حضرت اقدس مولانا ابوالسعود صاحب رحمۃ اللہ علیہ بانی ومہتمم دارالعلوم سبیل الرشاد بنگلور اور الحاج نیر ربانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ جیسی عبقری علمی وروحانی بافیض شخصیات موجود تھی اول الذکر بزرگ تقریباً سترہ سال اسی اسکول کی زینت بنے رہے بہرحال اسی دینی ماحول کا اثر تھا کہ حضرت والاؒ کو بھی عصری تعلیم ہی کے دوران دینی تعلیم حاصل کرنے کی خواہش ہوگئی چنانچہ دوران تعلیم ہی آپ نے اپنے ان ہی اساتذہ کرام سے فارسی و عربی کتابیں پڑھنا شروع کردیا تھا اور عصری تعلیم سے فراغت تک کتب متداولہ کا ابتدائی حصہ پڑھ چکے تھے۔

یہ وہ دور تھا جس میں مدارس اسلامیہ میں داخلہ کو معیوب گردانا جاتا تھا مدارس عربیہ کے بارے میں عوام کی اچھی رائے نہیں تھی لوگ یہ سمجھتے تھے کہ معاذ اللہ! ''یہ مولوی لوگ چندہ کی روٹی کھانے والی قوم ہیں'' ایسے مخالف ماحول

میں ایک ذی استعداد طالب علم کا مدرسہ کی جانب رخ کرنے سے طعن وتشنیع کا نشانہ بننا ممکن تھا۔ چنانچہ حضرتؒ نے اپنا واقعہ سنایا کہ ’’میں SLC کا امتحان دے کر اسکول کی چھٹیوں میں چار ماہ کے لئے تبلیغی جماعت میں چلا گیا غالباً یہ شہر وشارم سے نکلنے والی پہلی جماعت تھی بندہ بھی اس میں شریک تھا جماعت میں رہتے ہوئے میں نے اپنے والد صاحب کو خط لکھ کر اپنا ارادہ ظاہر کیا کہ انشاء اللہ اگلے سال میں عربی مدرسہ میں داخلہ لینا چاہتا ہوں ادھر میرے اسکول کے بعض اساتذہ (جن کے میرے والد صاحب کے ساتھ اچھے مراسم تھے) کا اصرار تھا کہ یعقوب اچھے نمبرات کے ساتھ کامیاب ہوئے ہیں اس لئے اعلیٰ تعلیم کے لئے شہر مدراس کے فلاں کالج میں داخلہ دلوادیں انہیں دنوں میرے بعض احباب نے ہمارے ایک استاذ سے تذکرہ کیا کہ سر! یعقوب دینی تعلیم حاصل کرنے کے لئے جامعہ باقیات صالحات میں داخلہ کا ارادہ رکھتے ہیں تو (ماحول سے متاثر) ان استاذ صاحب کو طیش آگیا، پوچھا کیا کہتے ہو؟ کیا اب وہ بھی بھیک مانگے گا؟‘‘۔۔۔

جامعہ باقیات صالحات میں:

اسی پر آشوب ماحول میں دادا صاحب نے اپنے ہونہار فرزند کی خواہش کے مطابق باقیات صالحات میں تعلیم حاصل کرنے کی اجازت مرحمت فرمادی، چونکہ حضرتؒ نے عصری تعلیم کے دوران ہی خارجی اوقات میں اپنے اساتذہ کرام سے فارسی اور عربی کی بنیادی کتابیں پڑھ لی تھی۔

چناچہ آپؒ جامعہ باقیات صالحات میں عربی دوم میں داخلہ لے لیا تقریباً تین سال وہیں زیر تعلیم رہے۔ نیز ان ہی ایام میں خارجی اوقات میں حفظ

کلام پاک کا سلسلہ بھی جاری رکھا غالباً آپ جماعت چہارم میں تھے کہ ایک دن اچانک اس وقت کے ناظر صاحب نے آپ کو بلا بھیجا اور فرمایا کہ ’’ہم نے سنا ہے تم حفظ بھی کر رہے ہو اور تلاوت بڑی عمدہ کر لیتے ہو؟ ٹھیک ہے کل سورج گرہن ہے ہمیں خیال ہوا کہ تمہیں سے صلوٰۃ کسوف پڑھوالیں‘‘۔ ابتداء حضرتؒ گھبرا گئے بعد میں آپ کے حفظ کے استاذ نے حوصلہ دیا تو ڈھارس بندھی اور اگلے دن اپنے اساتذہ کی تعمیل حکم میں اس ذمہ داری کو بحسن وخوبی انجام دیا۔

دارالعلوم دیوبند میں:

حضرت رحمہ اللہ نے چونکہ عصری تعلیم (SLC) مکمل کرنے کے بعد مدرسے کی طرف رخ فرمایا تھا اس زمانے کے لحاظ سے یہ عمر والدین کو کمائی کر کے دینے کی عمر تھی، پھر بھی حضرت رحمہ اللہ کی درخواست پر مدرسہ جانے کی اجازت مل گئی تھی ویسے گھر کی مالی حالات ٹھیک نہیں تھی، ان ہی حالات میں آپ جب باقیات صالحات سے دارالعلوم دیوبند چلے گئے تو وہاں جانے کے بعد آپ کو کچھ تکالیف برداشت کرنی پڑی۔ آپ خود بھی نہیں چاہتے تھے کہ ان حالات میں گھر سے کوئی رقم آئے مگر اس کے باوجود تھوڑی بہت رقم آجاتی تھی اس کے ساتھ مدرسے سے کچھ وظیفہ بھی ملتا تھا ان سب کو ملا کر کفایت شعاری کے ساتھ خرچ کرنے کے باوجود بھی مہینے میں تقریباً ایک ہفتہ اس طرح گزرتا تھا کہ جس میں آپ ناشتہ نہیں فرماتے تھے نہ ہی چائے پی سکتے تھے۔ انہیں ایام کا ایک واقعہ حضرت نے خود سنایا کہ ’’سخت سردی کا زمانہ تھا بندے کو غسل کی حاجت ہوگئی دارالعلوم میں ان دنوں گرم پانی کا بھی انتظام نہیں تھا خدا خدا کر کے طہارت ونماز فجر سے فارغ

ہو کر سبق کو جانے کی تیاری کر رہا تھا جسم تھر تھر کانپ رہا تھا ایک کپ گرم چائے کا سخت تقاضہ ہو رہا تھا مگر بندہ کے پاس اس وقت دو آنے نہیں تھے کہ جا کر چائے پی سکے، چادر اوڑھ کر سیدھے درسگاہ چلا گیا‘‘

دارالعلوم دیوبند میں حضرت رحمہ اللہ دار جدید کمرہ نمبر ۸۵ میں رہتے تھے جو ایک سیٹ والا بہت چھوٹا سا کمرہ تھا ایک مرتبہ احقر نے اپنے زمانہ طالب علمی میں حضرت مولانا سید ارشد مدنی صاحب دامت برکاتہم سے جو اس وقت کے ناظم تعلیمات تھے درخواست کی کہ احقر کے لئے ایک سیٹ والا کوئی کمرہ دلوا دیں حضرت نے فرمایا کہ ان دنوں اس طرح کے کمرے طلبہ کو نہیں دیئے جاتے ہیں اسی ضمن میں فرمایا ’’تمہیں معلوم ہے کہ تمہارے والد صاحبؒ کس کمرے میں رہتے تھے؟ وہ ایک چھوٹا سا قبر نما کمرہ تھا حضرت مولانا اسی میں پوری یکسوئی کے ساتھ اپنی تعلیمی مشاغل میں منہمک رہتے تھے۔‘‘

شعر: بقدر الکد تکتسب المعالی ومن طلب العلیٰ سھر اللیالی

الحمد للہ حضرتؒ ہر سال تمام کتابوں میں امتیازی نمبرات سے کامیاب ہوتے رہے، ایک مرتبہ والدؒ نے خود فرمایا کہ مولانا محمد میاں صاحب طلباء کو نمبر دینے میں بہت کفایت شعار تھے، ایک مرتبہ مولانا نے طلبہ سے خود فرمایا کہ اگر مصنف کتاب بھی میرے پاس امتحان دے گا تو میں 49 سے زیادہ نہیں دوں گا، لیکن حضرت نے بندے کو ہدایہ اولین میں 52 نمبر دے دیے۔ تو اس پر طلباء نے وجہ دریافت کی تو جواب دیا کہ میں مولوی یعقوب کو 52 نمبر دینے پر مجبور ہو گیا تھا۔ (واضح ہو کہ ان ایام میں دارالعلوم کے کل نمبرات 50 ہی ہوا کرتے

تھے۔ نمونے کے طور پر حضرت کے نتائج کا عکس مضمون کے اخیر میں موجود ہے۔

نکاح:

۱۹ جون ۱۹۶۳ء میں آپ کی شادی ہوئی میری نانی مرحومہ کا بیان رہا کہ،

’’جب تمہارے ابا کا پیغام نکاح ہمارے گھر آیا اس سے ایک دن قبل میں نے خواب دیکھا کہ تمہارے نانا مرحوم کا ایک خط کانپور سے آیا ہوا ہے جس میں انہوں نے لکھا ہے کہ مولانا ابو الکلام آزاد صاحب تشریف لا رہے ہیں، ان کے لئے کھانے کا انتظام کرو، صبح کو میں اس خواب کا ذکر اپنے سسرال والوں کے پاس کر رہی تھی کہ عین اسی وقت ہمارے ایک پڑوسی الحجی کیم ابراہیم صاحب اس پیغام کو لیکر آئے تب خواب کی تعبیر کا پتہ چلا کہ مولانا ابو الکلام آزاد کی شکل میں ہمارے گھر میں داماد محترم آ رہے ہیں۔‘‘

الحمد للہ میری والدہ نور اللہ مرقدہا بھی اپنے شوہر کے ہم مزاج وہم خیال بن گئیں ویسے تو بچپن ہی سے صوم وصلاۃ کی پابند رہیں، میرے ننھیال والوں کا بیان ہے کہ؛ بچپن میں کھیل کود کے دوران جیسے ہی اذاں کی آواز سن لیتیں بس سارے کھیل کو خیر باد کہ کر نماز کی تیاری میں لگ جاتیں اور اول وقت میں نماز سے فارغ ہو جاتیں۔ البتہ گھریلو ماحول کی وجہ سے اپنے خالہ زاد، ماموں زاد اور چچا زاد بھائیوں سے پردہ کرنیکا رواج نہیں تھا شادی کے بعد حضرتؒ کے ایک ایماء وحکم پر ان تمام سے پردہ کرنے لگیں۔ میرے ایک ماموں جو والدہ کے خالہ زاد ہیں جناب ڈاکٹر اقبال احمد صاحب کا بیان ہے کہ ’’میں تمہاری والدہ کی شادی میں کمپنی سے رخصت نہ ملنے کی وجہ سے شرکت نہ کرسکا بعد میں مبارک بادی دینے

کے لئے ان کے سسرال گیا اس وقت حضرت مولانا بھی گھر ہی میں تشریف فرما تھے، تمہاری والدہ بس تھوڑی دیر کے لئے آکر سلام کر کے چلی گئیں ان کی آمد سے حضرت مولانا کے بل پر شکن پڑا اور کچھ ناراض سے لگے بعد میں معلوم ہوا کہ ہمارے جانے کے بعد حضرت نے اپنی اہلیہ سے فرمادیا کہ ان لوگوں سے پردہ کرنا ضروری ہے، بس اس دن سے تمہاری امی کے وصال تک ہم نے ان کے ایک جھلک کو بھی نہیں دیکھا'' اس واقعہ کو سنانے کے بعد فرمایا کہ'' ان دونوں کی ازدواجی زندگی بس قرآن کریم کی آیت **والطیبات للطیبین والطیبون للطیبات** کے مصداق رہی''۔

اسفار:

حضرت والد صاحبؒ اپنے یکسوئی مزاج کی وجہ سے زیادہ تر سفر کرنا پسند نہیں فرماتے تھے "ہمیں دنیا سے کیا مطلب مدرسہ ہے وطن اپنا" کے بمصداق مدرسہ ہی میں پڑے رہنے کو زیادہ پسند فرماتے حتیٰ کہ بعض اہم شادیوں میں شرکت کرنے سے بھی معذرت کر دیتے تھے، البتہ اگر کوئی دینی تقاضہ ہوتا تو تب سفر کو مقدم رکھتے، خاصکر دارالعلوم دیوبند کے مجلس شوری میں شرکت کرنے کے لئے ضرور تشریف لے جاتے اور بہت پہلے سے اسکا اہتمام کرتے ۱۹۸۶ء میں آپ دارالعلوم کے مجلس شوری کے رکن منتخب ہوئے، اس وقت سے برابر ہر سال (اخیر کے چند سال کو چھوڑ کر) پابندی سے اسمیں شرکت کرتے اور سفر بھی ٹرین ہی کا ہوا کرتا تھا۔

جب ضعف بڑھ گیا اور ٹرین کا سفر مشکل ہو گیا تو بندے نے (سفر ہی کے دوران) حضرت سے عرض کیا کہ بہت سے احباب کی رائے ھیکہ آپ آئندہ سے

ہوائی جہاز کا سفر کو اختیار کرلیں، تو اس پر والد صاحب نے جواب دیا کہ'' مجھے کوئی تکلیف محسوس نہیں ہوتی، اگر تکلیف ہو تو بھی کیا ہوا دارالعلوم کی نسبت پر ہی ہو رہی ہے اور مجھے اسمیں ایک قسم کی لذت محسوس ہوتی ھے''۔ بہر حال کئی مرتبہ اس عاجز نے یہ درخواست کی بلکہ احباب کے اصرار کی وجہ سے مجھ پر کچھ دباؤ بڑھ گیا حتیٰ کہ حضرت مولانا عبدالخالق صاحب مدراسی دامت برکاتہم (نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند) نے بھی بندے کو ڈانٹ کر کہا:'' آئندہ ہوائی سفر کا انتظام کرو'' تب بندہ حضرت کو اطلاع کے بغیر ہی ہوائی سفر کا انتظام کر دیا، جسکی بنا پر حضرت سے اس پر کچھ ڈانٹ سننی پڑی۔

سفر حج بیت اللہ شریف:

حضرتؒ کو بچپن ہی سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے اور اپنے حبیب ﷺ کے عشق ومحبت کا کمال درجہ عطا فرمایا تھا جسکی وجہ سے زیارت حرمین شریفین کی تمنا ہر وقت دل میں لگی رہتی تھی، ایک مرتبہ دوران سفر فرمایا کہ'' کون بدنصیب ایسا ہوگا؟ جسکو حرمین شریفین کی زیارت کا شوق نہ ہو خاصکر وہ آدمی جو ایک عالم دین ہو درس و تدریس میں لگا ہوا ہو اور اس کے ذمہ فقہ کی کتابیں بھی ہوں، جب کتاب الحج کو پہنچتے ہیں اور وہاں کے مقامات مقدسہ کا ذکر کرتے ہوئے حاجی لوگوں کے منی سے عرفات، عرفات سے مزدلفہ پھر زیارت مدینہ طیبہ وغیرہ کی بات آجاتی تو آنکھوں میں آنسو آجاتے ہیں، یہی حال بندے پر بھی طاری رہی ادھر مقامات مقدسہ کی زیارت کیلئے دل بے چین و بے قرار اُدھر کچھ ارباب ثروت کی جانب سے مسلسل اصرار کہ آپ ہمارے ساتھ حج وعمرہ کیلئے تشریف لے چلیں ہم اس کو ہمارے لئے باعث سعادت

سمجھتے ہیں، لیکن طبیعت میں استغنائیت کی وجہ سے بندہ نے کبھی بھی دوسروں کے توسط سے حج یا عمرہ کے سفر کا ارادہ نہیں کیا اور دل کو تسلی دیتا رہا کہ انشاء اللہ العزیز مجھکو یہ سعادت عظمی نصیب ہوگی دوسروں کی توسط کے بغیر''۔۔

پھر خدا خدا کر کے وہ وقت مبارک آ پہنچا، ۱۹۷۷ء میں بحری جہاز کے ذریعہ اپنی والدہ مرحومہ کے ساتھ سفر حج کی سعادت نصیب ہوئی ساتھ ہی ساتھ والدہ کی خدمت کی سعادت بھی نصیب ہوئی ۔حضرتؒ کے ماموں جناب الحاج گرامی عبد الرحمن صاحب اس وقت اپنی بہن اور بھانجے کے لئے اس مبارک سفر میں ایک نظرانہ عقیدت پیش کئے دادی صاحبہ نے اسکو فریم کر کے دیوار پر لٹکا دیا تھا، ہم بچے لوگ کبھی اسکو ترنم کے ساتھ پڑھتے تھے، خاصکر اسمیں سے ایک شعر بندے کو بہت پسند آتا تھا ۔

ساتھ ہیں والدہ ماجدہ چمکی قسمت
اس سے بڑھکر ہو کیا کونین میں حاصل عزت

اس شعر کو میں اکثر گنگناتا رہتا اور اللہ پاک سے دعا بھی کرتا تھا کہ یا اللہ! وہ سعادت و خدمت بندے کے حصہ میں بھی نصیب فرما، چناچہ اللہ رب العزت نے بندے ناچیز کو بھی وہ سعادت عظمی نصیب فرمایا اپنی والدہ کے ساتھ اس سفر مبارک کی توفیق بخشی اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل و کرم سے شرف قبولیت سے نوازے۔آمین

دوسرا سفر بیت اللہ:

۱۹۸۶ء میں حضرت کو دوبارہ حج بیت اللہ کی سعادت نصیب ہوئی اسی سال

میرے عم محترم جناب محمد یوسف صاحب اپنی اہلیہ کے ساتھ سفر حج میں جانے کا ارادہ ظاھر کئے تو تب حضرت والد صاحبؒ اور دوسرے اہل خانہ کو اس بات کی خواہش ہوئی کہ دادا صاحب مرحوم اس تمنیٰ کو اپنے دل رکھکر دنیا سے رخصت ہو گئے ؛ اسوقت حالات اسقدر سازگار نہیں ہوئے کہ ابھی یہ سعادت عظمی نصیب ہوا سلئے ان کے طرف سے حج بدل کا نظم کیا جائے ،اور سارے گھر والے اس بات پر متفق ہوئے کہ اس کام کیلئے والد صاحبؒ کا انتخاب ہو۔ چناچہ حضرت والد صاحبؒ بھی اسے سعادت سمجھکر قبول فرمائے اسطرح حضرتؒ کا یہ دوسرا سفر حجاز مقدس طے ہوا۔

درمیان میں تقریباً پچیس برس کا طویل زمانہ اس طرح گزرا کہ جسمیں حضرت کا کوئی سفر حجاز مقدس نہیں ہوا، چونکہ ان دنوں میں حضرت کی دوسری ذمہ داریاں تھیں، ایک تو اپنے آبائی مکان کا حصہ اپنے بھائی بہنوں کو ادا کرنیکی ،اسکے ساتھ بچوں کی شادیوں کی ذمہ داری بھی تھی، نیز اس پرانے آبائی مکان کی مرمت کی بات بھی تھی ان وجوہات کی وجہ سے حضرت والد صاحبؒ ان دنوں کسی سفر کا ارادہ نہیں کئے اور ان ذمہ داریوں میں لگ گئے ۔

تیسری مرتبہ حجاز مقدس کا سفر:

۲۰۱۱ء میں تعلیمی سال کے اختتام پر مدرسہ کے بعض اساتذہ عمرے کی سفر میں جانے کا ارادہ حضرتؒ کے خدمت میں ظاہر کئے تو حضرتؒ بھی اسی قافلہ کے ساتھ اپنا سفر کا ارادہ کر لئے ،اسوقت سفر میں حضرت مولانا عبد المجید صاحب (مہتمم مدرسہ) حضرت مولانا عبد الکریم صاحب، حضرت مولانا شیخ عبد القادر صاحب وغیرہ حضرات ساتھ رہے، اسوقت بعض احباب کی اصرار پر بندہ بھی ساتھ جانا چاہا

توحضرت نے یہ کہکر منع فرمایا کہ ’’تمہارا حج کا سفر ہو کر زیادہ زمانہ نہیں گزرا۔‘‘

سفر سیلون:

حضرتؒ کے بہت سے شاگرد سیلون میں رہ کر دینی خدمات انجام دے رہے ہیں، ان احباب کا کئی سالوں سے اصرار تھا کہ حضرت کا ایک سفر ادھر بھی ہوجائے۔ حضرت بعض مجبوریوں کی وجہ سے اسے ٹالتے رہے، لیکن جب تیسری مرتبہ حجاز مقدس کے سفر کا ارادہ فرمارہے تھے، اس وقت احباب کے مشورے سے یہ سفر سیلون بھی طے ہوگیا۔ وہاں ’’کینڈی‘‘ کے ایک مدرسہ میں جلسۂ دستار بندی میں شرکت کرنا تھا، جو حضرت کی صدارت میں منعقد ہوا۔

حضرتؒ کا رمضان:

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی مشہور درسی کتاب القراءۃ الراشدہ میں رمضان اور عید کا ذکر کرتے ہوئے بعضوں کا قول نقل فرماتے ہیں” **العید ساعات و رمضان کلہ عید** "عید تو چند گھڑیاں ہیں اور رمضان پورے کا پورا عید ہے۔ بالکل اسی طرح حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے رمضان المبارک کا ہر دن ان کے لئے عید ہی کے مانند ہوتا تھا ایک عجیب طرح کی چاشنی و رغبت دکھائی دیتی تھی نماز روزوں کے ساتھ عبادات میں انہاک، معمولات میں اہتمام اور ذکر وتلاوت کی حلاوت اور بڑھ جاتی تھی۔ نظام الاوقات کے اس قدر پابند کہ حضرتؒ کے عمل کو دیکھ کر وقت کا پتہ لگایا جا سکتا تھا۔

جب حضرتؒ اپنے مرشد اول حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں رمضان کے مبارک ایام گذارتے تھے، اس موقع

پر تو معاملہ سونے پر سہاگہ والا ہوتا تھا، اس قدر انہاک کہ ایک لمحہ بھی ضائع نہیں فرماتے تھے احقر نے اپنے خسر محترم جناب حاجی مشتاق احمد صاحب سے اس دور کا ایک واقعہ سنا کہ حضرت کے بغل میں ایک اور مولانا صاحب کا بستر تھا جو یوپی ہی کے رہنے والے تھے اور حضرت شیخ سے ان کا کچھ قریبی تعلق بھی تھا رمضان کے اختتام پر انہوں نے حضرت شیخ الحدیثؒ سے ذکر کیا کہ میرے بغل میں ایک مولانا تھے یعقوب صاحب مدراسی نام کے پورا مہینہ میں ان کے بغل میں رہا کبھی انہوں نے مجھ سے کوئی گفتگو نہیں کی پورا مہینہ یکسوئی و خاموشی کے ساتھ اپنے معمولات میں لگے رہے اس بات کو سن کر حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہاں ہاں وہ تو خاموشی کے بادشاہ ہیں۔

مشائخ واکابرین سے تعلق:

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو بچپن ہی سے علماء اور بزرگوں سے بڑی محبت رہی عصری تعلیم کے دوران بھی حضرت مولانا ابو السعود احمد صاحبؒ (سابق امیر شریعت کرناٹک) حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب بلنچپوری دامت برکاتہم اور حضرت مولانا نیر ربانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ ہم سے بہت قریب رہے اسکول کی تعلیم کے اختتام پر چار ماہ کی تبلیغی جماعت میں شمالی ہند تشریف لے گئے تو وہاں ایک بزرگ جناب منشی اللہ دتا صاحبؒ سے ملاقات ہوئی (جو حضرت کی جماعت کے امیر تھے) تو حضرت ان سے بھی مستفید ہوئے حضرتؒ نے خود فرمایا ’’الحمد للہ! میری زندگی کا ایک بڑا حصہ شمالی ہند میں گزرا ہے اور وہاں کے بہت سے اکابرین سے استفادہ کی بھی توفیق ملی ہے، البتہ ان میں سے چار اکابرین ایسے

ہیں کہ جنکی طرز زندگی سے میں نے دین کی روح کو سمجھا ہے ان میں سے ایک شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی نوراللہ مرقدہٗ دوسرے حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب مہاجر مدنی تیسرے حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب اور چوتھے رئیس التبلیغ حضرت جی مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ‘‘

حضرت مدنی علیہ الرحمہ کے تو آپ اس قدر عاشق تھے کہ شاید ہی آپ کے بیانات میں کوئی موقع ایسا ہو جو حضرت مدنی علیہ الرحمہ کے تذکرہ سے خالی رہا ہو اگرچہ حضرتؒ کو ان سے شرف تلمذ کی سعادت میسر نہیں ہوئی چونکہ ابھی آپ دارالعلوم دیوبند میں سال پنجم میں تھے کہ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ہوگیا تھا اس کے باوجود حضرت مدنی علیہ الرحمہ سے عشق محبت کا یہ حال رہا کہ بڑے دکھ درد کیساتھ آپؒ کی وفات کا قصہ سنایا کرتے تھے اور آبدیدہ ہوجاتے تھے ثانی الذکر حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ سے تو آپ عصری تعلیم کے زمانے ہی سے تعلق قائم کیے ہوئے تھے ثالث الذکر رئیس التبلیغ حضرت جی مولانا محمد یوسف رحمۃ اللہ علیہ جن سے تعلق کی ابتداء اس وقت ہوئی جب کہ آپ نے عصری تعلیم کے اختتام پر چار ماہ کی تبلیغی جماعت کا سفر فرمایا اور مرکز نظام الدین میں چند دن قیام فرمایا، پھر اس کے بعد جب دارالعلوم دیوبند میں زیر تعلیم رہے تو ان دنوں چھٹی کے اوقات میں حضرت جی سے ملاقات واستفادے کی غرض سے کئی مرتبہ مرکز نظام الدین تشریف لے گئے۔

ایک موقع پر فرمایا ’’میں دارالعلوم دیوبند کے چند طلباء کے ساتھ مرکز نظام الدین پہنچا اور ہم سب نے مل کر منتظمین سے درخواست کی کے ہم تھوڑی دیر

حضرت سے خصوصی استفادہ کرنا چاہتے ہیں، چنانچہ ہماری درخواست قبول ہوئی اور تھوڑی دیر نصیحت فرمائی جس میں فرمایا کہ آپ لوگ الحمدللہ دارالعلوم کے طلباء ہو، آپ کا کام بس پوری یکسوئی کے ساتھ تعلیم کی طرف متوجہ رہنا ہے البتہ تعطیلات میں جزوی طور پر اور فراغت تعلیم کے بعد کلی طور پر اللہ کے راستہ میں نکلنا ہے اور چل پھر کر دین کی دعوت دینا ہے ہم یہ نہیں کہتے کہ تعلیم چھوڑ کر نکلو، طالب علم کو تعلیم کے دنوں میں تبلیغ میں نکلنا تو کجا تبلیغ کا نام لینا بھی حرام ہے۔ حضرت والد صاحبؒ حضرت جی موصوف کے ان آخری جملوں کو اپنے مخصوص انداز میں انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے آواز میں تیزی پیدا کر کے نقل فرماتے تھے اور کہتے تھے کہ میں نے ان الفاظ کو بلاواسطہ حضرت جیؒ کی زبان سے سنا ہے۔

بیعت وتکمیل سلوک:

کوئی آدمی فن طب کی کتابیں دیکھ کر اپنا علاج نہیں کرسکتا حتیٰ کہ بڑے سے بڑا حکیم اس طرح اپنا علاج خود نہیں کرسکتا جب تک کہ اس فن کے تجربہ کار سے پریکٹیکل نہ کرالے تو پھر روحانی طبیب ومعالج یعنی شیخ کے بغیر اپنی روح کا علاج کیسے کرسکتا ہے بس معالجۂ جسمانی کی طرح روحانی کی بھی اشد ضروری ہے۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو عصری تعلیم کے اختتام پر جب کہ آپ ابھی دینی تعلیم کے لئے باقاعدہ عربی مدرسے میں داخل بھی نہیں ہوئے تھے تب ہی سے اکابرین ومشائخ کے سلسلے سے خود کو منسلک کرلیا تھا اور حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا علیہ الرحمہ سے اپنا اصلاحی تعلق قائم فرمالیا اور انہی کو اپنا روحانی طبیب منتخب کرلیا پھر بعد میں زمانہ طالب علمی کے دور کے اواخر میں حضرت ہی سے بیعت بھی ہوگئے اور انہی

کے ہوکر رہ گئے تھے حالانکہ وطن اور سکونت کے اعتبار سے کافی لمبی مسافت تھی کہاں مدراس اور کہاں سہارنپور پھر بھی طلب صادق اور دلی محبت نے طی الارض کا کام دیا، ایسا نہیں کے ادھر بیعت ہوئی ادھر وطن واپسی، بلکہ بے شمار مکتوبات و مراسلات کے ساتھ دسیوں اسفار بھی شامل ہیں۔

بارہا آپ نے رمضان حضرت شیخ الحدیثؒ کے معتکف میں گزارا مزید براں مسلسل چار ماہ کی ایک لمبی مدت بھی حضرت کی خدمت میں صرف فرمایا حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے خود فرمایا کہ ”الحمد للہ بسا اوقات حضرت شیخ الحدیثؒ کے گھر کی نالی کو صاف کرنے کی سعادت بھی ملی، آپ عبادات و دیگر امور میں پوری طرح اپنے شیخ کی مکمل اتباع کی کوشش کرتے تھے اور الحمد للہ اس میں کامیاب بھی رہے گویا آپ کو اپنے شیخ سے نسبت اتحادی حاصل تھی۔

من تو شدم تو من شدی　　من تن شدم تو جاں شدی
تاکس نگوید بعد ازیں　　من دیگرم تو دیگری

جب آپ کے ساتھ لوگ انتہائی محبت وعقیدت کا سلوک کرتے تو تواضعاً فرماتے ”بھائی یہ سب ان اکابرین کی جوتیاں سیدھی کرنے کے صدقے میں ہے ورنہ میری کیا حیثیت ہے؟“

حضرت رحمۃ اللہ علیہ راہ تصوف کے صرف سالک ہی نہیں تھے بلکہ اپنے طلباء اور متعلقین کو بھی اس کی ترغیب دیتے اسکی اہمیت وافادیت کو بھی بیان فرماتے تھے خصوصاً علیا کے طلبہ سے جب خطاب فرماتے تو کہتے ”اب تک آپ لوگوں نے علوم ظاہرہ ہی کو حاصل کیا، یہ علوم ظاہرہ اور تمہاری صلاحیتیں اسی وقت رنگ لائیں

گی جبکہ تم کسی شیخ کامل کی صحبت میں رہ کر علوم باطنہ کے حصول میں لگ جاؤ“۔

قال را بگذار مردے حال شو　　پیش مردے کاملے پامال شو

اپنے ان تقاریر و گفتار کو تھوڑے دن کے لئے چھوڑ کر پہلے کسی شیخ کامل کی خدمت میں سرنگوں ہوجاؤ اور اپنے آپ کو مٹا دو اپنی انا کو کچل دو ورنہ تو آدمی ان علوم ظاہرہ کی وجہ سے تکبر میں مبتلا ہوسکتا ہے جتنا آدمی ذہین ہوتا ہے اتنا ہی زیادہ اس کے بھکنے کا خطرہ رہتا ہے تاریخ گواہ ہے اور ایسی بہت سی مثالیں موجود ہیں کہ جتنے بھی فرقہ باطلہ کے بانی ہیں وہ سب ذہین تھے علوم ظاہرہ میں انکا مقام تھا مگر انہوں نے صرف اپنے ظاہری علوم پر اعتماد کرلیا اہل اللہ و مشائخ سے تعلق پیدا کرنے کو ضروری نہیں سمجھا، جس کی وجہ سے راہ راست سے بھٹک گئے۔“

مولانا روم اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

مولوی ہرگز نہ شد مولائے روم		تا غلام شمس تبریزی نہ شد

بہر حال جب تک حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ باحیات تھے حضرت ہی سے اپنا تعلق و مراسلات برابر جاری رکھا۔ یکم شعبان ۱۴۰۲ھ کو حضرت شیخ الحدیث کا مدینہ طیبہ میں وصال ہوگیا اس کے بعد حضرتؒ رحمۃ اللہ علیہ کا تعلق شیخ الحدیث کے خلیفۂ اجل حضرت قاری امیر حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ہوگیا۔

خلافت واجازت:

آپ رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت اقدس قاری امیر حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے منسلک ہوئے زیادہ عرصہ نہیں گزرا کہ آپ کو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے خلافت حاصل ہوگئی، کیونکہ آپ زمانہ دراز تک حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کی

فیض صحبت سے مستفید ہوئے تھے، حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو آپ پر اعتماد کرنے میں زیادہ دیر نہیں لگی، مزید براں حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ آپ کو بہت قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے، ملاقات کے لئے جاتے تو استقبال کے لئے کھڑے ہو جاتے کافی دیر تک ملاقات کا سلسلہ جاری رہتا اور واپسی کے وقت بھی اسی طرح کھڑے ہو کر رخصت فرماتے۔ بہرحال جب حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو خلافت مل گئی تو آپ کی خاموشی ویکسوئی میں مزید اضافہ ہو گیا بلکہ آپ پر چند دنوں تک سکتہ کی سی کیفیت طاری ہو گئی تھی۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ اپنے اساتذہ کی نظر میں:

جب آپ باقیات صالحات میں زیر تعلیم رہے تو وہ اپنے اساتذہ کے منظور نظر بنے رہے اگرچہ آپ ابتدائی جماعت میں زیر تعلیم تھے پھر بھی اپنے اساتذہ کی توجہات کی وجہ سے بڑی جماعت کے طلباء کے مانند آپ کو بڑی بڑی ذمہ داریاں دی جاتی تھی، حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے خود تحدیث نعمت کے طور پر ایک مرتبہ فرمایا، ’’میں جماعت چہارم میں زیر تعلیم تھا، اس وقت مدرسے میں جلسۂ دستار بندی ہوا، دو دن پہلے اچانک حضرت ناظم صاحب نے بندے کو طلب کیا اور فرمایا کہ تم کو جلسہ میں تقریر کرنی ہے بندے نے معذرت بھی کی مگر ناظم صاحب مدرسہ کے کچھ حالات سنا کر اس ذمہ داری کو بندے کے سپرد فرما دیئے اور فرمایا کہ ابھی دو دن باقی ہیں جاؤ تیاری کر لو چنانچہ میں نے ایک عنوان منتخب کی ’’دین کی اشاعت وحفاظت میں ہمارے اسلاف کے مجاہدے اور کارنامے‘‘ اور اس پر تقریر کی حضرت ناظم مدرسہ اور دیگر اساتذہ بہت خوش ہوئے۔‘‘

حضرت مولانا ابوالسعود احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ (سابق امیر شریعت کرناٹک) کی توجہات تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو عصری تعلیم کے دوران ہی سے حاصل رہیں، حضرت ہی کی سفارش سے باقیات صالحات میں درمیانِ سال حضرت کا اعزازی داخلہ ہوا اور حضرت نے آپ کو اپنا خادم خاص ہونے کا شرف بھی بخشا میرے معاصر مفتی صادق الامین قاسمی بلنچپوری نے اپنے ماموں مولانا محمد علی بلنچپوری دامت برکاتہم کے واسطے سے بتلایا کہ جب حضرت بعض مجبوریوں کی وجہ سے دارالعلوم سبیل الرشاد سے مستعفی ہو گئے تو بانی مدرسہ حضرت علامہ امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ’’کہ مدرسہ میں ایک ہیرا تھا جو چلا گیا۔‘‘

دارالعلوم دیوبند میں سابق صدر المدرسین حضرت مولانا معراج الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بھی آپ کو اپنے حلقہ خاص میں جگہ عنایت فرمایا تھا ایک مرتبہ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سے دریافت فرمایا کہ ’’کیا دارالعلوم دوبارہ حضرت مدنی جیسی شخصیات تیار کر سکتا ہے؟ تو اس کے جواب میں حضرت مولانا معراج الحق صاحب نے فرمایا اجی تم کہاں حضرت مدنی کی بات کر رہے ہو ہم کو تو تم جیسے ہونہار شاگردوں کے پیدا ہونے کی توقع بھی کم ہے لیکن حضرت والد صاحب نے تواضعاً کبھی بھی اس واقعہ کو اس طرح ذکر نہ فرمایا کہ جس سے آپ کی طرف منسوب ہونے کا پتہ چلتا ہو۔

جب آپ دارالعلوم دیوبند سے سلسلہ تعلیم کی تکمیل فرما کر وطن واپس ہو رہے تھے اور حضرت مولانا فخر الدین احمد صاحب مرادآبادی (سابق شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند) سے الوداعی ملاقات کی تو حضرت مولانا مرادآبادی

رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا جاؤ بھائی انشاء اللہ لوگ تمہیں ہاتھوں ہاتھ لیں گے اور اسی موقع پر حضرت کے استاد تفسیر حضرت مولانا فخر الحسن صاحب مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی فرمایا کہ یعقوب کے چراغ کے سامنے کسی کا چراغ نہیں جلے گا۔

خطباتِ وشارم (مرتبہ: مفتی سبیل احمد صاحب زید مجدہم) کے مقدمہ میں حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے استاد محترم حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں کہ ’’یہ تلمیذ رشید زمانۂ طالب علمی ہی سے صفات حسنہ سے متصف تھے ذہانت، حافظہ، یکسوئی اور طبیعت میں شرافت جیسے اوصاف حمیدہ کو اللہ تعالی نے ان کی فطرت میں ودیعت فرمادی تھی یہ خداداد صلاحیتیں اسی وقت بتلا رہی تھیں کہ دین متین کے نمایاں خدمات کے لئے اللہ تعالی نے انہیں قبول فرمالیا ہے۔

حضرت اپنے معاصرین کی نظر میں:

کہاوت مشہور ہے "اصل المعادات المعاصرة" دشمنی و عداوت کے منجملہ اسباب میں سے ہمزمان ہونا بھی ایک اہم سبب ہے اس کہاوت کے پیش نظر اگر کوئی شخص اپنے کسی معاصر و ہم زمان کے بارے میں کچھ تعریفی کلمات کہہ دے تو اس کے لیے ایک بڑی سند ہے گویا "الفضل ما شهدت به الاعداء" کے مترادف ہے۔ میرے استاذ محترم حضرت مولانا ریاست علی بجنوری رحمۃ اللہ علیہ سابق استاذ حدیث و ناظم تعلیمات دارالعلوم نے ایک مرتبہ احقر سے فرمایا ’’تمہارے والد صاحب میرے ہم سبق تھے، ہمارے درمیان کافی بے تکلفی تھی باتوں باتوں میں مجھ کو بہت سی نصیحت بھی کر دیتے تھے تعلیم کے زمانے ہی سے وہ بڑے نیک اور

پرہیزگار تھے بلکہ وہ ایک مادرزاد ولی تھے‘‘۔

اسی طرح دارلعلوم دیوبند کے طالب علمی کے زمانے میں ہم طلبہ اپنے اُن اساتذہ کرام سے ملاقات کیلئے جاتے جو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے معاصر رہے ہیں جیسے مولانا نعمت اللہ صاحب اعظمی زیدہ مجدہم، مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری دامت برکاتہم، حضرت علامہ قمرالدین صاحب زید مجدہم، حضرت مولانا ارشد مدنی صاحب دامت براتہم وغیرہ حضرات بھی حضرت والد صاحب کی خوب تعریف کیا کرتے تھے۔

باقیات صالحات کی تدریسی خدمات کے دوران وہاں کے ہم عصر اساتذہ بھی حضرت کے مداح تھے حضرت مولانا کمال الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اصرار کی بنا پر حضرتؒ نے بخاری شریف کا درس قبول فرمایا۔ حضرت موصوف والد صاحب سے عمر میں کچھ بڑے تھے پھر بھی بے تکلفی رہی حضرتؒ نے ایک موقع پر خود فرمایا کہ ’’وہ میرے استاد بھی ہیں شاگرد بھی، اور معاصر بھی، جس کی صورت یہ بنی کہ حضرت نے مجھ سے گلستان پڑھی ہے اور میں نے بھی ان سے ٹمل زبان میں کوئی کتاب پڑھی ہے، تفریح میں بھی ان کے ساتھ جانا ہوتا تھا، اس وقت ہمارے درمیان بطور شرط کے یہ بات طے تھی کہ ہم دونوں اپنی مادری زبان سے ہٹ کر گفتگو کریں گے یعنی وہ اردو میں بات کریں گے اور میں ان سے ٹمل میں گفتگو کروں گا، کافی دیر تک یہ سلسلہ چلتا جب کبھی اپنی بات میں تیزی پیدا کرنا ہوتو وہ فوراً ٹمل زبان کی طرف بلا اختیار مائل ہوجاتے تھے، پھر شرط کے ٹوٹ جانے پر ہمیں ہنسی آجاتی تھی۔‘‘

حضرت اقدس مفتی عثمان محی الدین صاحب مظاہری قاسمی دامت برکاتہم شیخ الجامعہ، باقیات صالحات کا بھی حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بہت قریبی تعلق رہا، موصوف کا والد صاحبؒ کی خدمت میں آنا اور ملاقات کرنا اتنی کثرت سے ہوتا تھا کہ بچپن میں ہم اہل خانہ کو یہ جملہ یاد ہوگیا تھا کہ ''میں عثمان حضرت آیا ہوں یعقوب حضرت ہیں؟'' حضرت والد صاحبؒ بھی ان کی بہت قدر کرتے تھے اچانک کسی مہمان یا ملاقاتی کی آمد پر حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو اپنی مصروفیات اور یکسوئی مزاج کی وجہ سے کچھ ناگواری سی ہوتی تھی مگر بعض لوگ اس سے مستثنیٰ تھے انھیں میں سے ایک حضرت مفتی صاحب مدظلہ بھی ہیں، جب بھی تشریف لاتے تھے حضرت خوشدلی سے ان کا استقبال کرتے تھے۔ اخیر دنوں میں جب حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ ضعف ونقاہت میں اضافہ ہوگیا اور ملاقات کا سلسلہ بھی بہت کم ہوگیا، تب بھی حضرت موصوف فون کرکے یا صرف مصافحہ کرکے واپس ہوجاتے، بعض مرتبہ گھر آکر احقر سے مل کر حضرتؒ کی خیریت معلوم کرتے اور مطمئن ہوکر واپس تشریف لے جاتے تھے۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ اپنے اہل وطن کی نظر میں:

چونکہ حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ شہر وشارم کے وہ اولین باشندہ تھے جنہیں پورے شہر میں سب سے پہلے باقاعدہ فارغ التحصیل عالم دین اور فاضل دیوبند ہونے کا شرف حاصل تھا، اس بنا پر اہل وشارم بالخصوص عمائدین شہر کو اس پر فخر حاصل رہا، حضرت کی جوانی اور شباب میں بھی اہل شہر آپ کا بڑا احترام کرتے تھے، حتیٰ کہ گلیوں میں کھیلنے والے کمسن بچے بھی حضرت کی آمد ورفت کے وقت

تھوڑی دیر کے لئے اپنے کھیل کو روک کر ادب واحترام سے ایک طرف کھڑے ہو جاتے تھے، حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوبات کے خزانوں میں آپ کو عمائدین شہر میل وشارم کی طرف سے لکھا ہوا ایک خط دستیاب ہوا احقر اس خط من وعن اس جگہ نقل کرنا مناسب سمجھتا ہے ملاحظہ فرمائیں۔

از مدرسہ مدینۃ العلم میل وشارم۔ بتاریخ: ۲۴/۶/۱۹۶۵ء

محترم المقام جناب مولانا مولوی حافظ محمد یعقوب صاحب زادمجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید کہ مزاج گرامی بخیر ہوگا دیگر یہ کہ ہم مندرجہ ذیل دستخط کرنے والوں کی دلی خواہش اور ارادہ ہے کہ مدرسہ مدینۃ العلم میل وشارم کی معیار تعلیم کو اونچا کریں اور عربی و دینی علوم پڑھانے کا بہتر سے بہتر انتظام کریں اس لئے اس مقدس مقصد کو پورا کرنے کے لئے ہم اور جملہ اہلیان میل وشارم آں محترم کو اس مدرسے میں صدر مدرس مقرر کرتے ہیں تاکہ آپ کی مخلصانہ کوششوں سے مدرسہ ترقی کرسکے اور شہر میں دین اور علم کی روشنی پھیلے امید ہے کہ آپ بھی اپنے وطن کی اصلاح کو مقدم سمجھتے ہوئے ہماری اس پیش کش کو قبول فرمائیں گے۔

گر قبول افتد زہے عز وشرف

فقط والسلام

آرکاٹ محمد اسماعیل سکریٹری — بقلم خود حافظ عبدالمجید غفرلہ

ملک خضر حسین، ایس ایم عبدالجمیل — سی عبداللطیف، وی یم خلیل الرحمن

نوٹ: ایک اور دستخط بھی ہے جو صاف نہیں ہے۔ از: راقم

حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ان حضرات کو جو جواب تحریر فرمایا اس کا عکس بھی احقر کو دستیاب ہوا اس کو بھی بندہ نقل کر رہا ہے ملاحظہ ہو۔

بخدمات محترمان ومکرمان عالی جناب سیکرٹری صاحب ودیگر اراکین

مدرسہ مدینۃ العلم دام اقبالہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ حضرات کا عنایت نامہ نظر نواز ہوا اتنی اہم اور اونچی ذمہ داری کے لیے آپ حضرات نے ایک تہی دست ناکارہ کو جس انداز سے یاد فرمایا ہے یہ آپ لوگوں کا حسن ظن اور حسن اعتماد ہے اس کے لئے بندہ شکر کے الفاظ لانے سے قاصر ہے، لیکن گزارش احوال واقعی کے طور پر احقر چند باتیں عرض کرنا چاہتا ہے اول یہ کہ احقر ایک دینی مدرسہ مظاہر علوم سلیم میں باضابطہ خدمات قبول کر چکا ہے تدریس کے علاوہ ارباب مدرسہ نے کچھ اور بھی ذمہ داریاں سپرد کر رکھی ہیں، ان حالات میں مدرسے سے سبکدوشی کی کوئی صورت ممکن نظر نہیں آرہی ہے، دوسری بات یہ ہے کہ چند سالوں سے احقر کا یہ معمول رہا ہے کہ کسی تعلیمی ادارے سے قطع تعلق یا کسی ادارے میں قبول خدمت احقر اپنے ارادے اور اختیار سے نہیں کرتا بلکہ اس اختیار کو اپنے بڑوں کے ہاتھ میں دے رکھا ہے اور انھیں حضرات کے فیصلہ اور حکم سے احقر نے یہاں کی خدمت کو قبول کیا ہے اور انہیں حضرات کا حکم ہے کہ یہاں جم کر ڈٹ کر کام کروں، لہٰذا مستقبل قریب میں یہاں سے قطع تعلق کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔

بہر حال ان دو باتوں کو ذکر کر کے حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے

اس ذمہ داری کو قبول نہیں فرمایا لیکن ایک تیسری وجہ بھی ہے جو سنی سنائی ہے مگر حضرت والد صاحب کی طبیعت اور مزاج کے عین مطابق ہے اور قرین قیاس بھی ہے وہ یہ کہ حضرت کو یہ بات پسند نہیں تھی کہ ان کی مادر علمی باقیات صالحات سے دس گیارہ میل کے فاصلے پر اسی طرح کا ایک اور مدرسہ قائم ہو جو اس کا ہم پلہ ہو احقر نے الحاج ملک محمد ہاشم صاحب دام اقبالہ سے دوران گفتگو اس دعوت نامہ اور معذرت نامہ کا ذکر کیا تو موصوف نے بھی یہی فرمایا کہ اصل میں مولانا کو پسند نہیں تھا کہ باقیات صالحات جیسا ایک اور مدرسہ اسی کے بغل میں ہو۔

ابتدا میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے مسلکی تصلب کی وجہ سے شہر کے بعض لوگوں کو حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے بنتی نہیں تھی اگر چہ وہ تھوڑے تھے پھر بھی اس قسم کے لوگوں کی کچھ تعداد تھی مگر حضرتؒ کے تقویٰ، پرہیز گاری، اخلاق حسنہ اور استقامت و پابندی کی وجہ سے وہ لوگ بھی حضرت سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہے۔ ہمارے محلہ پاکتنی مسجد میں اسی طرح کے ایک صاحب سے جو حضرت کے سخت مخالف تھے، ان کے بارے میں ایک مرتبہ میرے ماموں جناب فضل الرحمن صاحب مرحوم نے بتلایا کہ ’’اب وہ صاحب پہلے جیسے نہیں رہے، اب وہ بھی حضرت کے مداح بن گئے ہیں‘‘ ان کی بات سن کر تعجب ہوا بلکہ یقین ہی نہیں ہو رہا تھا، پھر چند دنوں بعد ان صاحب نے خود مجھ کو نام سے پکارا اور حضرت کا چپل ہاتھ میں لیا اور اس کے پچھلے والے حصے کو دکھا کر کہا دیکھو حضرت کے چپل کس قدر گھس گئے ہیں، پانی میں چلیں گے تو پھسلنے کا قوی اندیشہ ہے اس لئے فوراً اس کو تبدیل کرو۔ اللہ اکبر!

شنیدم کہ مردان راہ خدا — دلِ دشمناں ہم نہ کردند تنگ

ترا کے میسر شود ایں مقام — کہ با دوستانت خلافست و جنگ

حضرت شیخ سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے سنا کہ اللہ والے دشمنوں کے دلوں کو بھی تکلیف نہیں پہنچاتے ہیں، تجھے یہ مقام و مرتبہ کیسے حاصل ہوگا جب کہ تو اپنے دوستوں کے ساتھ ہی بھڑا ہوا ہے۔

گھر کے بزرگ:

بزرگوں کے واقعات میں کچھ ایسوں کا بھی تذکرہ ملتا ہے، جن کی زندگی سے ان گنت لوگوں نے فائدہ اٹھایا، لیکن خود اپنے گھر سے گھر والوں سے گھر والی سے پریشان رہے حتیٰ کہ شیخ سعدی کو یہ کہنا پڑا

زینہار از قرین بد زینہار — وقنا بنار عذاب النار

ملاجیون کو اپنی بیگم سے آج کھانے میں نمک زیادہ تھا، کہنے کے لیے اپنی شاگرد اورنگ زیب عالمگیرؒ سے فوج لینا پڑا تب جا کر ہمت کر پائے۔ حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ گھر تشریف لائے تو گھر والی نے کہا ''تم ہو ڈھکوسلے پیر، پیر تو اصل میں وہ ہیں، جن کو میں نے آج ہوا میں اڑتے ہوئے دیکھا، حضرت مرزا مظہر جانجاناں نے فرمایا؛ اری اللہ کی بندی وہ میں ہی تھا، تب اہلیہ محترمہ نے فرمایا تب ہی تو ٹیڑھے اڑ رہے تھے، بہرحال کسی سے موازنہ کرنا مقصود نہیں، بلکہ اتنی بات کہنی ہے کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ جس طرح گھر کے باہر بزرگ تھے، اس طرح گھر کے اندر بھی تھے، حتیٰ کہ آپ کے والد صاحبؒ بھی آپ کا بہت احترام کرتے تھے، اور ان کی بات کو لیتے تھے، ہم نے اپنے ددھیال والوں سے سنا، کہ جب حضرت

والد صاحبؒ تشریف لاتے اور دادا مرحوم کچھ بے تکلفی کے ساتھ بیٹھے رہتے، تو فوراً سنبھل جاتے تھے۔ ہر کام میں ان کے قول کو آگے رکھتے تھے عم محترم جناب الحاج محمد یوسف صاحب کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے والد صاحب کو ان کے ایک دوست نے اپنے ساتھ سفر حج میں لے جانا چاہتے تھے، انھوں نے اپنے ہونہار فرزند حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ سے مشورہ کیا تو حضرت نے فرمایا ''دوسروں کو توسط سے حج کے سفر کو بھی میں مناسب نہیں سمجھتا'' اور اپنے والد گرامی کی تسلی کے لیے یہ بھی فرمایا کہ ''ان شاء اللہ اللہ تعالیٰ عنقریب ہمیں وہ سعادت بخشے گا'' بس اپنے فرزند کی بات کو حرف آخر سمجھتے ہوئے اس سفر سے رک گئے، مگر افسوس کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے والد صاحب کی یہ تمنا پوری ہونے سے رہ گئی تھی عم محترم نے فرمایا کہ ''شاید اسی وجہ سے حضرت کے دل میں ایک قسم کی بے چینی تھی، کہ بظاہر میری وجہ سے ابا حضور کا سفر حج نہیں ہو سکا، اس لئے بار بار ان کے دل میں حج بدل کرانے کا داعیہ پیدا ہوا، اور آخرکار جب میرا سفر حج طے ہوا، تو اس وقت ہمارے ساتھ وہ بھی ابا کے لئے حج بدل کی نیت سے شریک سفر رہے''۔

حضرتؒ کے بڑے بھائی جناب محمد اسحاق صاحب مرحوم عمر میں اگرچہ حضرت سے ڈیڑھ سال بڑے تھے پھر بھی ان کا سلوک اپنے چھوٹے بھائی کے ساتھ بقول حضرت عباسؓ (ھو اکرم منی وانا اسن منه) کے مترادف تھا، جب بھی حضرت رحمۃ اللہ علیہ وشارم تشریف لاتے، تو مرحوم خود ہمارے گھر آکر حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کیا کرتے تھے، دادی محترمہ نور اللہ مرقدہا اپنے اس ہونہار فرزند پر فدا ہو جاتی تھیں، ہمیشہ انہیں بس یہی خیال رہتا تھا کہ اپنے فرزند کو

کس طرح آرام پہنچائیں ،اور راحت کا سامان پیدا کریں، جب ہم خاندانی برادران کھیل کود کے وقت کچھ آواز بلند کرتے تو فوراً ٹوکتیں، اور ڈانٹ کر کہتیں، کہ ’’یعقوب با‘‘ آرام کررہے ہیں، اُدھر جا کر کھیلو۔

رمضان المبارک میں چونکہ والد صاحب زیادہ تر تلاوت کلام پاک اور عبادات میں لگے رہتے تھے، تو دادی جان کی توجہ اور بڑھ جاتی تھی یہ کوئی سنی سنائی بات نہیں، بلکہ احقر خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے، روزانہ عصر کے بعد بادام، تربوز اور خربوزہ وغیرہ کی بینجوں کو خود اپنے ہاتوں سے سل پر پیس کر اسکا رس نکالتی تھیں، اور افطار سے قبل حضرتؒ کے دسترخوان میں سجا دیتی تھیں، اور تمام امور خوش دلی اور رضا کارانہ طور پر انجام دیتی تھیں، جبکہ اس کام کیلئے دوسرے مستورات بھی پیش پیش رہتی تھیں، یہ سب ان دنوں کی بات ہے جب دادی جان کی عمر بھی پچھتر ۷۵ سال سے متجاوز تھی ،کھانا کھانے کے بعد دسترخوان جھاڑنا ہوتا تو کسی بچے کے ہاتھ دسترخوان دیکر کہتیں ،اسکو گلی میں ڈال ،مگر اس بات کا خیال رکھنا کہ کہیں ’’یعقوب با‘‘ کے کمرے کے دریچے کے پاس نہ ڈالدینا ورنہ کوّں اور کتوں کے شور سے انہیں تکلیف ہوگی اور آرام میں خلل ہوگا۔

الحمد للہ میری والدہ مرحومہ نور اللہ مرقدھا بھی اپنے شوہر کی خوب خدمت کیا کرتی تھیں، بارش ہو یا سردی، جب بھی حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا قیام گھر میں ہوتا تھا، صبح سویرے اذان سے قبل چائے تیار کرکے والد صاحب کے مصلی کے پاس لاکر رکھ دیا کرتی تھیں، حالانکہ ان دنوں ہمارے گھر میں گیس کے چولہے بھی نہیں تھے، صبح سویرے لکڑیوں سے چولہا جلانا کس قدر مشکل کام تھا، بسا اوقات لکڑی

گیلی رہتی تھی، تو پھونک مار مار کر بڑی مشکل سے چولہا جلانے کی نوبت آتی تھی، اسی طرح جب حضرت رحمۃ اللہ علیہ استنجاء کے لیے جاتے تو فارغ ہو کر آنے سے پہلے وضو کا پانی تیار رکھ دیا کرتی تھیں، اور موسم کے لحاظ سے کبھی گرم پانی کی ضرورت پڑتی تو گرم کر کے رکھتی تھیں، نیز حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے سسرال والے بھی آپ کی بڑی تعظیم کرتے تھے، ساس اور سسر دونوں کی یہی خواہش رہتی تھی کہ کسی بھی بہانے سے گھر بلالیں، اور ضیافت کریں حضرت رحمۃ اللہ علیہ بھی بڑوں کے احترام میں اکثر و بیشتر دعوت قبول فرمالیا کرتے تھے، نانی صاحبہ کھانے کے بعد دسترخوان کا معائنہ کرتی تھیں، اپنی میزبانی سے جب انہیں محسوس ہوتا تھا کہ کچھ کچھ تناول فرمائیں ہیں تو بہت خوشی کا اظہار فرماتی تھیں۔

بہر حال حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی اپنوں اور پرایوں میں محبوبیت، عنداللہ مقبولیت کی بنا پر تھی، اللہ تعالی ان سب حضرات کی خدمات کو قبول فرمائے اور بہترین بدلہ عطا فرمائے۔ آمین

حسنِ معاشرت اور صلہ رحمی:

اہل خانہ اور رشتے داروں کے ساتھ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا سلوک اور برتاؤ بھی قابل رشک تھا، لوگ باہر والوں کی نظر میں اچھے بن جاتے ہیں، مگر اپنے رشتے داروں اور پڑوسیوں کو ان سے ہزاروں شکایت رہتی ہیں، الحمد اللہ! حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے کبھی کسی رشتہ دار کو کوئی شکایت یا رنجش نہیں تھی، آپ ہمیشہ سب کی طرف سے سلیم الصدر رہتے تھے، یہ باتیں لکھنے پڑھنے کی حد تک آسان ہیں، مگر ان پر عمل پیرا ہونا کارے دارد ہے، جب ہی تو سرور کائنات ﷺ نے حضرت

انس رضی اللہ عنہ سے فرمایا ''اے میرے بیٹے اگر تجھ سے ہو سکے، کہ ہر صبح اور ہر شام ،تم اس طرح رہو کہ تمہارے دل میں کسی کے لئے کوئی کھوٹ و عداوت نہ رہے،توتم ایسا ضرور کر لینا کیونکہ میری سنت ہے،اور جس نے میری سنت سے محبت کی ،اس نے مجھ سے محبت کی ، وہ میرے ساتھ جنت میں رہے گا (الحدیث) البتہ بعض مرتبہ البغض فی اللہ کی خاطر کبھی کسی سے ناراض ہو جاتے تھے،اور اس کا ایک اچھا خاصہ دینی فائدہ بھی ہو جاتا تھا،اور مبتلی بہ اس ناراضگی کو زیادہ طول نہیں دے پاتا تھا،اگرچہ حضرت والد صاحبؒ زیادہ تر بستی میں نہیں رہتے تھے،لیکن جب بھی آتے بہت سی مصروفیات اور ذمہ داریوں کو ساتھ لاتے ،اس کے باوجود کبھی کبھار اپنے ہمشیرہ کے یہاں بھی جاتے تھے،کسی کے بیمار ہونے کی خبر سنتے تو بندے سے فرماتے کہ ''ذہن میں رکھو، جب بستی کو جائیں گے تو فلاں کی عیادت کو بھی جانا ہے''

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو اس بات پر بھی ناز تھا کہ ہمارے والدین کی اچھی تربیت کا اثر ہے کہ ''ہم اہل خانہ والد صاحب کے وصال کے بعد تقریباً ایک دہائی (دس برس) سے بھی زیادہ عرصہ تک سب مل جل کر ایک ہی گھر میں ایک چولھے کے ساتھ کسی سے شکوہ شکایت کے بغیر بُوا (والدہ مرحومہ) کی سرپرستی میں رہا کرتے تھے۔ایک موقع پر یہ بھی فرمایا کہ ''اچھے خاصے گھروں میں آبائی جائیداد کی تقسیم کے وقت جھگڑے ہو جاتے ہیں،کبھی کسی کی ثالثی کی ضرورت پڑ جاتی ہے،تو کبھی معاملہ کورٹ کچہری تک چلا جاتا ہے'' یہ کہہ کر اپنے آبائی مکان کی تقسیم کا قصہ سنایا کہ ''والدہ محترمہ کے حکم پر ہم پانچ بھائیوں اور دو بہنوں کی کل سات افراد کی مجلس ہوئی؛''یوسف با'' برادرِ محترم بات کو آگے بڑھاتے ہوئے بولے کہ ''اس گھر میں مّما

(جن کا ذکر پہلے بھی آچکا ہے کہ، یہ حضرت کی پھوپھی تھیں جو لاولد تھیں) کا پانچواں حصہ تو پہلے ہی سے یعقوب بھائی کے نام میں ہو چکا ہے'' حالانکہ وہ حصہ باقاعدہ طور پر میرے نام میں رجسٹرڈ نہیں تھا، مما نے اپنی زندگی ہی میں چند لوگوں کے سامنے اس بات کا ذکر کیا تھا،حتیٰ کہ میں بھی اس وقت موجود نہیں تھا، چونکہ ان دنوں دار العلوم میں زیر تعلیم تھا، بہرحال 'یوسف با' کی بات پر کسی نے کوئی اعتراض نہیں کیا ،بات آگے بڑھی ،اور بقیہ حصہ کی قیمت لگی، سب اس پر راضی ہو گئے اور مجلس برخاست ہو گئی پھر چند دنوں کے بعد رجسٹریشن کا مرحلہ بھی بآسانی طے ہو گیا۔

انداز تربیت:

حضرتؒ کا انداز تربیت بڑا نرالا تھا حضرت رحمۃ اللہ علیہ کسی کو مارتے نہیں تھے چاہے مدرسے کے طلبہ ہوں یا اہل خانہ،البتہ صرف ہم دونوں برادران ایک آدھ بار مار کھائے ہیں،حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی ایک نظر ہی سے سب کا پِتّہ پانی ہو جاتا تھا ،حدیث پاک نُصِرتُ بِالرُّعبِ کی جھلک آپ کے اندر پائی جاتی تھی، حالانکہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ زیادہ تر بستی میں نہیں رہتے تھے، پھر بھی میرے اسکول اور مدرسہ کی تعلیم کے زمانے میں ایسا محسوس ہوتا تھا کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ ریموٹ کنٹرول کی طرح دور رہ کر بھی ہمارے قریب ہی ہیں۔

میرے پھوپھی زاد بھائی عبد الرحمن صاحب کا بیان ہے کہ ایک دن میں پائجامہ ٹخنوں سے نیچے لٹکا کر ماموں کے سامنے سے گزرا ،صرف ایک نظر گھور کر پاؤں کی طرف دیکھا،میرا تو برا حال ہو گیا اور مارے خوف کے پسینے سے شرابور ہو گیا۔ایک مرتبہ احقر ظہر کی نماز میں غیر حاضر ہو گیا اس وقت احقر کی عمر تقریباً تیرہ

یا چودہ برس کی ہوگی، حضرتؒ اس قدر ناراض ہوئے کہ دوپہر کا کھانا ہی نہیں کھایا، بندے پر اس کا اتنا اثر ہوا کہ پھر نماز چھوڑنے سے نفرت ہوگئی۔ میں سمجھتا ہوں کہ اگر حضرت رحمۃ اللہ علیہ اس وقت مارتے تو شاید دو تین دن میں وہ اثرات ختم ہوکر وہی رفتار بے ڈھنگی لوٹ کر آجاتی۔

خاندان میں ایک شادی تھی، حضرت رحمۃ اللہ علیہ بھی اس میں شرکت کرنے کے لئے وطن تشریف لائے ہوئے تھے، جب نوشہ تیار ہوکر مسجد جانے کے لئے گھر سے نکلا تو عین اس وقت کسی نے نوشہ کی تصویر کشی کرلی، اس حرکت سے حضرت رحمۃ اللہ علیہ اس قدر ناراض ہوئے، کہ نہ تو نکاح کی مجلس میں شریک ہوئے اور نہ ہی ضیافت کی محفل میں، اہل خانہ کو اپنی غلطی پر بہت ندامت ہوئی، اور بہت سے لوگوں کو تصویر کشی کی قباحت کا احساس ہوا، منکرات کو روکنے کے سلسلے میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا اسلوب اس حدیث شریف کے عین مطابق ہوتا تھا جس میں تین درجے بتلائے گئے ہیں کہ اگر ہاتھ سے روکنے کی قدرت ہو تو ہاتھ سے روکیں، اگر یہ نہ ہوسکے تو زبان سے روکیں، اور یہ بھی نہ ہوسکے تو کم از کم دل سے اس کو برا سمجھیں، یہاں پر ایک واقعہ یاد آگیا تحریر کرتے چلوں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد رشید مولانا محمد عامر صاحب قاسمی نے (جو اس وقت شہر کے متولیان اربعہ میں سے ایک ہیں) پاکٹنی مسجد میں جب پہلی مرتبہ تراویح کی نماز پڑھائی اور ۲۷ رمضان المبارک کو قرآن پاک مکمل کیا، تو اس وقت حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا الحمدللہ اتنی مدت کے بعد دل کا ایک بڑا بوجھ اترا کہ ''للہ فی اللہ'' تراویح پڑھانے والے کے پیچھے نماز پڑھنے کی سعادت ملی۔

جماعت کی نماز کا اہتمام اور تکبیر اولیٰ کی پابندی:

جب سے احقر نے ہوش سنبھالا حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو اس کا حد درجہ اہتمام کرتے دیکھا کہ کسی بھی نماز کی تکبیر اولیٰ چھوٹنے نہ پائے، آپ کی عادت شریفہ تھی کہ ہمیشہ پہلی صف میں دائیں جانب کنارے پر ایک مخصوص جگہ میں کھڑے ہوتے تھے، سفر وحضر کبھی آپ کے معمولات میں ذرا برابر فرق نہیں آتا تھا احقر کئی مرتبہ حضرت کا شریک سفر رہا ٹرین کے سفر کے دوران بھی سنن ومستحبات کی پوری رعایت کرتے ہوئے آپ وضو سے فارغ ہوکر تشریف لاتے، اور کھڑے ہوکر باجماعت نماز ادا کرتے، کبھی ٹرین کے استنجاء خانہ میں اتنی دیر ہوجاتی کہ بندہ کو آپ کی ضعف و نقاہت کی وجہ سے یہ خیال ہونے لگتا، کہ خدانخواستہ کہیں آپ گر تو نہیں گئے پھر میرے آواز لگانے پر جواب دیتے ''جی ابھی وضو کررہا ہوں'' سفر میں نکلنے سے پہلے ہی سفر سے متعلق تمام ضروری اشیاء مثلاً استنجاء کا لوٹا، وضو کا لوٹا، مصلیٰ، قبلہ نما وغیرہ کو اپنے ساتھ لے جاتے تھے، آپ کے اس درجہ اہتمام کو دیکھ کر اصباغ الوضوء علی المکارہ والی حدیث یاد آجاتی۔

دل کا دورہ پڑنے کی وجہ سے اپولو ہسپتال کے سخت نگہداشت والے کمرے میں تقریباً چار پانچ دن زیر علاج رہے، اس نازک موقعہ پر بھی آپ وہاں کے کارندوں کے ذریعے ہم خدام کو بلا بھیجتے اور ہم مٹی کا برتن ساتھ لے جاتے، اس پر تیمم کرتے اور باجماعت نماز ادا فرماتے تھے، حالانکہ اس وقت دو تین جگہ دوائی چڑھانے کے پائپ بھی لگے ہوئے تھے۔

سادگی:

حتی الامکان بندہ نے اپنی ان تحریروں میں حضرتؒ کی صرف ان باتوں کو جمع کرنے کا ارادہ کیا ہے جو گھریلو ہوں، اور لوگ ان سے واقف نہ ہوں، یا کم لوگ ہی جانتے ہوں، تاکہ کتاب کا مجموعہ مکررات سے محفوظ رہے، اسی بنا پر احقر نے حضرتؒ کے اوصاف حسنہ کا ذکر بھی مستقلاً نہیں کیا ہے، لیکن چونکہ اس موضوع کے تحت بہت سے خانگی واقعات ایسے ہیں جو شاید ہی کسی کی تحریر میں آسکے۔ اسلئے بندہ خود انہیں سپرد قرطاس کررہا ہے۔

حضرتؒ ہمیشہ سادگی پسند فرماتے تھے شان وشوکت تصنع اور تکلف سے مبرا تھے، گویا کہ سادگی آپ کی فطرت ثانیہ بن گئی تھی، اگر اس کے خلاف کوئی رائے دی جاتی تو آپ ناراض ہوجاتے تھے، چنانچہ اپنے آبائی مکان کا اگلا حصہ جب آپ کے نام رجسٹرڈ ہوگیا جیسا کہ اس کا ایک تفصیلی واقعہ گزر چکا تو احقر نے عرض کیا۔ مکان بہت پرانا ہے جگہ جگہ دیمک لگی ہے، حتیٰ کہ چھت بھی دیمک لگنے سے محفوظ نہیں رہی، اس کو منہدم کرکے نیا گھر تعمیر کرلیں گے، تو اس پر حضرتؒ نے فرمایا ''ہاں کچھ حد تک مرمت کرلیں گے'' میں نے دوبارہ عرض کیا بجائے مرمت کے از سر نو تعمیر ہی کرلیا جائے تو مناسب رہے گا، اس بات کو سن کر حضرت آگ بگولہ ہوگئے، ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا ''کیا میرا کوئی بڑا کاروبار چل رہا ہے؟ یا گھر میں روپئے پیسوں کا درخت لگا ہوا ہے؟ دوسری بات یہ ہے کہ یہ ہمارا آبائی مکان ہے یہاں کی درودیوار سے ہمیں محبت ہے، ان سے بچپن کی یادیں وابستہ ہیں، تم بڑی آسانی سے کہتے ہو کہ انہیں منہدم کردیا جائے'' پھر اپنا لہجہ اور تیور بدل

کر افہام وتفہیم کے انداز میں فرمایا ''دیکھو ضرورت کو ضرورت کے درجے میں رکھنی چاہیے، نیز تعمیرات میں مال خرچ کرنا شریعت کی نظر میں کوئی پسندیدہ اور مستحسن عمل بھی نہیں''

بہرحال حضرتؒ کے ان مضبوط دلائل کے سامنے بندہ سرنگوں ہوگیا آخر کار اس گھر کی صرف مرمت ہی ہو پائی، حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو پرانی چیزیں ہی زیادہ پسند تھیں، استعمال کی چیز کو صرف اس کی قدامت کی وجہ سے تبدیل نہیں فرماتے تھے، بلکہ آپ کا مقولہ تھا ''جب تک کوئی چیز قابل استعمال ہو صرف قدامت کی بنا پر اسے پھینک دینا اس کی ناقدری ہے'' الغرض جب تک کوئی چیز قابل استعمال رہتی تب تک اسے استعمال فرماتے، جب مرمت کی ضرورت پڑتی تو مرمت کرالیتے، چنانچہ آپ کے سفر کا بیگ کافی پرانا ہوگیا تھا، میری بڑی ہمشیرہ محترمہ اسی طرز کا ایک بیگ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں یہ کہتے ہوئے پیش کرنے لگیں کہ ''ہمارے شوہر انہیں چیزوں کی دکان لگوائے ہیں، اس لئے ایک بیگ آپ کیلئے لائی ہوں، اس پر حضرت نے فرمایا ''ابھی تو اس کی ضرورت نہیں ہے، پرانے بیگ سے ہی کام چل رہا ہے، یا تو اس کو لے جاؤ یا الماری میں رکھ دو، بعد میں دیکھا جائے گا، چند ہی دنوں میں پرانے بیگ کی زپ ٹوٹ گئی، بندے نے اس موقع کو غنیمت جان کر بیگ بدلنے کا ارادہ کرلیا کہ گھر جاکر واپس آتے وقت نئے بیگ میں حضرت کے سامان منتقل کردوں گا، مگر حضرت گاؤں پہنچتے ہی مولانا عبدالعلیم صاحب دامت برکاتہم (جو آپ کے خادم خاص ہیں) سے فرمایا کہ'' بھائی اس بیگ کی زپ ٹوٹ گئی ہے، اسکی مرمت کردو'' جب وہ ٹھیک ہوگئی تو پھر

اس کے بعد بھی کئی مہینوں تک اسی پرانے بیگ کو استعمال کرتے رہے۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی درسگاہ میں ایک پرانی تپائی موجود ہے، حضرت نے پینتیس سال تک اسے اپنے استعمال میں رکھا، ابھی چند سال پہلے مدرسہ کے مہتمم جناب حضرت مولانا عبدالمجید صاحب دامت برکاتہم نے حضرتؒ سے عرض کیا یہ تپائی بوسیدہ ہوچکی ہے بدل دینا چاہیے حضرت نے جواب دیتے ہوئے فرمایا ''یہ تو ٹھیک ہے، اسی سے کام چل رہا ہے، خواہ مخواہ تبدیل کرنے کی کیا ضرورت ہے؟'' چنانچہ اپنے وصال سے ایک دن پہلے تک بھی اسی تپائی پر بخاری شریف رکھ کر آپ نے درس دیا ہے، اسی طرح چند سال پہلے کی بات ہے رمضان المبارک میں احقر نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے لیے دو نئے جبے سلوا دیے، جب حضرتؒ کو اس کا علم ہوا تو ناراض ہوئے اور فرمایا کہ میرے پاس فی الوقت اتنے سارے کپڑے پڑے ہوئے ہیں تمہیں کیا ضرورت پڑی کہ ایک ساتھ دو جبے سلوا دیئے، احقر نے عرض کیا کہ گزشتہ سال بھی نہیں سلوائے تھے تو آپ نے عرض کیا ''تو کیا ہوا؟ بات تو ضرورت کی ہے، میں نہیں چاہتا کہ ضرورت سے زائد اسباب میری ملکیت میں موجود ہوں، حضرت رحمۃ اللہ علیہ اہل خانہ اور متعلقین کو بھی سادگی کی ترغیب دیتے تھے، کتابوں کے مطالعے کے دوران جہاں بھی سادگی سے متعلق کوئی بات ہوتی، یا بزرگوں کے حالات و واقعات آجاتے تو اس کو نوٹ فرما لیتے اور اپنے احباب و متعلقین کو برموقع وہ واقعہ سنا کر سادگی کی ترغیب دیتے تھے، ایک مرتبہ مدرسہ کے اساتذہ کی مجلس میں ارشاد فرمایا کہ'' حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ (مفتی اعظم پاکستان) کسی مدرسہ میں تشریف لے گئے جس کی

ظاہری حالت کچھ اچھی نہیں تھی، حصیریں پھٹی پرانی تھیں، مہتمم مدرسہ نے عرض کیا کہ حضرت دعاء فرمائیں مدرسہ کی مالی حالت اچھی نہیں ہے، تو حضرت مفتی اعظمؒ نے فرمایا'' جو بھی دین کی صحیح خدمت ہوئی ہے، وہ انہی پھٹی پرانی حصیروں سے ہوئی ہے'' اس جملہ کو حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے مخصوص انداز میں ذکر فرماتے تھے، جس سے مخاطبین کو سننے میں لطف آتا تھا، حضرت مفتی اعظمؒ ہی کا اور واقعہ جو اسی نوع کا ہے ذکر فرمایا کہ'' حضرت مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ اپنی ہی سرپرستی میں چلنے والے کسی دوسرے مدرسے کا دورہ کرنے کے لئے تشریف لے گئے تو وہاں کے مہتمم صاحب نے حضرت کی خدمت میں مدرسے کی تعمیراتی کاموں کی تفصیلات سنانا شروع کیا، فلاں جگہ یہ تعمیر ہوگی، اور فلاں جگہ اس عمارت کی ضرورت ابھی باقی ہے، یہاں یہ عمارت آئے گی، اور وہاں اس عمارت کے بنوانے کا ارادہ ہے وغیرہ وغیرہ تو حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا'' مجھے ان باتوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے، پہلے آپ یہ بتائیں کہ اب تک آپ نے کتنے رجال کار تیار کیے؟ جو اس وقت امت میں دینی خدمات انجام دے رہے ہیں۔''

جفاکشی:

سہولت پسندی اور آرام طلبی سے حضرت رحمہ اللہ ہمیشہ دور رہتے تھے، اگرچہ آپ کے تلامذہ و متعلقین آپ کے ایک اشارے کے منتظر رہتے تھے، پھر بھی آپ اپنے لئے آرام وراحت کے اسباب کو اختیار نہیں فرمایا۔ مدرسہ کاشف الہدیٰ میں احقر کے تدریس کا پہلا سال تھا، حضرت کے ساتھ گھر سے نکل کر مدرسہ جا رہا تھا، دوران سفر آپ نے فرمایا کہ'' ابھی دو تین سال سے کار میں آنے جانے کا سلسلہ

شروع ہوا ہے، ورنہ تو اس سے پہلے باقاعدہ بس کے ذریعے ہی سفر کرتا تھا، جس کی وجہ یہ ہوئی کہ میں ٹخنے میں ایک زخم نکل آیا بار بار پانی پڑنے کی وجہ سے زخم بہت گہرا ہوتا گیا، اور آپریشن تک کی نوبت آ گئی، دو دن اسپتال میں زیر علاج بھی رہا، اس وقت ڈاکٹروں نے چند دن تک بس میں سفر کرنے سے احتیاط کرنے کی ہدایت دی، وہاں حاجی مشتاق احمد صاحب بھی موجود تھے، موقع کو غنیمت جان کر انھوں نے پیشکش کر دی کہ آئندہ سے بیان والے جمعہ کو میں اپنی گاڑی میں لے جاؤں گا، جناب الحاج ٹی یم عبدالغفور صاحب اور جناب الحاج ملک محمد ہاشم صاحب وغیرہ کا بھی اصرار رہا تو مجبوراً تب سے یہ سلسلہ شروع ہوا، اسی سفر میں حضرت نے گفتگو کے سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ’’جب تک بسوں کے ذریعہ آمدورفت کا سلسلہ جاری تھا تو معمول یہی تھا، کہ فجر کی اذان سے پہلے بندہ گھر سے نکل جاتا تھا مولانا عبدالعلیم صاحب آرکاٹ تک میرے ساتھ شریک سفر رہتے، اول وقت ہم اپنی الگ جماعت کر کے نماز سے فارغ ہوتے پھر وہ آگے بڑھ کر بس میں میرے لیے جگہ کا انتظام کرتے اور بس کے نکلنے کا انتظار کرتے میرے بارہا منع کرنے کے باوجود بھی وہ رضا کارانہ طور پر اپنی اس خدمت پر مصر رہے، کبھی کبھی بارش ہوتی، بجلی بند رہتی تھی، مگر مولانا نے کبھی ناغہ نہیں کیا، بسا اوقات مدرسہ ہذا کے مدرس مفتی ابو الحسن صاحب، مولانا شکیل احمد صاحب شریک سفر ہوتے اس وقت انہیں رات ہی میں اطلاع دے کر روک دیا کرتا تھا۔

کمال احتیاط

اکل حلال کے سلسلہ میں ہو یا رہن سہن سے متعلق، حضرتؒ ہر امور میں

غایت درجہ احتیاط کرتے تھے، اگر کسی چیز کے بارے میں ذرا سا بھی شبہ پیدا ہوجائے، اس سے بھی مکمل اجتناب کرتے تھے، حدیث پاک میں آیا ہے۔ **دع مایریبک الی مالا یریبک** (شکوک وشبہات پیدا کرنے والی چیزوں کو چھوڑ کر ان چیزوں کو اپناؤ جو شبہ سے بالاتر ہو) حضرتؒ اپنی پوری زندگی اس پر عمل پیرا رہے۔

جب میرے دادا جناب محمد اسماعیل صاحب مرحوم جامعہ الباقیات الصالحات میں خزانچی (Accountant) رہے، اس وقت ایک مرتبہ والد صاحب کو مدرسہ کے لیٹر پیڈ میں ایک تحریر لکھ بھیجے پھر جب حضرت کا جوابی خط آیا تو خیر خیریت کے بعد آخر میں یہ بھی لکھ دئے کہ آئندہ مجھے خط لکھو تو برائے کرم مدرسہ کے لیٹر پیڈ کو استعمال نہ کریں، اس خط کو پڑھ کر دادا صاحب خوش ہوئے اور اپنی اہلیہ اور گھر والوں کو بھی بتائے کہ دیکھو؛ وہ کس قدر محتاط ہیں۔ اسی طرح **اتقوا مواضع التهم** والی حدیث کے پیش نظر آپ مواقع تہمت سے بھی بچنے کا زیادہ اہتمام فرماتے رہے۔ اسی بنا پر آپ صاحب ثروت اور ارباب اموال سے دور ہی رہتے تھے، البتہ ان میں سے جو لوگ خود آگے بڑھ کر اپنا اصلاحی تعلق قائم رکھنا چاہتے تو ان کے اس دینی جذبہ کی قدر کرتے تھے۔

ایک مرتبہ احقر کو ایک بڑے رئیس کا فون آیا کہ وہ حضرتؒ سے کسی وقت ملنا چاہتے ہیں، احقر نے والد صاحب کو سنایا تو والدؒ نے تحدیث بالنعمۃ کے طور پر اور ہماری تربیت کی خاطر فرمایا ’’یہ وہ حضرات ہیں جن سے ملاقات کے لئے لوگوں کو باقاعدہ اجازت لینی پڑتی ہے۔ الحمدللہ! ایسے لوگ خود ہمارے یہاں پیشگی اجازت لے کر آتے ہیں۔‘‘

من کان للہ کان اللہ لہ

حضرت والد صاحبؒ زیادہ تر مدرسہ ہی میں رہتے تھے، گویا کہ مدرسہ کے علاوہ آپ کی کوئی ذمہ داری ہی نہ ہو، حالانکہ آپ کا بھی گھر بار تھا دوسروں کے مانند آپ کے بھی بہت سی ضروریات تھیں مثلاً اہلیہ کی زچگی کا مسئلہ ،طبیعت کی ناسازگی کی وجہ سے اہل وعیال کو دواخانہ لے جانا، والدین اور دیگر اہل خانہ کے ضروری معاملات اور اشیاء ضروریہ کی خریداری وغیرہ ،مگر حضرتؒ کو ان تمام مسائل کے لئے اپنے وقت کو صرف کرنے کی ضرورت نہیں پڑی اور ایسا بھی نہیں کہ آپ کی غیر حاضری کی وجہ سے وہ امور رہ گئے ہوں، یا ان میں کچھ پیچیدگیاں پیدا ہوگئی ہوں بلکہ حضرت کے تمام مسائل وضروریات بحسن وخوبی مکمل ہوتے تھے ۔اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ آپ کی غیر موجودگی کی وجہ سے آپ کی اہلیہ محترمہ یا دیگر احباب کو آپ سے کوئی شکوہ شکایت نہیں ہوتی تھی ۔اور والدہ مرحومہ بھی بڑی صابرہ شاکرہ تھیں ۔کبھی والد صاحبؒ سے اپنی من پسند چیزوں کے لانے کا اصرار نہ کرتیں، بلکہ جو میسر آجاتا اس پر راضی ہوجاتیں۔

حضرت کے چار اولاد میں سے تین کی ولادت بآسانی گھر پر ہی ہوگئی تھی اور احقر کی نانی صاحبہ مرحومہ کا اس وقت اہم کردار ہوتا تھا،اسی طرح دیگر ضروریات کے لئے بھی حضرت کے برادران ،نسبتی برادارن حتی کہ بہت سے احباب ومتعلقین بھی پیش پیش رہتے تھے بلکہ ایک دوسرے سے آگے بڑھنے میں کبھی تقابل کی صورت بھی پیدا ہوجاتی تھی ،اور حضرتؒ ان ذمہ داریوں کو دوسروں کے سپرد کر کے اِدھر دعاء اور مناجات میں لگ جاتے تھے اور اُدھر کام بآسانی پورا

ہوجاتا تھا، سچ ہے جو اللہ کا ہوجاتا ہے اللہ اس کا ہوجاتا ہے۔

حضرت کے خدام خاص:

ویسے تو حضرتؒ کسی سے خدمت لینا پسند نہیں فرماتے تھے، اپنا کام خود کرنے کو ہی زیادہ ترجیح دیتے تھے، جب تک جسم میں طاقت رہی حضرت کا یہی معمول رہا، جب احقر فراغت تعلیم کے بعد تدریسی خدمات کے لئے مدرسہ کاشف الہدیٰ گیا تو حضرت سے درخواست کی کہ بندہ ایک نئے دور میں داخل ہورہا ہے، اس لئے مجھے کچھ نصیحت فرمادیں تو آپ نے تجربات کی روشنی میں بہت قیمتی نصائح سے نوازا، منجملہ ان میں سے ایک یہ بھی تھا کہ ’’عموماً لوگ جب استاد بن جاتے ہیں تو طلبہ سے خدمت لینا شروع کردیتے ہیں، ایسا نہیں ہونا چاہیئے طلبہ پڑھنے کے لئے مدرسہ آتے ہیں، ان کے والدین بھی انہیں پڑھنے کے لئے ہی مدرسہ بھیجتے ہیں اس لئے وہ ہماری امانت ہیں طلبہ سے خدمت لینے کا میں سخت مخالف ہوں، البتہ ان طلبہ کی اصلاح وتربیت کے ارادے سے بعض چھوٹی موٹی خدمت جو مدرسہ کی چہار دیواری کے اندر ہو مضائقہ نہیں‘‘ اور فرمایا ’’یہ سن کر بڑی تکلیف ہوتی ہے کہ بعض مدرسوں میں اساتذہ کرام طلباء سے کپڑے دھلوانے اور باہر سے سودا سلف لانے کی خدمت بھی لیتے ہیں‘‘

حضرت نے اس دوران اپنے کچھ واقعات بھی سنائے ۔تدریسی دور کی ابتدا میں میں خود چائے بنالیا کرتا تھا برتن بھی صاف کرلیتا تھا، حتیٰ کہ تھانہ بھون میں رہتے وقت باہر سے پانی بھی لایا کرتا تھا۔آگے فرمایا کہ ’’طلباء ہم سے کچھ سیکھنے کے لیے آتے ہیں اس لئے ہمیں چاہئے کہ ان کے لئے عملی نمونہ بنے رہیں‘‘

بہرحال! حضرت کے بعض شاگردوں کو آپ کے خادم خاص ہونے کا بھی شرف حاصل ہے جن میں سے ہر ایک کا نام ذکر کرنا تو دشوار ہے البتہ بندہ اپنی معلومات کے مطابق بعض کا ذکر مناسب سمجھتا ہے۔حضرت مولانا عبدالعلیم صاحب (مدرس مدرسہ مفتاح العلوم،میل وشارم) حضرت مولانا عبدالکریم صاحب (مدرس مدرسہ کاشف الہدیٰ،مدراس)،حضرت مولانا عبداللہ فائز صاحب (مدرس مدرسہ کاشف الھدی)،حضرت حافظ عبدالرحمن صاحب (مدرس مدرسہ مفتاح العلوم) حضرت مولانا شیخ عبدالقادر صاحب (سابق مدرس مدرسہ کاشف الھدی)،حضرت مولانا مولٰی الاکرم صاحب (مدرس مدرسہ کاشف الہدیٰ،مدراس) وغیرہم قابل ذکر ہیں اللہ تعالیٰ ان حضرات کو اپنی شایان شان اجر جزیل عطا فرمائے۔آمین۔

حضرت کے معالجین:

خدام کی طرح بعض معالجین بھی اپنے قیمتی اوقات کو حضرت کے لئے صرف کرنے کو باعث سعادت سمجھتے تھے،خدام کے ساتھ ان محسنین کا ذکر خیر بھی بندہ اپنا ایک اخلاقی فریضہ سمجھتا ہے، جو درج ذیل ہیں۔ڈاکٹر احمد کبیر صاحب مدراس، ڈاکٹر انور شاہ صاحب میل وشارم، ڈاکٹر سہیل احمد صاحب آمبوری۔اور آخر الذکر ڈاکٹر صاحب تو اپنی زندگی ہی وقف کر چکے تھے،انہوں نے اپنا اصلاحی تعلق بھی حضرت سے قائم کیا ہوا تھا، ہر پندرہ دن میں ایک مرتبہ ضرور تشریف لاتے اور حضرت کی طبی جانچ کرتے اس کے علاوہ جب بھی ضرورت پڑتی تو فون کے ذریعے یا روبرو حاضر ہو کر خدمت انجام دیتے،تقریباً ایک سال قبل حضرت رحمۃ اللہ علیہ مدرسہ میں اپنے کمرے کے سامنے ٹھوکر لگنے سے گر گئے تھے، پیشانی

پر سخت چوٹ لگی، یہ خبر سنتے ہی فوراً بے چین ہو کر اپنی ساری مصروفیات کو چھوڑ کر ڈھائی گھنٹے میں آمبور سے مدرسہ پہنچے اور چوٹ کی جگہ پر سیون لگایا،بعض مرتبہ دیر رات اپنی مصروفیات ختم کر کے آمبور سے نکلتے اور فجر کے بعد حضرت کا معاینہ کر کے واپس ہو جاتے اور وقت پر اپنے کام میں لگ جاتے۔ والدہ مرحومہ کیلئے بھی کئی مرتبہ انہوں نے گھر آ کر علاج کیا ہے۔جس دن صبح کو والدہ مرحومہ کا انتقال ہوا،اس رات کو بھی وہ اپنی مصروفیات ختم کر کے ہمارے گھر تشریف لائے اور کافی دیر تک گھر میں رہ کر اپنی خدمات انجام دیں۔اللہ تعالیٰ انہیں اپنی خدمات کا بہترین صلہ عطاء فرمائے آمین۔موصوف کو اللہ رب العزت نے تشخیص امراض کا ملکہ عطا فرمایا ہے،نبض دیکھتے ہی بیماری کی تہہ تک رسائی حاصل کر لیتے ہیں خود حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے بھی انہیں نباّض کا لقب دیا تھا۔

حضرت کے وصال کے چند دنوں بعد انہوں نے خواب دیکھا جس کی تفصیل احقر کو سنائی کہ ”میں مدرسہ کاشف الہدیٰ آیا ہوا ہوں،حضرت کے کمرے میں حضرت کی کھاٹ پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرما ہیں،حضرت آپ کے بازو تشریف فرما ہیں، اسی حالت میں بندہ کمرے میں داخل ہوا حضرت نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے میرا تعارف کروایا اور میں آگے بڑھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مصافحہ کیا، پھر آپ نے اپنے دست مبارک کو میرے سر پر پھیرا“ راقم السطور نے یہ واقعہ ان کی اجازت کے بغیر نقل کر دیا ہے اس خوف سے کہ مجھے منع نہ کر دیں۔اللہ تعالیٰ ان کی خدمات کو قبول فرمائے۔آمین

اصلاح وطن کی فکر:

حضرت رحمۃ اللہ علیہ اگر چہ زیادہ تر اپنے شہر میں نہیں رہتے تھے، تاہم وطن کی خیر خواہی اور اہل وطن کی دینداری کے متعلق فکر مند رہتے تھے، اسی بنا پر بہت سے اداروں اور انجمنوں کی سر پرستی بھی قبول فرمائی تھی، اور ان کی رہنمائی بھی کرتے رہتے تھے، نیز وطن کے مقیم حضرات سے شہر وشارم اور اس کے اطراف و اکناف کے احوال دریافت فرماتے، اگر کوئی علاقہ فرقِ باطلہ کے اثر سے متاثر ہوتا تو ان کا تعاقب کرنے اور وہاں بیانات وغیرہ کے انتظامات کی طرف توجہ دلاتے، میرے استاد محترم حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ (سابق ناظم مدرسہ نسوان میل وشارم) نے مجھ سے فرمایا کہ ''آپ کے والد صاحب سے میرے دیرینہ تعلقات ہیں، جب سے آپؒ مدرسہ نسوان کے سرپرست ہوئے، اسی وقت سے آپ کو اس کی ترقی کی فکر دامن گیر رہی، اس سلسلے میں وہ مجھ سے ملاقات کر کے درخواست کرتے کہ میں اس مدرسہ کی نظامت سنبھالوں، میں نے عرض کیا ''انشاء اللہ استخارہ کر کے جواب دوں گا۔'' جب میں استخارہ کر کے لیٹا تو میں نے خواب دیکھا، کہ میرے سینے سے ایک نہر جاری ہے اور شہر وشارم کی گلیوں میں داخل ہو رہی ہے حضرت مولانا سے میں نے یہ خواب ذکر کیا تو فرمایا ''پھر آپ کو کس بات کی دیر ہے؟ خواب کی تعبیر تو واضح ہے'' چنانچہ میں نے مدرسہ کی ذمہ داری قبول کر لی۔ الحمد للہ ہر چھوٹے بڑے امور میں بندہ اور کارفرمائے مدرسہ جناب حاجی آرکاٹ احمد باشاہ صاحب مرحوم اور دیگر ذمہ داران، حضرتؒ سے مشورہ کرتے اور مدرسے کی ترقی کی راہیں ہموار کرتے رہے، آج اللہ کے فضل و

کرم سے مدرسہ کی اتنی بڑی زمین بھی اس کے لئے ناکافی ہوگئی بالآخر مدرسہ کے ذمہ داران نے آسانی کے لئے شہر کے اطراف و اکناف میں اس کی شاخیں قائم کیں۔ فللہ الحمد علٰی ذلک''

علالت و وفات:

چند سال قبل اچانک حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو بے خوابی کی شکایت ہوگئی تھی، بعض مرتبہ پوری پوری رات بھی جاگنے کی نوبت آجاتی تھی، معالجین بھی مایوس ہوگئے تھے، بعض احباب کی طرف سے روحانی علاج کا مشورہ دیا گیا چنانچہ حضرت کے بعض شاگردوں کے ذریعے اس کا علاج بھی کیا گیا اور ان معالجین کا کہنا تھا کہ حضرت پر سحر کے اثرات ہیں، بہر حال چند دنوں کے بعد بے خوابی کے اس مرض سے نجات حاصل ہوگئی مگر اس کے بعد سے حضرت کو نسیان کی شکایت ہوگئی اور یہ سلسلہ بڑھتا چلا گیا۔ وفات سے تین سال قبل اچانک حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو دل کا دورہ پڑا ایک پرائیوٹ ہسپتال میں حضرت کی اینجو پلاسٹی کی گئی۔ شروع میں ڈاکٹروں نے جان کو خطرہ ہونے کا اندیشہ ظاہر کر دیا تھا، لیکن حضرت کراماتی طور پر اس مرض سے بہت جلد اس طرح شفایاب ہوگئے کہ دوبارہ وہ مرض لوٹ کر آیا ہی نہیں، البتہ اینجو پلاسٹی کرنے کی وجہ سے ضعف میں اور اضافہ ہوگیا۔

بہر حال عارضی طور پر چند بیماریوں کا حملہ ہوا، مگر ضعف و کمزوری کے علاوہ آپ کو کوئی مستقل مرض نہیں تھا، شوگر بلڈ پریشر وغیرہ پریشان کن بیماریوں سے بھی آپ اخیر تک بحمد اللہ محفوظ رہے، عموماً آپ صحت مند ہی رہتے تھے اور معمولات بھی برابر جاری تھے زمانہ دراز تک آپ کھڑے ہو کر ہی با جماعت نماز

ادا کرتے رہے اور درسیات کا سلسلہ بھی جاری رہا۔

دل کا دورہ پڑنے کے بعد ہی ڈاکٹروں کی ہدایت اور اہل خانہ و متعلقین کے اصرار پر کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھنا شروع فرمادیا۔ضعف ونقاہت کی وجہ سے ہم اہل خانہ نے حضرت سے درخواست کی کہ آپ مدرسہ کی تمام ذمہ داریوں سے سبکدوش ہو جائیں، البتہ اکتاہٹ سے بچنے کے لئے حسب معمول مدرسے کی آمدورفت کا سلسلہ جاری رہے گا، حضرت نے بھی اس مشورے کو تسلیم فرمالیا، جب احقر حضرت مہتمم صاحب کو یہ خبر سنائی اور یہ درخواست کی کہ آئندہ حضرت کو تدریسی خدمات سے معذور رکھا جائے لہذا حضرت بلاتنخواہ صرف مدرسے میں قیام فرمائیں گے تو یہ بات حضرت مہتمم صاحب پر شاق گزری پھر تامل بسیار کے بعد آپ نے فرمایا کہ ٹھیک ہے جب حسب سہولت مدرسہ میں قیام فرمائیں گے تو ان دنوں میں حسب بشاشت درس کا سلسلہ بھی جاری رہے گا اور حضرت کی غیر موجودگی میں بندہ پڑھادے گا چنانچہ یہی سلسلہ اخیر تک جاری رہا وفات سے ایک دن قبل یعنی سنیچر کے دن صبح سویرے بندہ نے حضرت کے کمرے میں جاکر آپ کو جگایا کہ آج مدرسہ جانا ہے تو حضرت خوشی سے بیدار ہوئے، چونکہ درمیان میں کئی مرتبہ بندے کی غیر موجودگی میں بھی استفسار فرماچکے تھے کہ مدرسہ کب جانا ہے؟ جب مدرسہ جانے کی بات سنی، تو بشاشت کے ساتھ اٹھے، احقر آپ کو استنجا کے لئے لے گیا تو اسی دوران حضرت کو قے ہوئی رات کو سوتے وقت سبزیوں کا سوپ (شوربا) لئے تھے، وہ بھی باہر نکل آیا اس کے بعد بھی دو تین مرتبہ متلی ہوئی وضو کراتے ہوئے بھی احقر تذبذب میں تھا کہ حضرت کو آج لے جائیں یا دو دن بعد مگر رب ذوالجلال کے

علاوہ کس کو خبر تھی؟ کہ جس گھر میں آپ نے بے شمار سجدے کئے تھے جہاں کی در و دیوار میں آپ کی تلاوت کی آواز گونجی تھی، اس گھر میں آپ آخری مرتبہ بارگاہ الہی میں سجدہ ریز ہو رہے ہیں، بہرحال یہ سوچ کر بندے کا رجحان حضرت کو لے جانے کی طرف ہو گیا کیونکہ گاڑی بھی آچکی تھی اور حضرت بھی مدرسہ تشریف لے جانے کے لئے بے تاب تھے اور معمول کے مطابق آٹھ بجے کے آس پاس مدرسہ پہنچ گئے حضرت کو کمرے میں پہنچا کر بندہ آرام کرنے کا مشورہ دے کر اپنی درسگاہ آگیا، تقریباً پونے دس بجے حضرت کے کمرے میں جاکر استفسار کیا کہ آج بخاری شریف کا سبق پڑھانا ہے کہ نہیں؟ حضرتؒ نے فرمایا طبیعت میں ایک قسم کا اضمحلال ہے تیار کرادو تھوڑی دیر پڑھا دیتا ہوں۔

احقر اپنے درسگاہ واپس ہو گیا شام کے وقت پتہ چلا کہ حضرت کو دوبارہ قے ہوئی تھی، تو آپ کے معالج خاص ڈاکٹر سہیل صاحب کو فون کے ذریعے اطلاع دی گئی تو انہوں نے بلڈ پریشر جانچنے کا مشورہ دیا واقعی بی پی اس وقت کچھ زیادہ تھی، پھر ڈاکٹر صاحب نے کچھ دواؤں کا انتخاب کیا، عشاء کے بعد حضرت کے کمرے میں گیا خادم مولوی مولی الاکرم صاحب حضرتؒ کو عشائیہ کھلا رہے تھے احقر نے پیچھے سے اشارہ کر کے کہا: کھلانے میں اصرار مت کرو، کہیں دوبارہ قے نہ ہو جائے، اس کے بعد تھوڑی دیر تک حضرتؒ کے کمرے میں ہی رہا، یہی احقر کی اپنے مشفق باپ سے آخری ملاقات تھی 11 بجے کے بعد کمرے کے باہر ہی تھوڑی دیر منتظر رہا کہ اگر حضرت بلائیں تو اندر جاؤں لیکن بلانے کی آواز نہیں آئی تو سمجھا کہ شاید آرام فرماچکے ہیں، پھر احقر بھی اپنے کمرے میں چلا گیا معمول کے مطابق فجر کی نماز کے لئے حضرت

کے کمرے میں گیا، بتی روشن کر کے آواز لگائی کہ نماز پڑھنی ہے، لیکن حضرت نے کوئی جواب نہیں دیا بندہ نے سمجھا شاید رات دوائی لے کر سوئے ہیں، جس کی وجہ سے نیند کا کچھ زیادہ غلبہ ہے تھوڑی دیر کے بعد جگائیں گے، یہ سوچ کر حضرت کے کمرے سے باہر آ گیا، بندہ اپنا موبائل لینے کے لیے دوبارہ کمرے کی طرف گیا، موبائل لے کر واپس آ رہا ہے کہ دل میں ایک قسم کی بے چینی ہوئی کہ حضرتؒ نے بلانے کے باوجود جواب کیوں نہیں دیا؟ ایسا تو کبھی نہیں ہوا تھا تیز تیز قدم بڑھاتا ہوا حضرت کے کمرے تک پہنچا، پھر جگایا اور آواز لگائی، مگر دوبارہ جواب نہ ملنے پر بندے کے پیروں تلے سے زمین کھسک گئی، جسم تو گرم ہے، مگر وہ پاکیزہ اور مقدس روح اس دنیائے دوں سے ملأ اعلیٰ کی طرف پرواز کر چکی ہے اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ اپنی جان کو جاں آفریں کے سپر کر چکے ہیں۔

انا للہ وانا الیہ راجعون۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ

یہ روح فرسا واقعہ بتاریخ ۲۷ جمادی الاول ۱۴۴۰ھ مطابق ۳ رفروری سن ۲۰۱۹ء بروز اتوار صبح صادق کے قریب پیش آیا تھا۔۔۔

سقی اللہ ثراہ وجعل الجنۃ مثواہ

اللہ تعالیٰ حضرت والد صاحبؒ کو غریق رحمت فرمائے اور تمام متعلقین اور پسماندگاں کو آپ کے نقشہ قدم پر چلنے کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین

پسماندگان:

حضرتؒ کی چار اولاد ہیں۔

(۱) ہمشیرہ محترمہ حاجیہ عامرہ بانو زوجۂ حافظ فضل الرحمن صاحب، رحمت پالہ، ویلور

(۲) احقر محمد اسمٰعیل ذبیح اللہ مفتاحی وقاسمی

(۳) برادر عزیز مولوی حسین احمد مفتاحی وقاسمی

(۴) ہمشیرہ محترمہ زہیرہ بانو زوجۂ حافظ امداد اللہ صاحب، میل وشارم

☆☆☆

حضرتؒ کے دارالعلوم دیوبند کے نتائج کا عکس

تاثراتِ علمائے کرام

حضرتؒ کی انقلاب انگیز خاموشی

حضرت مولانا محمد علاؤالدین صاحب دامت برکاتہم
مہتمم مدرسئہ ربانیہ، چنئی

تعارف: باقیات صالحات میں میرے تعلیمی ایام کے دوران، وہاں کے مکتب کے استاذ فضل الرحمن صاحب نے پہلی مرتبہ حضرتؒ کے ورع وتقوی کا تذکرہ کیا تو میرے اندر حضرتؒ سے ملاقات کا شوق پیدا ہوا، ان دنوں حضرتؒ مظاہر علوم سیلم میں خدمت انجام دے رہے تھے۔

نیز باقیات میں میرے ہم عصر مرحوم ہدایت اللہ صاحبؒ نے حضرتؒ کے متعلق ایک واقعہ سنایا کہ حضرتؒ کے والد ماجد جب باقیات الصالحات میں سکریٹری تھے تو اپنے فرزند کو خط لکھا تھا۔ خط کے جواب میں حضرتؒ نے فرمایا کہ مدرسہ کے قلم سے مجھے خط لکھنا مناسب نہیں۔ اس واقعہ سے مزید میرے اندر ملاقات کا شوق بڑھ گیا۔ فراغت کے بعد مایاورم کے قریب ارنگ کڈی کے مدرسہ کا ناظر تھا، تو حضرتؒ باقیات صالحات کے مدرس مقرر ہوئے، اس موقع پر درس نظامی کے عنوان پر مدرسئہ باقیات الصالحات میں پروگرام ہوا۔ حضرتؒ سے پہلی ملاقات اس موقع پر ہوئی، حضرتؒ کے ورع وتقویٰ، عاجزی ومسکنت سے حیرت زدہ رہ گیا اگلے سال 1974 پرسواکم میں جب مدرسہ کے افتتاح کا ارادہ ہوا تو حضرتؒ سے بذریعہ خط مشو

رہ گیا اور روبرو گھر پر بھی ملاقات ہوئی۔

حضرتؒ نے پوچھا کہ مدرسہ کھولنے کی غرض کیا ہے؟ بندہ نے جواب دیا، تجوید کے ساتھ پڑھنے والے تربیت یافتہ طلبہ تیار کرنا ہے حضرتؒ نے کچھ نصیحتیں کیں اور فرمایا مالداروں سے مرعوب نہ ہونا۔ نیز حضرتؒ نے وعدہ فرمایا کہ مقررہ تاریخ میں پری میٹ آجاتا ہوں۔ جمعہ کے بعد افتتاح والا عمل تھا حضرتؒ سویرے ہی پریمیٹ آگئے، پرسواکم کے حاجی کبیر صاحبؒ بذریعہ رکشا حضرتؒ کو پرسواکم لے آئے چند علمائے کرام کے بیانات کے بعد پانچ طلبہ کے ذریعہ بسم اللہ خوانی ہوئی۔ بعد عشاء مد رسہ کے اراکین کی تقرری کے متعلق پہلا مشوہ ہوا، دیر ہوجانے کی وجہ سے بعد مشوہ مسجد میں قیام فرمالیا چونکہ رات قیام کے ارادے سے نہیں آئے تھے اس لئے اپنے سا تھ کوئی لنگی نہیں لائے تھے، میں نے جب نئی لنگی پیش کی، تو رات استعمال کرنے کے بعد صبح واپس کردیا، میں نے اصرار کیا کہ ہدیہ رکھ لیں تو بڑے ہی نزاکت کے ساتھ منع کردیا کہ کپڑے پیسے لینے کی عادت نہیں ہے۔ اسی طرح حج کے لئے جب تشریف لے جارہے تھے تو بطور تحفہ کپڑے پیش کیا تو یہی الفاظ دہرائے۔

حضرتؒ سفر کی صعوبتوں کو برداشت کرنے کے عادی تھے جب کوئی میزبان سفر پر لے جاتے تو کسی قسم کی کوئی شکایت نہیں کرتے تھے۔ تحفظ ختم نبوت کے عنوان پر جب مولانا اسماعیل کٹگیؒ کے ساتھ میٹوپالیم کا سفر ہوا تھا تو حضرتؒ نے احقر کو امیر سفر بنادیا۔ جمعہ کا دن تھا اطراف واکناف سفر کرتے کرتے غسل کا خیال دماغ سے

نکل گیا تھا، حضرتؒ سے جب بندہ نے معافی چاہی تو حضرتؒ نے فرمایا تحفظ ختم نبوت کی خاطر اس راہ کی صعوبتیں برداشت کرلینا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کا سبب بنے گا، مجھے اسکی امید ہے اور سفر میں نہانے کا اہتمام کرنا کوئی ضروری نہیں؟

حضرتؒ کی زندگی قرآن وحدیث پر بالکل منطبق تھی، اپنی کم گوئی خاموشی، مزاجی کے ذریعہ بڑا انقلاب برپا کیا، ہزاروں کی دل کی دنیا بدل دی مشکوۃ شریف کی حدیث ہے۔ اہل اللہ کی خاموشی ساٹھ سالہ عبادت سے بہتر ہے یہ حدیث حضرتؒ پر بالکل منطبق تھی۔ میری بڑی صاحبزادی کے نکاح کے موقع پر مدورائی تشریف لائے تھے، میرے بڑے بھائی کلکٹر آفس میں کام کرتے تھے، جب حضرتؒ سے انھوں نے ملاقات کی، تو ان سے کچھ بھی کلام نہیں فرمایا، وہ ریش تراش تھے، اسکے بعد وہ باریش ہوگئے، اس دن رات کا کھانے کا نظم پٹیل صاحب کے گھر میں تھا وہ بھی بے ریش تھے حضرتؒ سے ملاقات کے بعد باریش بن گئے خاموشی وہ کا م کرتی ہے جو کبھی زبان بھی نہیں کرتی ہے۔ اس طرح ایک دو واقعہ تھانویؒ سے منقول ہے: ایک مرتبہ بذریعہ ریل گاڑی سفر کررہے تھے اسی ڈبے میں ایک بے ریش مسلما ن بھی تھے وہ دل میں سوچ رہے تھے کہ اگر یہ مجھ سے پوچھ لیں کہ نماز کیوں پڑھتے تو یوں جواب دونگا اور یوں اعتراض کرونگا سفر کے آخر تک تھانویؒ نے کچھ بھی نہ کہا سفر ختم ہوا تھانویؒ کے اس رویہ سے بہت متاثر ہوئے اور مرید بھی ہوگئے سچ ہے اکابر کی خاموشی دلوں کی دنیا بدل دیتی ہے۔

امیر شریعت تمل ناڈو

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب وشارمیؒ

حضرت مولانا مفتی محمد سلمان صاحب منصوری پوری دامت برکاتہم
استاذ جامعہ قاسمیہ شاہی، مرادآباد

جنوبی ہند کے نہایت بافیض، بابرکت اور بااثر عالم ربانی، زہد و تقویٰ، اصابت رائے اور استقلال و استقامت کے پیکر جمیل، دینی تحریکات اور مدارسِ اسلامیہ کے سرپرست اعلیٰ، امیر شریعت، عارف باللہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب قاسمی وشارمی شیخ الحدیث مدرسہ کاشف الہدیٰ مدراس ورکن شوریٰ دار العلوم دیوبند گذشتہ ۲۷/جمادی الاولیٰ ۱۴۴۰ھ مطابق ۳/فروری ۲۰۱۹ بروز اتوار کو فجر کے وقت وصال فرما گئے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

اسی دن عصر کے بعد آپ کے وطن مالوف ''میل وشارم'' میں ہزاروں علماء اور عوام و خواص نے آپ کی نماز جنازہ ادا کی، اور وہیں تدفین عمل میں آئی، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔

حضرت مولانا مرحوم کی خاموش خدمات کو تا دیر یاد رکھا جائے گا، خصوصاً جنوبی ہند میں دار العلوم دیوبند کی فکر کو عام کرنے اور اُس کے مشن کو آگے

بڑھانے میں آپ کا کردار نہایت نمایاں رہا ہے۔ آپ اگرچہ بہت خاموش طبع اور کم گو تھے؛ لیکن دینی فکر اور معاشرہ کی اصلاح کا جذبہ آپ کے رگ و پے میں سمایا ہوا تھا۔ سنت کی اشاعت اور بدعات وخرافات پر نکیر آپ کی زندگی کا نصیب العین تھا۔ سالہا سال تک آپ نے میل وشارم کی ''پاکتنی مسجد'' میں نہایت عام فہم اور مؤثر انداز میں وعظ و نصیحت کا سلسلہ جاری رکھا، جس سے الحمد اللہ گھر گھر میں دینی ماحول قائم ہوا، بعد میں یہ خطبات شائع بھی ہوئے، جن سے مسلسل استفادہ جاری ہے۔

آپ انتہائی متقی، پرہیزگار، متواضع اور زاہد فی الدنیا بزرگ تھے، طبیعت میں استغناء اور قناعت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ اگرچہ بڑے بڑے سرمایہ دار تجار آپ کے حلقہ ارادت میں شامل تھے؛ لیکن آپ کبھی کسی سے مرعوب نہیں ہوئے، اور حکمت عملی اور حسن تدبیر کے ساتھ اُن کی اصلاح کی کوشش کرتے رہے۔ حق نوازی اور جرات مندی مثالی تھی، اسی کے ساتھ ساتھ پوری زندگی ہر معاملہ میں افراط و تفریط سے گریزاں رہے۔

معمولات کی پابندی اور ذکر و شغل میں اسلاف و اکابر کے پُرتو تھے۔ جنوبی ہند میں علماء حق کی تمام تحریکات کے لئے آپ کی ذات ایک سایہ دار درخت کے مانند تھی۔ امارت شرعیہ تمل ناڈو کے امیر ہونے کے ساتھ ساتھ آپ جمعیۃ علماء، مجلس تحفظ شریعت وغیرہ کے سرپرست تھے، اور ان کے کاموں کا باقاعدہ نگرانی فرماتے تھے۔

ناکارہ مرتب کے ساتھ حضرت کا معاملہ نہایت مشفقانہ تھا، بہت سے مرتبہ حضرت کے حکم اور ایماء پر میل وشارم کا سفر ہوا، اور مختلف پروگراموں میں بیانات ہوئے، اور حضرت والا تواضع کے ساتھ سامع بن کر تشریف فرما رہے، اور حوصلہ افزائی فرمائی۔ ایک مرتبہ حضرت کے صاحبزادے کے نکاح اور ولیمہ میں شرکت کرنے کی سعادت بھی حاصل ہوئی، احقر کی برابر یہ خواہش ہوتی کہ جب بھی مدراس یا اس کے اطراف کا سفر ہو تو حضرت سے ملاقات کا شرف حاصل کیا جائے، حضرت کو اطلاع ہوتی تو انتظار فرماتے اور ملاقات پر نہایت مسرت کا اظہار فرماتے تھے۔ افسوس کہ اب یہ سب یادیں ایک خواب بن گئی ہیں۔

آپ کی ولادت ۲۷؍رجب المرجب ۱۳۵۲ھ مطابق ۲۱؍نومبر ۱۹۳۴ء میں ''میل وشارم''، ضلع ویلور میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم میل وشارم کے ہائی اسکول میں گیارہوں درجہ تک حاصل کی، اور ساتھ میں متعدد اساتذہ سے فارسی اور عربی کی کتابیں بھی پڑھتے رہے۔ اس کے بعد چار سال تک جنوبی ہند کے معروف ادارے ''جامعہ باقیات الصالحات'' ویلور میں تعلیم حاصل کی، بعد ازاں اعلیٰ تعلیم کے لئے دار العلوم تشریف لے گئے، اور وہاں پانچ سال قیام فرمایا۔ ۱۳۷۸ھ میں دار العلوم سے فراغت حاصل کی، اور اکابر اساتذہ بالخصوص فخر المحدثین حضرت مولانا فخر الدین احمد صاحب قدس سرہ سے اکتسابِ فیض فرمایا۔ نیز دار العلوم دیوبند میں آپ کو خاص طور پر حضرت مولانا معراج الحق صاحبؒ سابق

صدر المدرسین دار العلوم کی خدمت اور تربیت میں رہنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ دورۂ حدیث شریف کے بعد اگلے سال تکمیل ادب میں داخل ہوکر عربی ادب میں مہارت حاصل کی۔

دار العلوم دیوبند سے واپسی کے بعد آپ نے دو سال ''مدرسہ سبیل الرشاد'' بنگلور میں تدریسی خدمات انجام دیں، پھر ایک سال متفرق طور پر تبلیغی جماعت میں اور اپنے مرشد شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحبؒ کی خدمت میں سہارنپور میں گذارا، آپ کی تحریر چوں کہ بہت صاف تھی، اِس لئے حضرت شیخ آپ ہی سے اپنے خطوط لکھواتے تھے۔ پھر ایک سال ''مدرسہ امدادیہ'' تھانہ بھون میں حدیث کی اعلیٰ کتابیں پڑھائیں، پھر واپس اپنے علاقہ میں لوٹ گئے، اور اولاً ساڑھے پانچ سال ''مدرسہ مظاہر علوم'' سیلم میں، اور بعد ازاں ساڑھے بارہ سال ''مدرسہ باقیات الصالحات'' ویلور میں اور تقریباً ڈیڑھ سال کیرالہ کے ''مدرسہ حسنیہ'' کایم کولم میں بخاری شریف سمیت دیگر اعلیٰ کتابیں پڑھاتے رہے۔

آپ تادم حیات ''مدرسہ باقیات الصالحات'' ویلور کے سرپرست رہے، اور اس قدیم ادارے کو سلف صالحین اور اکابرین دیوبند کی فکر سے ہم آہنگ کرنے میں اہم ترین کردار ادا کیا، جس کا کچھ اندازہ ''فتاویٰ باقیات'' کے مقدمہ میں آپ کے طویل اور مفید مضمون سے لگایا جاسکتا ہے۔

اس کے بعد آپ نے ضرورت محسوس کرتے ہوئے ۱۴۰۵ھ مطابق

۱۹۸۵ء سے تادم آخر ''مدرسہ کاشف الہدیٰ'' مدراس میں شیخ الحدیث اور صدر مدرس کی حیثیت سے عظیم خدمت انجام دیں، اور اس ادارے کو بام عروج تک پہنچایا، آج یہ اپنی نوعیت کا انتہائی ممتاز ادارہ شمار ہوتا ہے، جس میں اردو اور تمل زبان میں تعلیم کا بہترین نظام ہے۔ فالحمد للہ علیٰ ذلک۔

اسی مدرسہ میں آپ نے وفات سے ایک دن پہلے تک بخاری شریف کا درس دیا، اور وہیں فجر کے وقت بحالت نوم آپ نے سفر آخرت اختیار فرمایا۔

آپ کے بڑے صاحب زادے مولوی محمد اسماعیل ذبیح اللہ قاسمی مدرسہ کاشف الہدیٰ میں مدرس ہیں، جب کے دوسری صاحب زادے مولوی محمد حسین قاسمی مدرسہ مفتاح العلوم میل وشارم میں تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت مرحوم کے درجات بے حد بلند فرمائیں۔

آمین یارب العالمین

آتی رہے گی تیرے انفاس کی خوشبو

حضرت مولانا مفتی محمد انصر علی صاحب زید مجدہم

۲۰۱۹ء کا آغاز اس قدر المناک ہوگا کبھی سوچا نہیں تھا ایک لمحے کے لئے یقین نہیں آیا کہ گلشن اسلام کا یہ پھول ہمیشہ کے لئے رخصت ہوجائے گا۔

گلزار کے سایوں میں یہی حشر بپا ہے
پھولوں سے ابھی تک تیری خوشبو نہیں جاتی

اپنے استاد محترم مربی و مشفق میر کارواں کے متعلق اپنے قلمی تاثرات اور دلی کیفیات کو صفحہ قرطاس پر منتقل کرنے کی جرات کر رہا ہوں مگر میری ناتواں زبان اس قابل نہیں کہ آپ کی شخصیت پر لب کشائی کر سکے میرے کم زور قلم میں وہ طاقت نہیں کہ آپ کے اخلاق و کردار کی تصویر کشی کر سکے۔

تاہم ایک استاد اور شاگرد کے تعلق خاطر نے مجبور کردیا کہ اپنے ایک روشن ضمیر آفاق بین، چشم کشا، ہمہ جہت شخصیت کے مالک، پیکر علم وعمل اور استاذ الاساتذہ حضرت اقدس مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ذات اقدس پر اظہار خیال کی سعادت حاصل کروں، احقر کو رب کائنات نے طویل عرصہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ رہنے، استفادہ کرنے اور ہمدردی و شفقت حاصل کرنے کی توفیق مرحمت فرمائی تھی یادوں کا ایک ہجوم ہے کس طرح مرتب کروں کچھ سمجھ میں نہیں آرہا ہے دوسری

طرف ذہن منتشر ہے کچھ لکھنے اور یاد ماضی کو تازہ کرنے سے ڈر لگتا ہے کہ کہیں بے ادبی نہ ہو جائے پھر بھی چند متفرق یادیں ذیل میں قلمبند کی جا رہی ہیں۔

آپ کا دور شباب:

آپ کا دور جوانی وعہد شباب انتہائی پاکیزگی کے ساتھ گزرا امت نے آپ کی نیک کرداری اور طبعی وفطری نیکی کا مشاہدہ کیا۔ آپ کو دیکھ کر خدا یاد آجاتا تھا۔ اللہ رب العزت نے آپ کو اخلاق کے جس اونچے ڈھانچے میں ڈھالا تھا اس کے ذریعے ہزاروں مسلمانوں کی زندگیوں میں انقلاب برپا ہوا خصوصا بے شمار علماء وصلحاء اور مدارس کے ذمہ داروں کی زندگیاں آپ کی زندگی سے بنیں، یہ سب آپ کے لیے صدقہ جاریہ ہے۔

آپ کے خصائل حمیدہ:

للمسلم علی المسلم ست خصال حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ میں تمام خصائل حمیدہ کامل درجہ کی تھیں۔ کوئی بیمار ہو جائے تو اس کی عیادت کے لئے آپ بہ نفس نفیس بیمار کے مکان پر تشریف لے جاتے اعزہ واقارب میں سے کوئی انتقال ہو جائے تو ان کے متعلقین کی تعزیت کے لئے تشریف لے جاتے بارہا بندہ کو ایسے موقعوں پر ساتھ جانے کا شرف حاصل ہوا۔ جبکہ آپ مہینے میں یہ ایک یا دو مرتبہ جمعہ کی چھٹی میں وشارم تشریف لاتے تھے اس کے باوجود باقاعدہ وقت نکال کر عیادت اور تعزیت کیا کرتے تھے اور اعزہ واقارب کی خوشی اور غم میں برابر

شریک رہا کرتے تھے ایک مرتبہ آپ کا سفر ”راس پلی“ ضلع کڑپہ کے ایک مدرسہ کی جلسے کی صدارت کی بنیاد پر ہوا، اس سفر میں بندہ بھی ساتھ تھا۔ جلسہ سے فراغت کے بعد آپ کا ارادہ ہوا کہ حضرت مولانا عبدالجبار صاحب کڑپہ فاضل باقویؒ سابق ناظر مدرسہ باقیات صالحات کی عیادت کریں چنانچہ عیادت کے لئے آپ کے ساتھ بندہ اور بعض رفقاء بھی تھے آپ نے شہر کڑپہ میں حضرت کے مکان پہنچ کر عیادت فرمائی اور کافی دیر تک دونوں حضرات کی ملاقات رہی جب آپ کڈپہ سے کاٹپاڑی ٹرین سے واپس ہو رہے تھے اس وقت کسی نے مولانا عبدالجبار صاحب کے تعلق سے کوئی تنقیدی جملہ کہہ دیا تھا فوراً آپ نے انہیں ٹوکا اور ناراضگی کا اظہار فرمایا اور کہا بھائی ہم تو بس یہی کہہ سکتے ہیں کہ **ربنا اغفرلنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان ولاتجعل فی قلوبنا غلا للذین امنو ربنا انک رؤف رحیم**۔ آپ کی زندگی میں یہ افراد سازی کا کام نمایاں نظر آتا تھا چنانچہ آپ نے بے شمار ایسے افراد کو تیار کر دیا کہ جنکی مسلسل کوشش یہ رہتی تھی کہ ملت اسلامیہ کو جہالت کی تاریکی سے نکال کر علم کی روشنی سے منور کیا جائے اور وہ آپ کے بتائے ہوئے حکیمانہ بصیرت اور حسن تدبیر سے شرک وبدعات رسم ورواج کو ختم کرنے کی جدوجہد کرتے تھے اور مسلمانوں کے دلوں میں رچی اور بسی ہوئی بدعات و رسومات کی محبت کو دل ودماغ سے کھرچ کھرچ کر نکالنے کی کوشش کرتے تھے۔

آپ اپنا کام خود کرتے تھے:

آپ دارالعلوم دیو بند سے فارغ ہونے کے بعد تھانہ بھون کے مدرسے میں تدریسی خدمات انجام دیتے تھے تھانہ بھون میں پڑھنے والے ایک طالب علم نے آپ کی خدمت کرنے کی اجازت طلب کی اور کہا حضرت آپ اپنے سارے کام خود ہی کر لیتے ہیں مجھے صرف دو کاموں کی خدمت دیجئے وہ دو کام کرتے ہوئے آپ کو دیکھا نہیں جاتا ہے اور اس کو دیکھ کر برداشت نہیں کر پاتے ہیں۔

۱۔ پانی خود ہی نکال لیتے ہیں (اس زمانے میں ہینڈ پائپ سے پانی بھر لیتے تھے)

۲۔آپ چائے کی پتیلی کو جو کیروسین کے اسٹو پر رکھنے کی وجہ سے کالا ہو جاتا ہے اپنے دست مبارک سے اس کو دھویا کرتے تھے وہ منظر ہمارے سے دیکھا نہیں جاتا ہے وہ طالب علم روتے ہوئے عرض گزار ہوا تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے وہ دونوں خدمت اس طالب علم کے حوالے کر دئے۔

حضرتؒ جسمانی خدمت مثلاً ہاتھ اور پاؤں کے دبوانے کو بالکل پسند نہیں کرتے تھے اور اپنے شاگردوں کو بھی تاکید فرماتے تھے کہ جسمانی خدمت لینے سے مکمل پرہیز کریں۔

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کو شدید سر درد ہو گیا تھا آپ نے اپنے سر درد کا اظہار بھی فرما دیا (اس وقت پاکٹنی مسجد میں مولوی محبوب بادشاہ، دینی پاڈ باقوی امامت کرتے ہوئے مدرسہ منبع الحسنات میں تدریسی

خدمات انجام دے رہے تھے) انہوں نے عرض کیا کہ حضرت میں ایک خاص طریقے سے سر کو پکڑتا ہوں اسکی وجہ سے بہت جلد سر درد میں افاقہ ہو جائے گا تو حضرت والا نے یہ کہہ کر اس کو ٹال دیا کے بھائی میں نے ابھی ایک دوائی لی ہے اگر اس سے سر درد میں افاقہ نہ ہوا تو بعد میں دیکھا جائے گا پھر اس کا موقع نہیں دیا۔

مہمانوں کا اکرام:

باقیات صالحات کے ایام تدریس میں حضرت والا کا قیام ویلورڈ ٹرلائن مسجد میں تھا۔ بندہ فراغت کے بعد آپ سے ملاقات کے لئے کمرہ جاتا تو آپ ضرور چائے پلاتے اور کوئی بھی مہمان آجائے تو ضرور خاطر تواضع فرماتے، بارہا بندہ نے دیکھا کہ حضرت اس وقت بھی اپنا کام خود ہی کرتے تھے حتیٰ کہ چائے بنانے کے بعد چائے کے برتن کو (مہمان واپس چلے جانے کے بعد) خود ہی دھولیا کرتے تھے حضرت کے ہاتھوں سے بنائی ہوئی چائے بھی بندہ نے بھی ایک آدھ مرتبہ پی ہے اس پر بندہ کو بے حد شرمندگی ہوئی کہ آپ کو بندہ کی وجہ سے تکلیف پہنچی ،تو اس کے بعد کئی مرتبہ اجازت لے کر چائے بناتا اور خود بھی پیتا اور حضرت کو پلا کر آتا ساتھ ہی وہ برتن بھی دھو دیتا مگر جن مہمانوں کو حضرت کے برتن دھونے کا علم نہیں ہوتا وہ چائے پی کر برتن چھوڑ کر آجاتے تھے ان کے جانے کے بعد حضرتؒ خود اس برتن کو دھوتے تھے اللہ تعالی اس عمل کے ذریعے حضرت کے کتنے درجہ بلند کئے ہونگے اس کا اندازہ نہیں کر سکتے ہیں۔ جو بھی مہمان آتے حضرت

رخصت کرنے کے لیے چند قدم کمرہ سے باہر تشریف لیجاتے اور رخصت کر کے واپس ہوتے جس سال بندہ دارالعلوم دیوبند سے افتاء کر کے واپس آیا وشارم ہوتے ہوئے وطن جارہا تھا حضرت سے ملاقات کر کے جب جانے لگا تو حضرت والا اپنے مکان سے پاکٹنی مسجد تک پیدل تشریف لاکر رخصت کر گئے تھے وہ منظر یاد آتا ہے تو بے اختیار آنکھوں سے آنسو آجاتی ہے۔

اوقات مدرسہ کی پابندی:

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو میں نے مدرسہ مظاہر علوم سیلم میں جماعت فارسی اول اور دوم پڑھنے کے زمانے میں دیکھا کہ کبھی دیر سے نہیں حاضر ہوتے۔

آٹھ بجے مدرسہ کا وقت ہوتو آپ ساڑھے سات کو حاضر ہوجاتے تھے کم از کم پندرہ یا بیس منٹ پہلے مدرسہ حاضر ہوجایا کرتے تھے جبکہ آپ کا قیام ان ایام میں سیلم جنکشن سومنگل میں تھا وہاں سے بس کے ذریعے آتے تھے مدرسہ کو کبھی دیر سے حاضر ہوتے نہیں دیکھا گیا۔

بندہ جماعت ششم اور ہفتم باقیات الصالحات میں پڑھا ان دونوں سال بھی بندہ نے آپ کو بہت قریب سے دیکھا کہ آپ کسی دن دیر سے حاضر نہیں ہوئے اگر مدرسہ میں امتحان کی تیاری یا داخلہ کاروائی وغیرہ کسی وجہ سے اسباق موقوف ہوں تو بھی حضرت اپنے معمول کے مطابق وقت سے پہلے حاضر ہوجاتے تھے اور پورا وقت مدرسہ میں گزارتے گھنٹی کے بعد مدرسہ کے احاطے سے باہر نکلتے

تھے حضرت والا کے اس عمل کو سوچتا ہوں تو حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وہ تفسیر یاد آجاتی ہے جو کہ آپ نے سورہ تطفیف میں لکھی ہے **اقترب للناس حسابهم وهم في غفلة معرضون** اللہ تعالی ہمیں ان وعیدوں کا استحضار نصیب فرمائے اور ہماری مدد فرمائے کہ دنیوی خواہشات میں مشغول ہوکر اس حساب کو نہ بھلائیں کیونکہ اس کو بھلا دینا ہی سارے خرابیوں اور گناہوں کی بنیاد ہے۔

موطا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ نماز کے رکوع، سجدے وغیرہ پورے نہیں کرتا ہے جلدی جلدی نماز ختم کردیتا ہے تو آپ نے اس کو فرمایا لقد طفّفت تو نے تو اللہ کے حق میں تطفیف کردی فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے اس قول کو نقل کر کے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: **لکل شئ وفاء و تطفیف** یعنی پورا حق یا کم کرنا ہر چیز میں ہے یہاں تک کہ نماز، وضو اور طہارت میں بھی اور اسی طرح دوسرے حقوق اللہ اور حقوق العباد میں کمی اور کوتاہی کرنے والا بھی تطفیف کا مجرم ہے اسی طرح حقوق العباد میں جو شخص مقررہ حق سے کم کرتا ہے وہ بھی تطفیف کے حکم میں ہے مزدور ملازم نے جتنے وقت خدمت کا معاہدہ کیا ہے اس میں وقت چرانا اور کم کرنا بھی اس تطفیف میں داخل ہے وقت کے اندر جس طرح کام کرنے کا عرف میں معمول ہے اسمیں سستی کرنا بھی تطفیف ہے اسمیں عام لوگوں میں یہاں تک کہ اہل علم میں بھی غفلت پائی جاتی ہے اپنی ملازمت اور مقبوضہ ذمہ داری کے فرائض میں کمی کرنے کو کوئی گناہ

نہیں سمجھتے اعاذنا اللہ منہ، اللہ ہمیں اس سے حفاظت فرمائے (آمین)۔

آپ کے آنکھوں سے بے اختیار آنسو بہنا:

ایک دن حضرت علیہ الرحمہ کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو بہنے لگے، بندہ اس کو دیکھ رہا تھا مگر اس کی وجہ دریافت کرنے کی ہمت نہ ہوئی اتنے میں حضرت والا نے خود ہی فرمایا کہ بھائی میں موت کے ڈر سے نہیں رو رہا ہوں بلکہ مجھے اس بات پر افسوس ہے کہ میرے قیمتی اوقات تدریسی خدمت کے بغیر گزر رہے ہیں گویا تدریسی خدمت کما حقہ ادا نہ ہونے کا غم حضرت پر طاری تھا جس کی وجہ سے طبیعت میں کڑھن تھی۔

ایک اہم تحریری خدمت:

حضرت اقدسؒ کی تحریری خدمت میں سے ایک اہم اور یادگار تحریر فتاوٰی باقیات ہے حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ نے اسکی تمہید میں خود تحریر فرمایا ہے کہ: اعلی حضرت ویلوری قدس سرہ کی حیات طیبہ کے طویل مدت میں ہزاروں فتاوٰی حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے قلم سے تحریر ہوئی ہوگی مگر اس کا جو ذخیرہ مدرسہ باقیات کے رجسٹروں میں محفوظ تھا اس کو پہلے دو نئے رجسٹروں میں بعینہ نقل کیا گیا۔

سابقہ ایام (1975-1974) جبکہ یہ ناکارہ حضرت اقدس مولانا محمد یعقوب صاحب مدرسہ باقیات کی تدریسی خدمت پر مامور تھا آج سے تیرہ چودہ سال پہلے اس ناکارہ کی طبیعت بہت ناساز ہوگئی زیادہ بولنے سے تکلیف ہوتی تھی

ناظر وقت مولانا عبد الرحمن فضفری رحمۃ اللہ علیہ نے بندہ کی حالت کو محسوس کر کے تدریس کا بوجھ بندہ سے ہلکا کرنا چاہا چنانچہ انہوں نے بندہ سے متعلق درس کے کچھ گھنٹے خالی کر کے ترتیب فتاوی پر مامور فرمادیا اور فتاوی مذکورہ کے نئے رجسٹروں کی دو جلدیں بندہ کے حوالے کی (یہ خدمت من جانب اللہ حضرت والا کے سپرد ہوئی اللہ تعالیٰ نے غیب سے اس کی مدد فرمائی کہ آپنے اس کام کو بحسن وخوبی انجام دیا اور اس کی کتابت، طباعت و اشاعت کے مراحل الحمد للہ آسانی کے ساتھ حل ہوتے چلے گئے،

''ایں سعادت بزور بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ''

حضرت والا کی زبانی بارہا میں نے اس واقعہ کو سنا اور آپ نے اپنے مجالس میں اس کا تذکرہ فرمایا ہے کہ حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ نے علامہ عبد الرحمن صاحب کے حسب ہدایت دو باتوں کا اہتمام کرتے ہوئے ترتیب فتوی کے کام میں مشغول ہوئے اول یہ کہا آپ اپنے ان فتاوٰی کے ذیلی عنوانات قائم کئے اور انھیں ابواب اور فصول پر مرتب فرمایا دوم یہ کہ ان فتاوٰی کو جو عام طور پر ادھر بولی جانے والی دکنی اردو کے اسلوب اور محاوروں پر لکھے ہوئے تھے، مفہوم اور مراد میں ذرا برابر تغیر وتبدل کئے بغیر صاف اردو زبان کے قالب میں ڈھالے ہیں۔

فتاوٰی کے ان دو جلدوں میں اکثر وبیشتر فتاوی بانی باقیات اعلی حضرت قدس سرہ کے دور کے ہیں اور اعلی حضرت ہی کے قلم مبارک سے تحریر ہوئے ہیں

البتہ چند فتاوی دور ثانی یعنی حضرت مولانا ضیاء الدین محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے دور کے ہیں، اکثر فتاوی میں دیگر مدرسین کرام کے بھی دستخط ثبت ہیں۔

حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ نے فتاوی باقیات کی تمہید میں یہ پیغام بھی دیا ہے کہ علمائے حق علوم دینیہ کے امین ہیں انبیاءؑ کے وارث ہیں انہیں وارثت و امانت کے اس بارگراں کا اسی لئے مکلف بنایا گیا تھا کہ امت کے عام کلمہ گو افراد کی دینی نگرانی کریں ان کے ایمان واعتقاد کو کسی بھی جہت سے مضمحل نہ ہونے دیں اور پورے احساس مسئولیت کے ساتھ ان کے متاع بے بہا کی حفاظت وصیانت کی تدبیر کرتے رہیں زوائد وخرافات اور رسوم و بدعات کا استیصال کر کے امت کو صحیح دین کی طرف بازگشت کی دعوت دیتے رہیں۔ انہیں مقاصد کی خاطر دینی مدارس کا قیام عمل میں آتا رہا اللہ تعالی سے دعا ہے کہ حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کے اس پیغام پر ہم خدام کو مکمل عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور اس متاع بے بہا کی حفاظت و صیانت کی خدمت لے۔ **اذا مات الانسان انقطع عنه عمله الا من ثلاث صدقه جاریه علم ینتفع به و ولد صالح یدعو له**۔ حضرت والا کو اللہ تعالی نے ان تینوں نعمتوں سے بھرپور حصہ عطا فرمایا تھا خاص طور پر حضرت کے صلبی اولاد کے ساتھ روحانی اولاد جو سارے عالم میں مختلف دینی خدمت میں لگے ہوئے ہیں۔

آرام طلبی سے کوسوں دور رہتے:

آپ اپنے اس پیرانہ سالی وضعف و کمزوری کے باوجود آخری سانس تک تعلیمی وتربیتی مشاغل میں مصروف رہے۔

اپنے مزاج اور طبع کا میلان درس وتدریس ہی کی طرف رکھا حضرت حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں آپ بارہا فرمایا کرتے تھے ''آپ کی زندگی کی لغت میں لفظ آرام مہمل تھا'' ہم نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کا بھی یہ حال دیکھا کہ آپ آرام طلبی سے کوسوں دور رہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی مغفرت فرمائے اور قوم وملت کو آپ کا صحیح جانشین عطاء فرمائے۔ آمین

حضرتؒ اور اصول پسندی

حضرت مولانا محمد ابرہیم صاحب باقوی دامت برکاتہم

استاذ مدرسہ کاشف الہدیٰ چنئی

رہبر زندگی

حضرتؒ کی پاکیزہ زندگی اہل علم کے لئے بہترین نمونہ ہے۔آپؒ علم، اخلاق، خوفِ خداوندی، دینی خدمات، احترام انسانیت، دینی حمیت اور پابندی جیسے بے شمار اوصاف کے حامل تھے۔آپ کو دیکھ کر کئی لوگوں نے اپنی زندگیاں بدل لیں۔

نماز کا اہتمام

حضرتؒ کا معمول تھا کہ ہمیشہ پانچ منٹ پہلے مسجد تشریف لے جاتے تھے اور سب سے اخیر میں مسجد سے نکلا کرتے تھے۔صفِ اولیٰ کے آپ اس قدر پابند تھے کہ تاحیات کسی نے آپ کو دوسری صف میں دیکھا ہی نہیں چاہے مدرسہ میں ہو یا گھر جا کر محلہ کی مسجد میں ہوں ہر حال میں آپؒ کا یہی معمول رہا نماز باجماعت کا بڑا اہتمام فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ راقم سفر میں آپ کے ساتھ تھا آپ نے دریافت فرمایا کہ مسجد میں جماعت مل سکتی ہے بندہ نے اثبات میں جواب دیا تو

آپ نے فرمایا مولوی صاحب! میری مراد ایک آدھ رکعت مل کی نہیں ہے۔بل کہ مکمل جماعت مل سکتی ہے؟ بندہ جب اس کا بھی یہی جواب دیا تو پھر آپ مسجد تشریف لے گئے حضرتؒ خود پابند ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے ماتحت اساتذہ کرام کو مسجد میں حاضری، نماز باجماعت، صفِ اولیٰ اور تکبیر تحریمہ کی بڑی تاکید فرماتے تھے۔مسجد کے علاوہ کمروں اور درسگاہوں میں الگ جماعت کے سخت مخالف تھے۔اس سلسلہ میں خود نمونہ ہونے کے باوجود نماز باجماعت سے متعلق اکابرین کے قصہ بطورِ ترغیب سُنایا کرتے تھے اور اس سلسلہ میں آپ اس قدر پابند تھے کہ اذان کے بعد چاہے کیسا ہی پروگرام ہو ختم فرما دیتے تھے۔

ایک مرتبہ آپ نے اپنے پیر و مرشد شیخ الحدیث حضرت اقدس مولانا محمد زکریا صاحب نور اللہ مرقدہٗ کا واقعہ سنایا کہ شیخ الحدیثؒ خانقاہ میں تشریف فرما ہوتے تھے۔سیکنڑوں مریدین و متوسلین ساتھ رہتے تھے مگر اذان ہوتے ہی آپؒ باوجود ضعف و پیرانہ سالی کے شمالی ہند کی سخت سردی میں مسجد تشریف لے جاتے تھے ایک مرتبہ حاضرین میں سے کسی نے کہا کہ حضرت یہاں احباب کی اتنی بڑی تعداد ہے کہ باقاعدہ نماز باجماعت یہیں ادا کی جاسکتی ہے تو آپؒ نے ارشاد فرمایا کہ بھائی جماعت کیسے چھوٹے گی؟ مسجد چھوٹ جائے گی لہٰذا نماز باجماعت مسجد میں ادا کرنا ہی ہمارے اکابرین کا طریقہ رہا ہے۔آپؒ ہمیشہ سکون واطمینان کے ساتھ نماز ادا فرمایا کرتے تھے کبھی آپ نے ارکانِ نماز کی ادائیگی میں عجلت اور

بے قاعدگی نہیں فرمائی ہاں سفر وحضر کی نماز میں فرق ضرور فرماتے تھے سفر میں نماز باجماعت میں قرأت کی طوالت کو پسند نہیں فرماتے تھے اختصار کی تاکید فرماتے تھے۔آپؒ نوافل کے اہتمام پر بھی زور دیا کرتے تھے۔ایک مرتبہ مجھ سے فرمایا مولوی صاحب! آپ حافظِ قرآن ہیں صرف تراویح میں قرآن سنانے پر اکتفاء نہ کریں بل کہ نوافل میں الگ سے قرآن کی تکمیل ضرور کریں۔

حضرتؒ نے اپنی زندگی ضعف اور کمزوری کے زمانے میں بھی بیٹھ کر نماز ادا کرنا پسند نہیں فرمایا البتہ جب چلنے پھرنے سے مجبوری ہوگئی اور وھیل چیر پر چل نے لگے تو بیٹھ کر نماز پڑھتے تھے۔ورنہ فرض تو فرض نوافل بھی کھڑے ہو کر ہی ادا کرنے کا معمول تھا۔

حضرتؒ کے اوصاف

آپؒ تواضع کے پیکر تھے اپنی تمام تر مصروفیات کے باوجود ملنے والوں کے لئے وقت دیا کرتے تھے اور آپ کو لکھے گئے خطوط کا اہتمام کے ساتھ جواب بھی مرحمت فرماتے تھے کبھی آپ نے اپنے ماتحت اساتذہ، طلبہ اور دیگر ملازمین مدرسہ میں سے کسی کی اپنے قول وفعل سے دل شکنی نہیں فرمائی اور کبھی کسی سے اہانت آمیز لہجے میں بات نہیں کی۔

اگر کوئی اہم بات ہوتی تو اس سے پہلے مقدمہ باندھ کر پھر اس بات کو پیش فرمایا کرتے تھے اور جب کسی کو کوئی ذمہ داری سونپنی ہوتی تھی تو اس کام سے متعلق

ضروری ہدایات ارشاد فرما کر اس کی اہمیت کا احساس دلایا کرتے تھے جب آپ نے تدریسی خدمات انجام دینے کے لئے مدرسہ ربّانیہ بھیجا تو آپ نے مجھے تاکید فرمائی کہ مولوی صاحب! تجوید کا خوب لحاظ رکھنا اور جب مدرسہ ربّانیہ میں خدمت کے دوران مصروفیات کی وجہ سے حضرتؒ کی خدمت میں حاضری سے چند دنوں کی محرومی رہی اور اس سلسلہ میں بندے نے حضرت سے معذرت چاہی تو حضرتؒ نے بڑے پن سے فرمایا مولوی صاحب! ملاقات سے کام اصل چیز ہے اور آپ فرمایا کرتے تھے کہ ہر مدرسہ میں اگلے ایک سال کے لئے اخراجات کا ذخیرہ موجود ہونا چاہئیے مالی حالات کی وجہ سے بے چینی واضطراب پسندیدہ نہیں ہے۔

احساسِ ذمہ داری

آپؒ کی احساس ذمہ داری بھی قابلِ دید تھی آپ نے اپنی ذمہ داری کو ہمیشہ خوش اسلوبی کے ساتھ نبھایا کبھی آپ نے اپنے کاموں سے جی نہیں چرایا پابندی اوقات میں حضرتؒ اپنی مثال آپ تھے۔صبح کو گھنٹہ کا وقت ۸:۰۰ بجے ہوتا تھا تو ۷:۵۵ کو آپ تیار بیٹھے رہتے تھے تعلیمی سال کا آغاز ۱۱ رشوال کو ہوتا تو ۹ یا ۱۰ رشوال کو خود بھی حاضر رہتے اور مدرسہ کے دیگر اساتذہ کرام کو بھی قبل از وقت حاضری کی تاکید فرماتے تھے مجوزہ نصاب کی تکمیل پر خود بھی کاربند ہوتے تھے اور دیگر اساتذہ کرام کی بھی نگرانی فرماتے تھے۔

اور فرمایا کرتے تھے کہ مدرسہ کے اوقات امانت ہیں اگر ہم نے اسے

ضائع کیا تو خیانت ہوگی اور عند اللہ جواب دہی کرنی پڑے گی، فرماتے تھے کہ اگر ہم نے مدرسہ کے اوقات کو ضائع کیا تو ہماری تنخواہ حلال نہیں ہوگی۔

دینی حمیت

مدرسہ صرف دینی درسگاہ نہیں بلکہ حفاظت واشاعت دین کا بھی ذریعہ ہے۔ ہم علماء مدارس کو عوام کی دینی ضروریات کا خوب خیال رکھنا چاہیئے جب کوئی فتنہ رونما ہوتا تھا تو فوراً متعلقہ لوگوں کی جماعت کی میٹنگ بلاتے تھے اور اس فتنہ کی سرکوبی کی ہر ممکن تدبیر اختیار فرماتے تھے۔

آنکھیں اشک بار ہیں اور دل غمزدہ

حضرت مولانا مفتی ریاض احمد صاحب دامت برکاتہم
شیخ الحدیث ومہتمم مدرسۂ مفتاح العلوم، میل وشارم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم اما بعد!

عزیزان کی جانب سے اصرار رہا کہ یہ گناہ گار خادم مخدومی ومحبوبی استاذ الکل منبع برکات وفضائل نمونۂ اسلاف حضرت اقدس مولانا محمد یعقوب صاحب دامت برکاتہم فداہ نفسی وابی وامی سے متعلق اپنے کچھ تاثرات سپر وقلم کرے، بندے کے لئے یہ بہت بڑی سعادت ہے اس خادم کے دل میں یہ بات بالکل راسخ ہے کہ حضرت سے وابستگی بندہ کے حصہ میں آنے والی سب سے بڑی نعمت ہے۔ ویسے تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے واقفیت اس وقت سے ہے جب بندہ کم سنی میں مدرسۂ منبع الحسنات، میل وشارم میں زیر تعلیم تھا اس وقت اپنے اساتذہ کی زبانی اور ساتھیوں سے حضرت کا تذکرہ سنتا تھا مگر سب سے پہلے حضرت سے باقاعدہ تفصیلی ملاقات معہد العلوم الاسلامیہ، پلمنیر میں تعلیم کے دوران اپنے ایک رفیقِ درس کے ہمراہ ہوئی تھی، اور غالباً آدھا گھنٹہ حضرت سے ملاقات رہی۔ اس کے بعد جب بھی وشارم حاضری ہوتی حضرت کی خدمت میں حاضری کی حتی المقدور

کوشش ہوتی اور کم از کم جمعہ کے بیان میں حاضری اس سفر کا اہم ترین مقصد ہوتا۔
اللہ کی مہربانی کہ بندہ مدرسہ مفتاح العلوم ،میل وشارم میں خدمت تدریس سے وابستہ ہوگیا اور پھر حضرت سے بار بار ملاقات کی سعادت نصیب ہوتی رہی ، بندہ کا احساس ہے کہ بندہ دارالعلوم دیو بند میں تعلیم کے دوران جس اہتمام سے حضرت اقدس فقیہ الامت رحمۃ اللہ کی مجلس میں حاضر رہتا تھا تقریباً اتنا ہی اہتمام حضرت کی مجلس کے لئے بھی بفضل الٰہی کرنے لگا۔ان بابرکت مجالس میں وہ سب حاصل ہوتا تھا کہ جو سینکڑوں صفحات کے ورق گردانی سے حاصل نہ ہوتا، حضرت مدنیؒ ،حضرت شیخ الحدیثؒ ،حضرت تھانویؒ ،حضرت علامہ بلیاویؒ ،حضرت مولانا معراج الحق صاحبؒ ،حضرت فخر الحسن صاحبؒ ،اور سارے ہی اکابر کا ایسا پرکیف تذکرہ کہ گویہ سارے نقوش قدسیہ ہماری نظروں کے سامنے ہیں۔

طلبہ کی تعلیم تربیت سے متعلق حضرت رحمۃ اللہ علیہ اس درجہ فکرمند رہتے اور ہم خدام کو اس متنبہ فرماتے کہ بعض مرتبہ ہماری غفلت اور کوتاہی کو ملت کے ساتھ خیانت سے تعبیر فرماتے۔اس نوع کی ایک اہم نصیحت پیش خدمت ہے، جو حضرت نے بندہ کو فرمائی تھی۔اس وقت جب بندہ نیا نیا مفتاح العلوم میں تدریسی خدمات سے وابستہ ہوا تھا ہوا یہ کہ بندہ نے حضرت کو ایک تفصیلی خط لکھا جس میں اس بات کی شکایت تھی کہ حضرت والا: دن رات محنت کر کے مکمل عرق ریزی و جانفشانی سے اسباق پڑھانے کے باوجود طلبہ اس کی بالکل قدر نہیں کرتے نہ اسباق

یاد کرتے ہیں، نہ سناتے ہیں، نہ مطالعہ دیکھتے ہیں، نہ اسباق توجہ سے سنتے ہیں، اس سے بندہ بے حد ملول رہتا ہے اور اپنی محنت رائیگاں سمجھتے ہیں اس پر حضرت نے بندہ کو ایسی بہترین نصیحت کی کہ گویا بندہ کی کایا ہی پلٹ گئی حضرتؒ نے فرمایا: کہ مولوی صاحب راستہ میں محنت اسی طرح ہوتی ہے سو پچاس پر محنت کرنے کے بعد ان ہی سب سے ایک آدھ کام کا فرد پیدا ہوتا ہے اس ایک کے لئے سب پر محنت کرنی پڑتی ہے اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں۔اس کے بعد سے بندہ کی محنت کا انداز ہی بدل گیا بندہ ہر ہر طالب علم پر پوری توجہ لگاتا ہے کہ اللہ جانے وہ گوہر نایاب کون ہوگا؟ اور یہ حقیقت ہے کہ اس طویل عرصہ کے تجربہ نے یہ بات ثابت کردی کہ اللہ تعالی کس سے کام لیں گے؟ اس کا تعلق صلاحیت اور محنت سے کم اور اجتبائے الٰہی سے زیادہ ہے بعض ایسے طلبہ سے بارہا سابقہ پڑتا ہے جن سے بظاہر کوئی توقع نہیں ہوتی مگر اللہ تعالی ان سے ایسا کام لیتے ہیں کہ آنکھیں ٹھنڈی ہوجاتی ہیں۔

یہ گناہ گار خادم اللہ رب العزت کے دربار ہزار ہزار شکر ادا کرتا ہے کہ الحمد للہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ آخری وقت تک بندہ سے راضی وخوش رہے حضرت کی بے پناہ شفقتیں وعنایتیں مجھ پر ہمیشہ رہیں، خصوصا عزیزان مولوی ذبیح اللہ وحسین احمد سلمہا کے مفتاح العلوم میں تعلیم کے زمانے میں حضرتؒ اس عاجز سے بہت زیادہ رابطہ میں رہتے تھے اور ان عزیزوں کی تعلیم وتربیت کے سلسلے میں خصوصی ہدایات فرماتے تھے اور جیسے جیسے ان عزیزوں کی تعلیم تکمیل کے مراحل میں پہنچی

حضرت کی محبت بھی روز افزوں رہی، اس نوع کے بہت لطائف ہیں صرف ایک یادگار لطیفہ عرض کرنے کی جسارت کرتا ہوں عزیزم مولوی اسماعیل ذبیح اللہ سلمہ نے جب مفتاح العلوم سے تعلیم کی تکمیل فرمالی اور آں عزیز کا دارالعلوم دیوبند میں داخلہ ہوگیا تو حضرت نے ہم سب خدام کو عصرانہ پر مدعو فرمایا: اس دن بندہ نے دوپہر کا کھانا نہیں کھایا کہ آج حضرت کے یہاں حتی المقدور نعمتیں سمیٹنی ہیں۔ پتہ نہیں حضرت کو اس کا علم کیسے ہوگیا؟ حضرت نے مجلس کے دوران فرمایا کہ بھائی جن لوگوں کا روزہ ہے وہ حضرت دگنی مقدار لے لیں اس وقت بندہ کو جو کیف وسرور حاصل ہوا وہ الفاظ میں بیان نہیں ہوسکتا۔

پھر جب مولوی اسماعیل ذبیح اللہ سلمہ کی دارالعلوم دیوبند سے بھی تعلیم مکمل ہوئی تو ایک دن موقع پاکر بندہ نے عرض کیا کہ حضرت جس وقت ذبیح اللہ کا داخلہ ہوا تھا حضرت نے عصرانہ کی دعوت دی تھی اب تو مولوی صاحب تعلیم مکمل کر چکے ہیں بندہ نے اتنا کہہ کے خاموش ہوگیا تو حضرت نے فرمایا کہ آگے بھی فرمائیے یہی نا کہ اب کھانے کی دعوت ہونی چاہئے ہم سب ساتھی بے حد محظوظ ہوئے اور حضرت بھی بہت محظوظ ہوئے اور واقعی حضرت نے ہم چند خادموں کو باقاعدہ کھانے پر مدعو فرمایا: ہائے افسوس! یقین نہیں آتا کہ اب یہ ماضی کا قصہ ہے یہ لطف عارضی تھا یہ نعمت اپنے درمیان سے ہمیشہ کے لئے اٹھالی گئی سچ ہے یہ دنیا دارالغرور ہے، یہاں کی کسی نعمت کی دوام وبقا حاصل نہیں حقیقی نعمتیں ومسرتیں تو انشاء اللہ

آخرت میں میسر ہوں گی۔ اللہ تعالی ہم خدام کو اپنے ان پاکیزہ نقوش سے ہمیشہ وابستہ رکھے۔ جیسے یہاں یہ دولت نصیب ہوئی وہاں بھی حضرت کا ساتھ نصیب ہو۔

وما ذلک علی اللہ بعزیز

آنکھیں اشکبار ہیں دل غمزدہ ہے مگر ہم وہی کہیں گے جو ہمارے رب کو پسند ہے حضرت والا: ہم آپ کے فراق سے بے حد مغموم ہیں۔

ربنا افرغ علینا صبرا وتوفنا مسلمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

☆☆☆

فخر جنوب حضرتؒ کی اصولی اور مثالی زندگی

حضرت مولانا مفتی ابوالحسن محمد یعقوب صاحب قاسمی
استاذ مدرسۂ کاشف الہدیٰ، مدراس

حضرتؒ کا ماہانہ بیان اور اکابر دیوبند کا تذکرہ:

بچپن میں جب سے میں نے ہوش سنبھالا ہمارے شہر میل وشارم میں حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کے بارے میں لوگوں کے دلوں میں عقیدت وعظمت دیکھی۔ میرے والد جناب مرکی ۔محمد ضیاء الدین صاحب مرحوم حضرتؒ کے بہت عاشق تھے، پابندی سے ماہانہ بیانات کو ٹیپ ریکاڈ سے محفوظ کرتے تھے۔میل وشارم کی پاکتنی مسجد جہاں حضرتؒ کا ماہانہ بیان ہوتا جمعہ کے اذان سے ہی مسجد مصلیوں سے بھرجاتی۔ لوگوں کی زبانی اکثر یہ بات سنی گئی کہ حضرتؒ کے بیان میں عجیب تاثیر ہے، بات دل میں بیٹھ جاتی ہے،عمل کا شوق اور رغبت پیدا ہوجاتی ہے۔حضرتؒ کے بیانات کی خصوصیت یہ تھی سنت کے تذکرے، اکابر دیوبند کے واقعات سے بھرئی ہوئی ہوتی جس کی وجہ سے اہل وشارم بلکہ اہل جنوب میں اکابر دیوبند کی محبت وعظمت قائم ہوئی اور لوگوں کو راہ اعتدال پر قائم رہنے کا جذبہ پیدا ہوا، جب کہ اطراف کا ماحول بدعات ،خرافات اوررسومات سے بھرا ہوا تھا، حضرتؒ کے بیانات کے حکمت عملی سے آہستہ آہستہ یہ

چیزیں ختم ہوئیں۔بچپن میں حضرتؒ نے جو اکابر دیوبند کی محبت پیدا کی، یہی وجہ بنی کہ ہم نے دیوبند کا رخ کیا اور دارالعلوم دیوبند سے تعلیم حاصل کرنے اور فیض یاب ہونے کا ایک سنہرا موقع ملا، فللہ الحمد۔

طلبہ کو نصیحت

دارالعلوم دیوبند میں ہمارے داخلہ کے بعد حضرتؒ جب شوری کی اجلاس میں تشریف لائے تو دارالعلوم کے مہمان خانہ کے کمرے میں آپ نے ہمیں خطاب کرتے ہوئے فرمایا: بھائی! یہاں رہ کر آدمی فرشتہ بھی بن سکتا ہے اور شیطان بھی۔ یہاں طالب علم کو خود اپنے عزم وارادے کے ساتھ وقت کی پابندی، درس ومطالعہ کا اہتمام، اساتذہ کرام کی خدمت میں حاضری اور اپنے اخلاق کی درستگی کا اہتمام کرنا ہوگا۔ یہاں طلبہ کی کثرت کی وجہ سے ہمارے علاقے کی مدارس کی طرح اسباق ،مطالعہ وتکرار، اور نماز کی پابندی وغیرہ امور پر انتظامیہ واساتذہ کی طرف سے پابندی کرانا مشکل ہے۔یہاں طلبہ خود کو ذمہ دار بنا کر پابند رہنا ہوگا، ورنہ یہاں طالب علم رسمی طور پر داخلہ لے کر آزاد ماحول کو اپنائے تو نماز کی پابندی تو کیا اخلاق بہت جلد بگڑ کر شیطان نما بھی بن سکتا ہے۔

یہ دارالعلوم میں داخلہ کے بعد حضرتؒ کی ابتدائی نصیحت تھی جو نقش کالحجر ہوکر رہ گئی، اور دارالعلوم کے طالب علمانہ زندگی میں ہمارے لئے مشعل راہ بنی، واقعہ بھی یہی ہے دارالعلوم کے طالب علم کے لئے حضرتؒ کی یہ نصیحت حرف بحرف صحیح ہوئی۔

پھر دارالعلوم کے آخر سال سن ۱۴۱۱ھ میں جب حضرتؒ شوری کی اجلاس میں

تشریف لائے تو اس ناکارہ کو مدرسۃ کاشف الہدیٰ مدراس میں تدریسی خدمت کے لئے دعوت دی اسی سال یہاں اردو شعبہ قائم ہوا، جب کہ اس سے پہلے یہاں صرف تامل زبان میں تعلیم ہوتی تھی ۔اسی وقت حضرت والا نے یہ بھی فرمایا کہ میرا اور تمہارا نام یعقوب ہے، مدرسہ میں اس کی وجہ سے اشتباہ ہوگا، اس لئے میری رائے ہے کہ تم اپنی ایک کنیت مقرر کرلو، پھر خود ہی فرمایا: کنیت دو قسم کی ہوتی ہے کنیت نسبی ،کنیت وصفی، میرا خیال یہ ہے کہ تمہارے لئے ابوالحسن ،کنیت وصفی مناسب رہے گا۔ چنانچہ یہاں آنے کے بعد ابوالحسن کی کنیت ہی سے معروف رہا، اجبکہ سرکاری ریکارڈ وں میں اصل نام محمد یعقوب لکھا گیا ہے۔

<u>مدرسۃ کاشف الہدیٰ میں تعلیمی سال کی ابتداء</u>

یہاں تعلیمی سال کے پہلے دن (۱۱رشوال) کا خاص اہتمام ہوتا ہے، مدرسین کو حتی الامکان ۱۰رشوال کی رات میں پہنچنے کی ہدایت دی جاتی ہے، تاکہ صبح ٹرین ،بس وغیرہ کی تاخیر ہونے پر وقت مقررہ میں حاضری دینے میں رکاوٹ نہ ہو۔ پہلے دن صبح ۷:۵۵ کو صدر المدرسین حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب کے کمرے میں تمام مدرسین کی حاضری لازمی ہوتی اور صبح (۸:۰۰) بجے پہلا گھنٹہ لگتا تو وہیں تمام مدرسین رجسٹر پر دستخط کرتے ہیں، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ تمام مدرسین بھی اس کا حد درجہ اہتمام کرتے ہیں، اِدھر گھنٹی بجتی اُدھر اساتذہ وطلبہ درسگاہ میں حاضر ہوجاتے اس کے بعد ابتدائی مشورہ ہوتا اور داخلہ کی کاروائی شروع ہوجاتی۔

حضرتؒ مدرسہ سے متعلقہ تمام امور مشورہ سے کرنے کا نہایت اہتمام فرماتے، یہاں تک کہ تقسیم اسباق وغیرہ مشورہ کے بعد حضرت اساتذہ سے عمومی اجازت لیتے ہوئے فرماتے اس میں جزوی ترمیمات کی گنجائش دے دی جائے۔

<u>مدرسہ کا داخلی نظام</u>

حضرتؒ کے صحت کے زمانے میں اوقات درس میں تمام درسگاہوں کا معائنہ کرتے ہوئے گشت کرتے جس کی وجہ سے خدام مدرسہ میں کافی رعب اور اثر پڑتا۔امتحان کے ایام میں ہر دن حضرتؒ گھنٹی بجنے سے پہلے امتحان گاہ پہنچ جاتے، اور سولات کے پرچہ تقسیم ہونے تک مکمل امتحان گاہ کا معائنہ کرتے، اگر حضرتؒ سے متعلق امتحان ہوتو آپ مکمل وقت امتحان گاہ میں تشریف فرما ہوتے، اور مختلف کتابوں کے مطالعہ میں مصروف رہتے، مدرسہ کے شعبہ حفظ کے امتحان کے وقت حضرت خود تشریف لے جاتے آپ کی موجودگی میں حفظ کا امتحان ہوتا۔

اس مدرسہ سے ملحقہ تقریبا تیس مدارس شہر مدراس اور اس کے مضافات میں ہیں، مدرسہ ہذا کے مدرسین کے ذریعہ سے ہی ان تمام ملحقہ مدارس کے امتحانات انجام پاتے ۔حضرتؒ خود ان تمام امتحانات کا جائزہ لیتے، قابل اصلاح باتوں کی طرف توجہ دلاتے جو کمی یا نقص ہو تو اس کی تلافی اور مزید ترقی کی صورتیں بتاتے۔

<u>نصاب کی تکمیل</u>

حضرت امیر شریعتؒ مدرسہ میں نصاب کی تکمیل پر بہت زور دیتے تھے نیز

جن مدارس کے آپ سرپرست رہے وہاں بھی اس پر زور دیا کرتے اور فرماتے کہ کمیت اور کیفیت کے ساتھ مجوزہ نصاب کی تکمیل کرنا مدرسہ اور طلبہ کا حق ہے۔ بڑی کتابیں چاہے تفسیر جلالین ہو یا مشکوۃ المصابیح اور ہدایہ کی چاروں جلدیں بحمد اللہ مکمل کرانے کا شروع سے معمول چلا آ رہا ہے۔ حضرتؒ اس میں تخفیف کو ذرہ برابر بھی گوارا نہیں فرماتے نیز فرماتے کہ مدرسہ کی اوقات امانت ہیں اگر مدرسے 8 بجے شروع ہوتا تو اس میں جتنا عرف میں (دو، تین منٹ) نظر انداز کیا جاتا اتنی گنجائش نکل سکتی ہے، درسگاہ میں تاخیر سے پہنچنا یا جلد واپس جانا یا دوران درس فون میں لگے رہنا، ساتھیوں سے گفتگو کرتے رہنا خیانت ہے۔ اس پر اکابر کے واقعات سناتے تھے نیز یہ بھی متعدد مرتبہ فرمایا کہ مدرسہ کے اوقات کی حفاظت کرنے میں وظیفہ حلال ہوگا اور اس پر برکت بھی ہوگی قرض لینے کی نوبت نہیں آئے گی۔ حضرتؒ خود بھی نصاب کی تکمیل کا اہتمام فرماتے تھے۔ ششماہی کے بعد ہی سے ہر مشورہ میں اساتذہ کو متوجہ کرتے کہ کہیں سال کے آخر میں خارجی اوقات میں زیادہ اسباق پڑھانے کی وجہ طلبہ پر زیادہ بوجھ نہ پڑے۔ عشا کے بعد سبق پڑھانے سے منع کرتے کہ یہ طلبہ کے تکرار و مطالعہ کا وقت ہے ورنہ امتحان کی تیاری میں حرج ہوگا خود بھی کبھی نصاب باقی رہنے صورت میں بعد مغرب حضرتؒ کو اسباق پڑھاتے ہوئے دیکھا گیا، لیکن حضرتؒ اساتذہ کے سامنے اپنی یہ خواہش ظاہر فرماتے کہ میں اپنی زندگی میں اس مدرسہ کو ایک مثالی مدرسہ دیکھنا چاہتا ہوں۔ پھر آخری عمر میں جب ضعف بڑھ گیا تو اساتذہ کے درمیان مشورہ کے

وقت فرمایا میں امراض وضعف کی وجہ سے نصاب کی تکمیل نہیں کرسکا آپ حضرات مجھے نصاب کے عدم تکمیل کی اجازت دیں اور لیکن تم اس کو اپنے لئے نمونہ نہ بناؤ، ایک مرتبہ اساتذہ کے درمیان یہ بھی فرمایا کہ یہاں مدرسہ میں کوئی حاکم ومحکوم اور بڑا چھوٹا نہیں ہے، ہر ایک مدرسہ کے اصلاح وترقی کا ذمہ دار ہے۔

دار الافتاء کا قیام

حضرتؒ نے بندے کے یہاں تقرری کے بعد دارالافتاء کا نظام قائم فرمایا، ابتداء میں ہر فتوی پر نظر ثانی فرماتے حضرتؒ کو مسائل فقہیہ پر مکمل بصیرت حاصل تھی، فتاوی کا مکمل ریکارڈ محفوظ کرنے کی تاکید فرماتے۔

بحمد اللہ اس اہتمام کی وجہ سے اس کی طرف لوگوں کا عام رجوع ہے۔ نہ صرف شہر مدراس بلکہ پورے صوبہ میں یہاں کے فتاوی کو بڑی اہمیت حاصل ہے بفضلہ تعالی حضرتؒ کی نگرانی سے فتاوی کا مجموعہ بزبان تمل دو جلدیں شائع ہو کر مقبولیت حاصل کرچکی ہیں نیز مدرسہ کی زیر نگرانی بزبان تمل ماہنامہ ''منار الہدی'' میں شائع ہونے والے سوالات وجوابات کو مرتب کرکے اس کی دو جلدیں منظر عام پر آچکی ہیں اور اب تک اس کی کئی اڈیشن بھی نکل چکی ہیں۔

محکمہ شرعیہ

حضرت امیر شریعتؒ کی زیر نگرانی اور حضرت مولانا محمد اقبال صاحب سنگریؒ کے مشورہ سے کل ہند امارت شرعیہ، نئی دہلی کے تحت ۱۷ محرم ۱۴۲۶ھ مطابق ۲۷ر

فروری ۲۰۰۵ء محکمہ شرعیہ (دار القضاء) کا نظام عمل میں آیا۔ یہاں پر ہر اتوار کے دن اس کی کاروائی ہوتی ہے۔ بحمد للہ شہر کے عوام کو اس سے کافی فائدہ اٹھاتے ہیں اور لوگوں کے مسائل بآسانی بغیر کسی رقم خرچ کئے ہوئے حل ہوجاتے ہیں۔

مدرسہ کے سالانہ شوری کے اجلاس میں باضابطہ دار الافتاء اور محکمہ شرعیہ کی رپوٹ پیش کی جاتی ہے، محکمہ شرعیہ کی جو کچھ کاروائی ہوتی ہے اسی دن عشاء کے بعد حضرتؒ کے سامنے اس کا خلاصہ پیش کیا جاتا بعد میں حضرتؒ نے یہ کہہ کر کہ لوگوں کے اختلافات کو سن کر ذہن میں بوجھ پڑتا ہے اور رات میں دیر تک نیند نہیں آتی اسکو سننے سے معذرت کر دیا۔

مدرسہ کا مالیاتی نظام

مدرسے میں ایک مدرس کی نگرانی کے ساتھ ایک منشی ہوتے ہیں جو مدرسے کے آمد وصرف کے پائی پائی کا حساب رکھتے، حضرتؒ کی صحت کے زمانے تک ہفتے میں ایک مرتبہ مدرسے کے حساب وکتاب کو منشی صاحب حضرتؒ کی خدمت میں پیش کرتے حضرتؒ وقت نکال کر مکمل اس کی جانچ فرماتے، بحمد للہ حضرت کے زمانے میں مدرسہ میں مالیات کی فراہمی تھی، حضرت کے متعلقین مدرسے کی ضروریات کو خود محسوس کر کے ان کا رقم مدرسہ میں خرچ کرنے کو سعادت سمجھتے۔ جزاھم اللہ خیرا، کیونکہ انھیں اطمینان تھا کہ یہاں تعاون کرنے سے ہمارا مال صحیح مصرف میں خرچ ہوگا۔

حضرتؒ کا معمول تھا کہ دو ہفتے میں ایک مرتبہ میل وشارم تشریف لے جاتے،

جمعرات کے دن دوپہر یہاں سے روانہ ہوتے اور ہفتہ کی صبح مدرسہ پہنچ جاتے، جب وشارم سے مدرسہ آتے تو صبح دس بجے وقفۂ استراحت کے وقت اساتذہ ملاقات کے لیے حضرتؒ کے کمرے میں جمع ہوجاتے، مدرسہ اور شہر مدراس وغیرہ کے حالات کے بارے میں تبادلہ خیال ہوتا قابل مشورہ امور پر اسی وقت مشورہ بھی ہوجاتا، مدرسہ اور طلبہ کی ترقی کے بارے میں بھی بات آجاتی ہے۔

مدرسہ میں عربی کی تمرین

حضرتؒ نے مدرسے میں طلبہ کے درمیان عربی میں بات چیت کا ماحول بنانے اور عربی لکھنے بولنے کی استعداد پیدا کرنے پر بھی توجہ دلائی، ابتدائی درجات میں عربی زبان میں لکھنے، پڑھنے، اور بولنے کی تمرین کے لئے ایک گھنٹہ مقرر کیا۔ جماعت کی تشکیل کے لئے طلباء کو عربی میں تقریر کرنا لازمی ہوتا، نیز جماعت ہفتم کے طلباء پر تینوں امتحانات کا مکمل عربی زبان میں لکھنا لازم ہے۔ اس کے علاوہ دیگر جماعتوں میں بھی بعض کتابوں کا امتحان عربی میں لکھنا لازمی قرار دیا گیا۔ طلبہ کی انجمنوں میں اردو، تمل کے علاوہ عربی میں انجمن ''اللجنة العربية'' اور عربی دیواری پرچوں کا بھی معمول چلا آرہا ہے۔

طلبہ کی تربیت کا انتظام

حضرتؒ اساتذہ کو یہ ہدایت دیتے تھے کہ طلباء پر شفقت کے ساتھ رعب قائم رکھیں طلبہ کے ساتھ بالکل دوستانہ مذاق کا معاملہ بھی نہ ہوجس کی وجہ سے طلبہ نڈر ہو

جائیں، یا بالکل رعب اور سختی کا معاملہ بھی نہ ہو کہ طلبا اساتذہ سے شیر کی طرح ڈرنے لگیں اور قریب نہ آسکیں افادہ واستفادہ کا دروازہ ہی بند ہوجائے، بلکہ تعلیمی اوقات میں طلباء کے ساتھ ضابطے کا معاملہ ہو دیگر اوقات میں رابطے کا معاملہ ہو۔

طلباء کے حالات پر مکمل نظر رہے، ان کی غلطی پر لکڑی سے مارنے سے منع فرماتے تھے۔ تعلیم اور تربیت دونوں ضروری ہیں، مدرسہ میں طلباء کو موبائل فون رکھنے پر سخت پابندی ہے یہاں اس کی خلاف ورزی پر اخراج کی نوبت بھی پیش آجاتی ہے۔ طلبہ کے لئے جماعت کے وقت سے پانچ منٹ پہلے مسجد میں حاضر ہونا ضروری ہے۔ بسا اوقات حضرتؒ خود مسجد کے صحن میں کھڑے ہوکر اس کی نگرانی کرتے تھے، حضرتؒ کی صحت کے زمانے میں عشاء کی نماز کے بعد ہر دن بڑی جماعت کے طلبا کے لئے حضرتؒ کے کمرے میں اصلاحی مجلس بھی ہوتی تھی۔

مدرسہ میں صفائی ستھرائی بلکہ چمن بندی کی طرف اکثر توجہ دلاتے، بعض اساتذہ کو اس کی ذمہ داری بھی دیتے تھے اور اس کی خود بھی نگرانی کرتے تھے۔

لجنۃ الھدی

حضرتؒ کا ارادہ تھا کہ ہم خیال علما کو جمع کر کے تمام علاقے میں اصلاح معاشرہ کا نظام قائم کریں، بدعات اور رسومات کو ختم کریں اور سنت اور اکابر کے مسلک کو قائم کریں، اس کے لیے ہم خیال علماء کی ایک تنظیم ''لجنۃ الہدی'' کے نام سے قائم کی گئی۔ حضرتؒ اس کے صدر رہے اور مولانا محمد اقبال صاحبؒ سنگری اس کے ناظم رہے۔

بحمد للہ اس سے علاقے میں کافی اصلاح کا کام ہوا۔ اس کے ذریعہ سہ روزہ ائمہ کرام کی تربیتی کیمپ جگہ جگہ قائم کیے گئے، خصوصاً دیہات کے ائمہ کرام کو تین دن صبح سے شام تک کسی مرکزی جگہ کو متعین کر کے ان کی ضروریات سے متعلق مختلف عناوین مثلاً تجوید، امامت کے ذمہ داریاں، امامت سے متعلق مسائل، جمعہ، نکاح، نماز جنازہ، رد فرقہ باطلہ، اور اصلاحی معاشرہ، وغیرہ کے سلسلے میں متعدد علماء کرام کے ذریعے تربیتی پروگرام رکھا جاتا، آخر دن اس میں شرکت کی سند دی جاتی حضرتؒ خود بنفس نفیس اس میں شرکت فرماتے اس کا بحمد للہ اچھا فائدہ محسوس ہوا، علاقے کے حالات کی اصلاح ہوتی رہی، اس کے علاوہ اردو میں ''صدائے حق'' اور ٹمل میں ''منارالہدی'' نامی دینی، ادبی اور اصلاحی ماہنامہ اس کی نگرانی میں شائع ہوتا تھا۔ بعد میں صدر و ناظم صاحبان کے علالت کی بنا پر یہ نظام موقوف ہوگیا۔

حضرت صدر المدرسین کے ساتھ اسفار

مدرسہ میں تقرری کے بعد ہفتہ دو ہفتہ میں ایک مرتبہ مدرسہ سے گھر میل وشارم آنا جانا ہوتا تو اکثر سنیچر کے دن صبح حضرتؒ کے ساتھ میل وشارم سے مدرسہ آنے کا معمول تھا، عادت یہ تھی کہ فجر کی نماز اول وقت عثمان پیٹ مسجد میں الگ جماعت کے ساتھ ادا کر کے ٹاؤن بس سے آرکاٹ آتے، کبھی فجر کی نماز کا وقت شروع ہونے میں تاخیر ہوتو آرکارٹ میں بس stand مسجد میں آکر فجر کی نماز ادا کرتے پھر وہاں سے مدراس کے لئے بس پر سوار ہوتے، تقریبا 29 سال پہلے کا واقعہ ہے کہ بس کے کرائے

کے لیے دس روپے میرے حوالہ کرتے ، درمیان میں بس تھوڑی دیر کے لئے رکتی تو چائے نوش فرماتے ،حضرتؒ چائے کے بہت شوقین تھے، مدرسہ واپس آنے کے بعد ایک آدھ روپیہ بچ جاتا تو حضرت کو پاس واپس پہنچا دیتا۔

ایک مرتبہ اتفاق سے کچھ کاموں میں مشغول رہا سفر سے واپسی کے بعد بقیہ رقم نہیں پہنچا سکا تو حضرتؒ نے دوسرے دن بلا کر تنبیہ فرمائی کے سفر کے چوبیس گھنٹے پورا ہونے سے پہلے حساب صاف کر لینا چاہیے، اگر میرے ذمہ کچھ رقم دینی ہو تو بتا کر لے لیں معاملات میں صفائی لازمی ہے۔

ایک مرتبہ آرکارٹ سے مدراس کیلئے بس پر سوار ہوئے تو ٹکٹ والے سے ''پوندملی'' سے آگے ''نومبل'' مدرسہ کے پاس اسٹاپ پر رکانے کے لیے کہا، مگر اس نے نہ مانا پوندملی کا ٹکٹ دیا، شاید وہ چہرے سے یہ سمجھ کر کہ بھلے آدمی معلوم ہوتے ہیں ''پوندملی'' بس اسٹانڈ میں اترنے سے منع کر دیا مدرسے کے قریب ہی اتار دیا ''پوندملی'' سے مدرسہ تک ٹکٹ باوجود اصرار کے نہیں لیا حضرتؒ اُس پر شدید ناراض ہوئے اور کہا کہ سرکاری بس (BUS) میں ٹکٹ معاف کرنے کا اس کو کیا حق ہے؟ مدرسہ جانے کے بعد حضرت نے فرمایا پوندملی سے مدرسہ تک ٹکٹ کا جو کرایا بنتا ہو اتنی مقدار کی ٹکٹ لے کر پھاڑ دینا، پھر آپ نے یہ بھی فرمایا پوندملی سے ٹکٹ مت لینا چونکہ یہاں کی بس پوندملی

بس ڈپو کی ہے اور ہم جو آئے وہ آرکاٹ ڈپو کی تھی لہذا تمہیں اگر وشارم جانا ہو تو اتنی مقدار ٹکٹ لے کر پھاڑ دینا اور اس کی اطلاع پھر مجھے دے دینا۔ اللہ اکبر

یہ تھا ہمارے اکابر کا تقوی

اولئک آبائی فجئنی بمثلھم اذا جمعتنا یا جریر المجامع

جو ہم نے حضرت تھانویؒ وغیرہ کے واقعات میں سنا، اس کو ہم نے آنکھوں کے سامنے واقعات دیکھا کبھی ایسا بھی ہوتا کہ سفر کے درمیان بس میں بیٹھے بیٹھے نیند کا غلبہ ہوتا تو بلا اختیار سو جاتا اور حضرت کے کاندھے پر سر رکھ کر سہارا لے لیتا لیکن حضرتؒ اس گستاخی پر خاموش رہ جاتے، جگاتے نہیں پھر جب ہوشیار ہوتا تو سنبھل کر بیٹھ جاتا۔

ایک مرتبہ شوریٰ کے ختم پر دیوبند سے دہلی ٹرین سے واپسی ہوئی، حضرتؒ کے ساتھ رفیق سفر مفتی ریاض احمد صاحب تھے، بندہ بھی مدرسہ میں تعطیل ہونے کی وجہ سے سفر میں ساتھ ہو گیا، درمیان میں غالبا میرٹھ پر گاڑی رکی، تو میں نیچے اتر کر پہلے دو چائے لا کر حضرت اور مفتی ریاض صاحب کو پیش کیا، دوبارہ اپنے لئے چائے لانے کے لیے نکلا، تو ٹرین نکلنے لگی میں واپس آ کر بیٹھ گیا، تو حضرتؒ نے پوچھا تم نے چائے نہیں لی؟ تو میں نے عرض کیا کہ حضرت مجھے تقاضا نہیں ہے تو حضرت نے برجستہ فرمایا ''انگور کھٹے ہیں'' تو مفتی ریاض صاحب زور سے کھل کھلا کر ہنس پڑے، حضرت نے اس پر اس سے متعلق واقعہ سنایا۔

بعضوں کا گمان ہے کہ حضرت کے یہاں ہمیشہ رعب ہی کا غلبہ رہتا ہے یہ غلط ہے، بعض اوقات علمی لطائف، ہنسی مذاق بھی احباب سے فرمایا کرتے تھے۔

خلاصۂ مضمون

یہ حضرتؒ کے مدرسہ کے سلسلہ میں کچھ اصول وضوابط تھے، خدا کرے

حضرتؒ کے مقرر کردہ ان اصولوں کے تحت یہ مدرسہ تا قیام قیامت جاری رہے۔گردشِ زمانے کے تغیرات اور عصری و مادی راحت وتنعم کا شکار ہوئے بغیر حضرت کے منشاء کے مطابق سادگی، اصول وضوابط کی پابندی اور اکابر دیوبند کے نقش قدم پر ہمیشہ یہ مدرسہ رواں دواں رہے اور حضرتؒ کو اس کا ثواب جاریہ مسلسل پہنچتا رہے، حضرتؒ کے قبر کو اللہ رحمتوں اور نور سے منور فرمائے۔آمین

ملنے کے نہیں نایاب ہیں ہم

حضرت مولانا عبدالکریم صاحب قاسمی زید مجدہ

استاذ مدرسہ کاشف الہدیٰ چنئی

اللہ رب العزت نے انسان کو زندگی کی نعمت سے نوازا جو شخص اس نعمت کی قدردانی کرے گا اور اپنی حیات مستعار کا ایک ایک لمحہ ضائع کئے بغیر اس کا صحیح استعمال کرے گا یقیناوہ ولایت کے مرتبہ کو پہنچے بغیر مر نہیں سکتا۔

اسی حیات مستعار کی قدردانی اور اس کا صحیح استعمال کر کے جن سعادت مند لوگوں نے بتائید وتوفیق ایزدی مقام ولایت کو پایا ہے، ان ہی میں میرے محسن ومربی مشفق ومہربان استادی ومرشدی حضرت اقدس مولانا حافظ الحاج K۔محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ذات والاصفات بھی ہے۔

اس عاجز کو اللہ تعالیٰ نے تقریباً چالیس سال کا طویل عرصہ آپ کی مصاحبت و رفاقت میں گزارنے، آپ کو قریب سے دیکھنے، پڑھنے اور سمجھنے کا موقع عنایت فرمایا تھا ،کہولت اور بڑھاپا، صحت اور کمزوری، غمی اور خوشی، مالی بحران اور فراوانی، خلوت اور جلوت، دن اور رات، فرصت اور مصروفیت، سفر اور حضر الغرض آپ کے ہر احوال و ادوار کو اس عاجز نے دیکھا، اور بہت قریب سے دیکھا، سمجھا اور اچھی طرح سمجھا اور جو

کچھ سمجھا اس کی روشنی میں کہتا ہوں کہ بلا مبالغہ آپ کی زندگی ہم سب کے لیے مشعلِ راہ ہے آپ نے کبھی اعتدال و استقامت پیروی سنت اور پابندیِ شریعت کو اپنے ہاتھ سے جانے نہ دیا۔

دینی خدمات کے تمام شعبوں سے تعلق رکھنے والوں کے لیے بالعموم اور مدارس اسلامیہ میں خدمت کرنے والوں کے لیے بالخصوص آپ رحمہ اللہ کی زندگی آئیڈیل اور نمونہ ہے خدام دین کو ان کا فرض منصبی بتلا کر ذمہ داری کا احساس دلایا اور تادمِ زیست آپ کی یہی تڑپ رہی کہ کس طرح جانباز، جانثار اور بے لوث خدام تیار کیے جائیں، دینی، ملی، سماجی اور رفاہی خدمات میں رہنے والے علماء، زعماء، سرمایہ دار، تاجر اور ملازم پیشہ حضرات سبھی کے لیے آپ نے جامع نصیحتیں فرمائی اور رہنمائی و رہبری کی۔

دینی خدمت کرنے والوں سے آپ فرماتے تھے کہ ہمارا معاملہ فیما بینہ وبین اللہ ہے، ہمارے نگران یا ذمہ دار ہمیں دیکھیں یا نہ دیکھیں، ہمیں اپنی مسؤلیت پوری ذمہ داری کے ساتھ بحسن وخوبی انجام دینا ہے، تمام کاموں میں اخلاص وللّٰہیت اور رضائے الٰہی کا حصول پیش نظر رہنا چاہیے کیونکہ استقامت اور پابندی سے کام کی تکمیل ہوگی اور اخلاص وللّٰہیت سے قبولیت نصیب ہوگی، جو کام اوقات سے تعلق رکھتے ہیں ان میں اس کا لحاظ اور اہتمام بہت ضروری ہے اور فرمایا کہ شیخ الادب مولانا اعزاز علی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق کے مطابق مدارس میں کام کرنے والے وقت اور عمل دونوں کے پابند ہیں، وقت کے پابند ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وقت کی پابندی کرتے ہوئے مکمل

وقت اس کام میں صرف کرے اور عمل کے پابند ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جو کام سپرد ہوا ہے اسے کامل طریقے پر پوری احساس ذمہ داری کے ساتھ بحسن وخوبی انجام دے، وقت کا ضائع کرنا انتظامیہ کے ساتھ خیانت ہے اور کام میں کوتاہی کرنا یہ حق تلفی ہے، اس کے ذریعے ملنے والی آمدنی کسی طرح مکمل حلال نہیں ہوسکتی اور اس آمدنی سے پلنے بڑھنے والی ہماری اولاد کبھی متقی وپرہیزگار نہیں ہوسکتی، تفویض شدہ فرائض کو انجام دئے بغیر نفلی اور استحبابی کاموں میں مشغول ہونے کو آپ بالکل پسند نہیں فرماتے تھے، چاہے وہ عبادات کے قبیل سے ہوں یہی وجہ ہے کہ آپ کے ہاں ایام درس میں عمرہ میں جانے کی اجازت نہیں تھی، اور ان جیسی بابرکت اسفار کو ذاتی مال سے ادا کرنے کی تاکید فرماتے تھے، ایک مخلص شخص نے آپ سے درخواست کی کہ میں مدرسہ ہذا کے فلاں مدرس کو حج میں لے جانا چاہتا ہوں تو آپ نے فرمایا مولوی صاحب! یہاں اس دروازے کو مت کھولو، جب آپ کو مختلف مواقع میں مختلف لوگوں نے حج میں لے جانے کی کوشش کی تو آپ نے ان سے معذرت کردی اور فرمایا کہ مجھ پر حج فرض نہیں ہے، بار بار یا ہر سال عمرہ کے سفر میں جانے والوں سے کہتے تھے کہ صرف یہی کار خیر نہیں ہے بلکہ اور بہت سے خیر کے کام کرنے باقی ہیں اپنے رشتہ داروں کے حقوق کی ادائیگی بھی آپ کے ذمے ہے، اپنے ذمہ دوسروں کا قرضہ ہوتے ہوئے اس طرف توجہ دیئے بغیر اللہ کے راستے میں جانے یا اللہ کے گھر جانے کو سختی سے منع فرماتے تھے اور کہتے تھے کہ حقوق پہلے ہیں پہلے حقوق العباد ادا کیجئے۔

آپ کا کہنا تھا کہ جو شخص غیر ضروری اخراجات سے خود کو بچاتے ہوئے تو حدود واعتدال کے دائرے میں رہے گا اسے نہ کبھی دست سوال دراز کرنے کی ضرورت پڑے گی نہ قرض لینے کی نوبت آئے گی، آپ اپنے متعلقین کو اس بات کی تاکید فرماتے تھے کہ گھریلو اخراجات میں بخالت سے کام نہ لیتے ہوئے کچھ نہ کچھ جمع کر کے رکھنے کی عادت ڈالیں اور خود بھی اس پر سختی کے ساتھ عمل پیرا تھے، اسی پر اپنا تجربہ سناتے تھے کہ میں الحمدللہ اپنی مختصر آمدنی سے گھریلو ضروریات بھی پوری کرلیتا تھا، والدہ کا حق بھی دیتا تھا اور کچھ رقم بھی جمع کرتا تھا، جو سہارنپور حضرت شیخؒ کی خدمت میں جانے اور دوسرے ضروری موقوں پر کام آتا تھا، ایک مرتبہ میں نے حضرت سے پانچ ہزار روپئے بطور قرض مانگا، تو آپ نے مجھ سے ہنستے ہوئے فرمایا کہ لوگ اپنی آمدنی بچت کر کے جائیداد خرید رہے ہیں اور تم ہو کے ابھی قرض لینے میں لگے ہو؟

آپ اپنے متعلقین، مریدین، تجار اور سرمایہ داروں کو بینک سے سودی قرضہ لے کر تجارت کرنے سے سختی سے منع فرماتے تھے اور کہتے تھے کہ کاروبار میں سودی قرضہ لگانا بے برکتی کا باعث ہے، نتیجتاً آپ کے اکثر متعلقین تاجروں نے بینک لون لینا چھوڑ دیا، آپ کی عادت شریفہ تھی کہ جن تقریبات میں خلاف شرع امور پائے جاتے تھے، ان میں شرکت نہیں فرماتے تھے مسجد کے علاوہ جگہوں میں ہونے والی شادیوں اور تقریبات میں شرکت کرنا آپ کو بالکل پسند نہ تھا چاہے کتنے ہی قریبی لوگوں کے نکاح ہوں، اور دوسروں کو بھی اس طرح کی تقریبات میں شرکت سے منع فرماتے

تھے، ان چیزوں میں کسی قیمت پر کوئی سمجھوتا نہیں کرتے تھے، آپ کو ہمیشہ یہی فکر سوار رہتی تھی کہ کس طرح قوم وملت کے لئے رجال کار تیار ہوں؟ اور فرماتے تھے کہ آج ضرورت ہے باصلاحیت، تقوی شعار، پرہیزگار، جانباز، جانثار اور بے لوث خدام دین کی۔ اسی سوز دروں سے بے قرار ہوکر علامہ اقبال کا یہ شعر گنگناتے تھے۔

نہ اٹھا پھر کوئی رومی عجم کے لالہ زاروں میں
وہی آب و گل ایراں وہی تبریز ہے ساقی

پھر اس کے بعد والے شعر سے آپ کی بے قرار طبیعت کو کچھ سکون ملتا تھا اور امید کی کرن ظاہر ہوتی تھی اور کہتے تھے۔

نہیں ہے نا امید اقبال اپنی کشت ویراں سے
ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی

کبھی اس طرح کی گفتگو کرتے کرتے آخر میں معذرتاً مرزا غالب کا یہ شعر بھی پڑھتے تھے۔

بک رہا ہوں جنوں میں کیا کیا کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی

آپ فرماتے تھے کہ اللہ تعالی نے اس دین کی حفاظت نہ کسی حکومت سے لی ہے نہ کسی حکمران سے بلکہ ماضی میں جو کچھ کام دینِ متین کی حفاظت واشاعت کا ہوا وہ انہیں پھٹی پرانی حصیروں میں اخلاص اور رضائے الٰہی کی طلب کے ساتھ کام کرنے والوں سے ہوا لہذا شاہانہ ٹھاٹھ باٹ اور تعمیراتی آن بان کے ساتھ نہیں بلکہ صلاحیت،

تقوی وطہارت اور پرہیز گاری کے ذریعہ سے ہی، ہم جاں نثار علماء تیار کر سکتے ہیں۔

آپ اساتذہ کرام کو نمونہ کی زندگی گزارنے کی تاکید فرماتے تھے اخلاص ،اخلاق اور وقت کی قدر دانی جیسی چیزوں کی تاکید فرماتے تھے اور فرض عبادات کے ساتھ نوافل کی کثرت اشراق، چاشت، اوابین اور تہجد وغیرہ کا اہتمام کرنے کی تاکید فرماتے تھے اور فرماتے تھے کہ اللہ نے نوافل میں ایک قسم کی جاذبیت رکھی ہے۔

ایک مرتبہ فرمایا کہ بخاری شریف کے درس میں بلا اختیار ایک طالب علم پر بار بار میری نظر پڑتی رہی درس سے فراغت کے بعد میں نے اسے اپنے پاس بلایا اور معاملے کی تحقیق کی تو وہ طالب علم تہجد کا پابند نکلا اور اس سال وہی طالب علم امیر بھی رہے مگر اس سال طلباء میں ان کی برکت سے اتنا کنٹرول رہا کہ دوسرے سالوں کے مقابلے میں بہت کم شکایتیں سامنے آئیں اور طلبہ کا اخراج بھی نہ کے درجے میں ہوا، دعا ہے کہ اللہ تعالی حضرت کی روح کو تسکین بخشے اور ہمیں بھی آپ کی طرح دین وایمان کی خاطر تڑپنے پھڑکنے اور کڑھنے والا دل عطا فرمائے آمین۔

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

ڈاکٹر ظہیر احمد باقوی راہیؔ فدائی، کڈپہ

اللہ رب العزت نے سورۂ ''والعصر'' میں زمان اور وقت کی قسم کھا کر تمام انسانیت کے زندہ و تابندہ دلوں کو وقت کی اہمیت وافادیت کا احساس دلایا ہے۔کوئی بھی شخص چاہے وہ عالم ہو یا جاہل، حاکم ہو یا محکوم، عادل ہو یا ظالم، متقی ہو یا مذنب وقت کے تقاضوں کو بالائے طاق رکھ کر کامیابی وکامرانی کے چراغ روشن کرنے کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔ یہ اصول افراد کے لئے بھی اتنا ہی صحیح ہے جتنا کہ اقوام کے لئے صحیح ہے۔ اسی لئے امام شافعیؒ نے فرمایا ''اگر اللہ تعالیٰ سورۂ ''والعصر'' فقط نازل فرماتے تو بھی انسانیت کو راہِ ہدایت کی ضیاباری وضوفشانی حاصل ہوجاتی۔''

زمانے کے تقاضوں میں سے اہم ترین تقاضا اصول شرعی کی پابندی اور وقت کی پاسداری ہے۔ جو بھی انسان جس قدر اخلاص کے ساتھ اس قاعدۂ کلیہ پر عامل ہوگا اس کو اپنی زندگی میں حرز جان بنائے رکھے گا، فتح مندی وسرخ روئی اس کے قدم چومنے کے لئے بے تاب ہوجائے گی، اس واضح حقیقت کے باوجود دنیا کے ہر طبقۂ انسانیت میں اصول پسند افراد کی کمی اور ان کی قلت تعداد افسوس ناک بھی ہے اور حیرت انگیز بھی۔ عوام کی بات رہنے دیجئے، اس دور ابتلا میں خواص بالخصوص طبقہ علما میں بھی اصول پسندی کا رجحان عنقاء ہے۔ تاہم فرمانِ الٰہی

''لاتقنطوا من رحمۃ اللہ'' کے بمصداق ہمیں قطعاً نا امید ہونے کی ضرورت نہیں، یہ اس لئے کہ ہمارے درمیان حضرت علامہ شیخ الحدیث محمد یعقوب صاحب علیہ الرحمۃ جیسی اصول پسند عظیم شخصیتیں دو چار سہی موجود رہی ہیں۔ ان شاء اللہ ان بزرگوں کی آغوشِ تربیت سے بہرہ ور اور ان کی باطنی توجہات و برکات سے مستفیض ومستنیر علمائے کرام کی موجودگی سے انکار ممکن نہیں۔

حضرت علامہ محمد یعقوب صاحب قبلہ سے راقم الحروف (راہی فدائی) کا تعلق ۱۹۷۱ء میں ہوا جبکہ آپ مدرسۂ باقیات صالحات، ویلور میں تدریسی خدمات انجام دینے کے لئے، تعلیمی سال کے آخری دو یا تین ماہ کے عرصہ میں تشریف لائے تھے۔ راقم کو آپ کی آمد آمد کی اطلاع ملی تو اس کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہ رہا۔ اس لئے کہ اس سال راقم اور اس کے دو ساتھ قاضی سید عنایت اللہ پروڈٹوری اور ضمیر اسلام فائق نلّوری (مرحوم) جماعت ششم کے طالب علم تھے، ہماری بعض کتابیں اردو داں اساتذہ کی کمی کی وجہ سے ٹمل زبان کے اساتذہ کے پاس ڈال دی گئی تھیں۔ ہمارے ٹمل اساتذہ بھی ماہر فن اور باکمال مدرس تھے، ان حضرات کی تفہیم طلبا کے دل میں اتر جاتی تھی مگر چونکہ ان اساتذہ کے درس میں ٹمل اور اردو دونوں زبانوں کے طلبہ ایک ساتھ پڑھتے تھے اس لئے درس کے لئے مقررہ وقت میں نصف نصف کر کے دونوں زبانوں میں تفہیم کرنی پڑتی تھی جس سے اسباق آہستہ روی کے شکار ہو گئے تھے۔ جب علامہ یعقوب صاحب قبلہ تشریف لائے تو ہماری دو کتابیں ''نور الانوار'' اور ''میبذی'' آپ کے پاس منتقل کر دی گئیں۔

حضرت والا کی مادری زبان اردو میں تفہیم کی لذّت اور فصیح زبان و بیان کی لطافت ہمارے قلب ونظر کو اپنے قابو میں لئے ہوئے تھی، ہم آپ کی تقریر سے بے حد محظوظ ہوتے تھے، بالخصوص راقم کہ اس کا تعلق شعر وسخن اور زبان وادب سے بھی تھا۔ حضرت وقت کے انتہائی پابند تھے اور اپنے اصول پر سختی سے گامزن تھے، جس کا مثبت اثر ہم خوشہ چیں شاگردوں کے مزاج میں بھی در آیا۔ حالانکہ آپ سے استفادہ کرنے اور آپ کے روبرو زانوئے ادب تہہ کرنے کا موقع ہمارے لئے بہت کم تھا۔ دوڈھائی مہینے کی قلیل مدت میں ہم آپ کے اوصاف حمیدہ کے گرویدہ ہو گئے۔ آپ کی کم گوئی ''خیر الکلام ماقلّ و دلّ'' کے مصداق تھی۔ رُخ نورانی کی سنجیدگی کے باوجود طبیعت میں ہلکی سی ظرافت کی لہر پائی جاتی تھی۔ احقر سے کبھی کبھی شعروادب کے بارے میں بھی گفتگو فرماتے، بسا اوقات اچھا شعر سن کر مسرت وشادمانی کا اظہار فرماتے۔

حضرت والا کے مزاج میں شرعی اصول کی بے کم وکاست پابندی پائی جاتی تھی، آپ کے لئے خلافِ شرع کوئی بھی کام ناقابل برداشت ہوتا تھا، مگر اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ آپ کی طبیعت میں توسّع کا عنصر نہیں تھا۔ آپ جہاں وسعت فکری کی ضرورت پڑتی باقاعدہ اس کی اجازت مرحمت فرماتے۔ بالخصوص فقہی مسائل میں راہِ اعتدال کو ترجیح دیتے تھے۔ حنفی و شافعی کے درمیان موجود علمی مباحث کو بڑی شائستگی سے تفہیم کا حصہ بناتے تھے تا کہ کسی بھی مذہب کو کم تر گرداننے کی نوبت نہ آئے۔ آپ اپنے اساتذۂ کرام سے بڑے ہی ادب

واحترام کے ساتھ پیش آتے اور اس بات کا خاص خیال رکھتے کہ ان کی کسی بات سے اساتذہ پر منفی اثر نہ پڑے۔

راقم کی یہ خوش قسمتی ہے کہ جب وہ ۱۹۷۴ء میں درجۂ مطول (مولوی فاضل) کی فراغت کے بعد مادر علمی مدرسۂ باقیات ہی میں تدریسی خدمات پر مامور ہوا جس کا تسلسل ۱۹۸۹ء۔۱۹۹۰ء تک جاری رہا، تو اس دوران حضرت قبلہ نے طبیعت کی ناسازگی کے سبب چھٹی لے لی، اس وقت درجۂ مطول ومختصر کے سالانہ امتحانات قریب تھے، آپ نے امتحان کے لئے اپنے ذمہ دی گئی مطول کی کتاب ''ابن ماجہ'' کے سوالات تیار کر کے ناظر مدرسہ اور آپ کے استاذ و مربی شیخ التفسیر علامہ سید شاہ عبد الجبار صاحب قادریؒ کے حوالے کرنے کے بعد چھٹی پر تشریف لے گئے۔ جب امتحان کا وقت آ گیا تیار شدہ سوالات دے کر طلبا سے جوابات وصول کئے گئے، جن کی تعداد تقریباً ۸۰ کے قریب تھی، اب ان پرچوں کو جانچنے کا مرحلہ تھا تا کہ وقت پر نتائج کا اعلان ہو، جتنے بڑے اساتذہ تھے سب کے پاس ان کے اپنے جوابات کے پرچے تھے۔ مزید بوجھ اٹھانے کے لئے کوئی تیار نہ تھا، ایسے میں حضرت ناظر صاحب قبلہ نے اچانک احقر کو حضرت یعقوب صاحب قبلہ کے جوابی پرچے جانچنے کی ذمہ داری دے دی۔ الحمدللہ راقم اس عظیم ذمہ داری سے بحسن و خوبی عہدہ برآ ہوا۔ حضرتِ والا نے ایسے عمدہ سوالات کئے تھے کہ طلبا نے اپنی اپنی استعداد کے مطابق بڑی تفصیل سے جوابات لکھے، راقم کو ان جوابات کے مطالعہ سے بڑا لطف آیا، یہ حضرت والا کی طلبا پر شفقت ومحبت کی دلیل ہے۔

حضرت والا کی مجھ طالب علم پر بھی نظر کرم تھی، راقم جب ۲۰۰۵ء میں پہلی بار عازم حج و زیارت ہوا تو حضرت والا سے ملاقات کرنے اور دعائیں لینے کے لئے وشارم آنا چاہا۔ لیکن عزیز القدر مولانا حافظ ظہیر احمد، استاذ مدرسہ مفتاح العلوم، میل وشارم، سے معلوم ہوا کہ حضرت قبلہ مدرسہ کاشف الہدیٰ، چنّائی، میں مقیم ہیں۔ راقم نے عزیز موصوف سے ''کاشف الہدیٰ'' کا فون نمبر لے کر فون پر رابطہ قائم کرنا چاہا تو مدرسہ کے کسی استاذ نے فون اٹھا کر فرمایا، یہ فون ''لینڈ لائن'' کا ہے، اس جگہ سے حضرت والا کا کمرہ فاصلہ پر ہے، شاید حضرت یہاں تک نہ آسکیں، راقم نے ان سے کہا آپ حضرت والا تک میرا پیغام پہنچادیں، بس دعا کی درخواست کرنی تھی۔ یہ سن کر انہوں نے میرا موبائل فون نمبر لے لیا اور فون بند کر دیا، اس کے تھوڑی دیر بعد انہیں صاحب کا فون آیا کہ حضرت قبلہ تشریف لا رہے ہیں، آپ فون آن کر کے رکھیں۔ احقر کی خوشی کی انتہا نہ رہی، حضرت والا زحمت گوارہ فرما کر اپنے کمرے سے تشریف لائے اور خیر وعافیت دریافت کرنے کے بعد حج کی مبارکبادی دیتے ہوئے دعاؤں سے سرفراز فرمایا۔ یہ آپ کے حسن اخلاق اور فرد نوازی کا بیّن ثبوت ہے اور پھر فراغتِ حج کے بہت بعد عزیزم مولانا حافظ محمد سلیمان باقوی چتوری کے ہمراہ راقم کاشف الہدیٰ حاضر ہوا اور حضرت کے نیاز حاصل کئے تو حضرت نے بڑی شفقت ومحبت سے پیش آتے ہوئے طبیعت کا حال دریافت کیا۔ چونکہ راقم کو گھٹنے کی درد کی وجہ سے بیٹھنے کیلئے کرسی درکار تھی، راقم اس کا اظہار کرتے ہوئے تکلف کر رہا تھا، حضرت والا کو اس کیفیت کا احساس ہو گیا آپ نے اپنے خادم سے کہا کہ مولوی صاحب کیلئے فوری طور پر کرسی کا

انتظام کرو، کرسی رکھی گئی، یہ ادنیٰ طالب علم کرسی پر بیٹھا ہوا تھا جبکہ حضرت والا اپنے مسند پہ نیچے ہی تشریف فرما تھے، جب ہم نے واپسی کی اجازت چاہی تو چائے بسکٹ سے تواضع کی اور پھر رخصت فرمایا یہ آپ کی بزرگی اور چھوٹوں کی ذرّہ نوازی کی بہترین مثال ہے۔جس کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے۔جزاھم اللہ خیرالجزا

راقم ۱۹۸۹ء میں مدرسۂ باقیات سے مستعفی ہوکر نیا قائم شدہ مدرسہ جامعہ ثنائیہ، کڈپہ اپنے اساتذہ کرام حضرت علامہ شیخ التفسیر سید شاہ عبدالجبار صاحب قادری (قدس سرہٗ) اور حضرت علامہ محمد جعفر حسین صاحب فیضی صدیقی (رحمۃ اللہ علیہ) کے ساتھ شہر کڈپہ جو راقم کا وطن عزیز ہے۔منتقل ہوگیا۔کڈپہ روانہ ہونے سے پہلے حضرت محمد یعقوب صاحب قبلہ کا پیغام ایک عالم دین کے ذریعہ موصول ہوا کہ مولوی صاحب (ظہیر احمد باقوی راہی فدائی) سے کہیں کہ وہ مدرسہ چھوڑ کر نہ جائیں، لیکن راقم کے کچھ ذاتی تقاضے تھے، جن کی وجہ سے وطن مالوف لوٹنا ہی پڑا۔غرض راقم ''جامعہ ثنائیہ'' میں ایک دن درس میں مشغول تھا کہ اچانک مولانا ولی اللہ باقوی استاذ مدرسہ نے تیز چلتے ہوئے راقم کی درسگاہ میں داخل ہوکر کہا کہ حضرت یعقوب صاحب قبلہ چند علمائے کرام کے ساتھ مدرسہ تشریف لا رہے ہیں۔ راقم موصوف کی اس مسرت خیز اطلاع پر حضرتِ والا کے استقبال کے لئے حجرے سے باہر آیا اور گیٹ تک پہنچ کر حضرت کی دست بوسی کرتے ہوئے آپ کو اور دیگر رفقا کو اپنے کمرے لے آیا اور پھر اپنے خوشی ومسرت کے احساسات کو الفاظ میں سجانے کی کوشش کرنے لگا۔حضرت والا نے بڑی سادگی سے خیریت پرسی کی اور

اپنے استاذ ومربی جامعہ ثنائیہ کے ناظر حضرت علامہ سید شاہ عبدالجبار صاحب قبلہ کی خیریت پوچھتے ہوئے کہا کہ حضرت کہاں تشریف فرما ہیں؟ راقم نے عرض کیا حضرت ناظر صاحب قبلہ کی طبیعت ناساز ہے، اس لئے آج مدرسہ تشریف نہیں لائے، گھر پر ہی آرام فرمارہے ہیں۔ یہ سنتے ہی آپ بے قرار ہوگئے اور فرمایا میں حضرت ناظر صاحب قبلہ سے شرف ملاقات حاصل کرنے کے لئے حاضر ہوا ہوں۔ مولوی صاحب! آپ مجھے حضرت قبلہ کے دولت کدے پر کسی کے ذریعہ پہنچادیں۔ راقم نے عرض کیا کہ میں خود ساتھ چلتا ہوں، حضرت نے فرمایا نہیں، آپ حضرت کی نیابت میں مدرسہ کی ذمہ داری سنبھال رہے ہیں، لہٰذا آپ مدرسہ ہی میں رہیں۔اس کے بعد حضرت والا نے فرمایا، مولوی صاحب! آپ ہمارے ساتھیوں سے واقف ہیں؟ راقم نے عرض کیا بس ایک دو افراد سے واقفیت ہے، یہ سن کر آپ نے نام بہ نام ہر ایک کا تعارف کرایا۔ پھر چائے نوشی فرما کر حضرت ناظر صاحب کی قیام گاہ کی طرف مولانا ولی اللہ کی رہنمائی میں روانہ ہوگئے۔ احقر نے سنا کہ علمائے کرام جو ساتھ آئے تھے حضرت ناظر صاحب قبلہ سے مل کر اپنی کار میں بیٹھ گئے مگر استاد وشاگرد بہت دیر تک محوگفتگو رہے، بعد ازاں آپ حضرت ناظر صاحب قبلہ سے اجازت لے کر اپنی منزل کی طرف چل پڑے۔

حضرت والا سے آخری ملاقات تقریباً دو سال پیشتر شہر میل وشارم میں آپ کے مکان پر ہوئی، جبکہ آپ علالت کے بعد وطن میں آرام فرمارہے تھے۔ راقم کے ساتھ مولانا حافظ اے گلزار احمد باقوی، مولانا حافظ ملک گلزار احمد باقوی،

مولانا حافظ قاری امتیاز احمد صاحب رشادی، مولانا حافظ نیاز احمد صاحب رشادی اور مولانا حافظ محمد حسین صاحب باقوی بھی عیادت کے لئے حاضر ہوئے تھے۔ ہم حضرت سے ملاقات اور مزاج پرسی کے بعد اجازت لے کر واپس لوٹنا چاہ رہے تھے تو حضرت والا نے چائے نوشی کی پیش کش کی اور احقر سے مخاطب ہو کر مزاحاً فرمایا مولوی صاحب! آپ مجھ سے بھی زیادہ بوڑھے ہو گئے ہیں، ہاتھ میں عصا آ گیا ہے، یہ بزرگی کی علامت ہے۔ پھر فرمایا تندرستی کا خیال رکھئے، اللہ تعالیٰ آپ سے ان شاء اللہ مزید علم و ادب کا کام لے گا۔ اس کے بعد دعائیں دے کر رخصت ہونے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ پھر اچانک ۲۷؍ جمادی اولیٰ ۱۴۴۰ھ مطابق ۳؍ فروری ۲۰۱۹ء بروز یکشنبہ آپ کے واصل بحق ہونے کی خبر بجلی بن کر ذہن و دل پر گر پڑی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ حضرت والا کی قبر کو نور سے بھر دے اور آپ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آپ کے جملہ پس ماندہ گان اور تلامذہ کو صبر جمیل بخشے۔ آمین۔

علامۂ عصر حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب قاسمی وشارمیؒ

اک شمع رہ گئی تھی..........

حضرت مولانا نثار احمد فدائی باقوی
مدیر فیضانِ باقیات و مہتمم مدرسہ اشرف البنات بنگلور

اللہ باقی سب فانی **کُلُّ من علیہا فان ویبقیٰ وجہ ربک ذو الجلال والاکرام** یہ کائنات اپنی تمام تر نیرنگیوں، بوقلمونیوں جلوہ آرائیوں، خوش رنگیوں شبوہ ہائے ہزار جلوہ سامانیوں، حسن اور حسن کی کتنی ہی پیوند کاریوں کے باوجود آخر کار ایک دن جلد یا بدیر فنا کے گھاٹ اترنے والی ہے۔ آہستہ آہستہ فنا کی جانب محوخرام ہے۔ کوئی چاہے نہ چاہے، مانے نہ مانے کائنات کی ہر چیز ہر شئے زندہ و متحرک، جامد و سیال کائنات کے ساتھ سرگرمِ سفر ہے۔ **کل شیٍّ ھالک الّا وجہ** کا یہی مطلب ہے اور یہی حکمت ومنشائے قدرت ہے۔ ہر حادثۂ فاجعہ پر انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھنے کا............ کتنا واضح ہے۔ مادہ کا فنا ہونا، روح کا باقی رہنا اور وہ پاک ذات ہے جس کے قبضۂ قدرت میں ہر ایک جزء کا مکمل اختیار ہے، سب کو اسی کی طرف لوٹ جانا ہے۔ **فسبحن الّذی بیدہٖ ملکوت کل شی والیہ ترجعون**۔ جب ایسا ہے تو دنیا کی کونسی شئی باقی رہ سکتی ہے۔ اسی میں یہ اشرف المخلوقات بھی اپنے تمام تر شرف و امتیاز کے باوجود شامل ہے۔ بالآخر رب کی ہر چیز

کا جانا ولقائے رب منتہا ہے۔

اشرف المخلوقات کے لئے اللہ تعالیٰ نے اشرف الانبیاء والمرسلین امام الانبیاء، وخاتم النبیین کی معرفت اور ذریعہ اشرف الادیان دینِ اسلام قیامت تک کے لئے پسند فرمایا۔اس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ہمارے آقا جناب حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے آخری نبی و رسول بنا کر قیامت تک کے لئے مبعوث فرمایا کہ قیامت تک اب کوئی اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہادی و بشیر ونذیر آنے والا نہیں ہے۔اب خاتم النبیین کی یہی امت اور اس امت میں ایسے افراد ہمیشہ پیدا ہوتے رہیں گے جو کارِ نبوت کو آپ علیہ السلام کے وارث بن کر قرآن و حدیث کی روشنی میں قیامت تک کارنبوت برابر انجام دیتے رہیں گے۔اسی یقین کا اظہار آپ علیہ السلام نے اپنے ایک ارشادگرامی کے ذریعے واضح فرمایا، **علماء امتی کأنبیاء بنی اسرائیل** اور مزید ارشاد فرمایا **العلماء ورثة الأنبیاء**۔

دینِ اسلام اور علوم اسلامیہ کے صحیح وارثین علمائے ربانین کی ایسی ہی جماعت ہوگی جن کے ذریعہ شریعت حقہ کی حفاظت وصیانت کا عظیم تر کارنامہ ہر دور میں انجام پاتا رہے گا۔ان ہی عظیم اکابر علماء امت کی صفِ اوّل میں حضرت مولانا حافظ و قاری الحاج محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ قاسمی وشارمی سابق استاد حدیث وفقہ جامعہ باقیات الصالحات ویلور، شیخ الحدیث وصدر مدرس مدرسہ کاشف الھدیٰ چنئی (مدراس) امیر شریعت تملناڈو ورکن مجلسِ شوریٰ دارالعلوم دیوبند بھی شامل ہیں۔

3 فروری 2019 صبح آٹھ بجے حضرت والا کے سانحہ ارتحال کی صدمۂ جانکاہ خبر ملی۔اپنے صاحبزادہ مفتی فیضان سلمہ استاذ جامعہ مسیح العلوم بنگلور اور مولانا عزیر احمد ایک دیگر استاذ جامعہ کے ہمراہ سرگرم سفر ہوگئے۔عصر کے وقت ہم وشارم پہنچے، شریک جنازہ ہوئے۔ عوام وخواص، طلبہ وعلماء کی ایک بڑی تعداد شریکِ نمازِ جنازہ رہی۔علماء ہی کی تعداد تقریباً 3 ہزار سے زیادہ بتائی گئی ہے جو عندالناس وعنداللہ مقبولیت کی دلیل ہے۔اللہ تعالیٰ مرحوم کو غریقِ رحمت فرمائے!

حضرت مولانا رحمہ اللہ راسخ العقیدہ، ایک جید عالم دین اور دارالعلوم دیوبند کے سچے سپوت تھے، علمی وعملی اعتبار سے وہ اپنی ذات میں خود ایک انجمن تھے، جسے باہر کی دنیا سے کوئی خاص لگاؤ نہیں تھا۔زہد وتقویٰ اور شریعت مطہرہ کی کامل پابندی نے سنت نبویؐ کے ساتھ ایک گہرا رشتہ استوار کردیا تھا۔خاموش طبع، عالمانہ شان کی ایک جامع شخصیت کے مالک اور اسی حیثیت کے ساتھ انہوں نے ایک سادہ مگر بھرپور علم و عمل کا نمونہ بن کر سیدھی سادی زندگی گزاردی، نہ کسی کے مرہون منت ہوئے نہ کسی کا احسان سر پر رکھا، قابل رشک طبیعت کے مالک رہے اور اسطرح علم دین کی خدمت کے لئے زندگی بھر وقف رہے۔ ہمیشہ کتابوں کے مطالعہ میں غرق، شب بیدار، تہجد گزار، مستجاب الدعوات، اپنے دائرۂ عمل میں کام کرنے کے خوگر، صبر واستقامت کے پہاڑ، استغنائیت طبیعت میں ایسی گھل مل گئی تھی کہ دیکھنے والے کو پتہ ہی نہیں چلتا تھا کہ شخصیت کا استغنائیت سے کیا رشتہ ہے۔شخصیت کا اعلیٰ اقدار، مذاق استغنائیت پر

غالب آ گیا تھا یا استغنائیت کی چادر نے اعلیٰ شخصیت کو ڈھانپ لیا تھا کہ کوئی جوہر شناس بھی پہچان نہ سکے، اعلیٰ اخلاق وکردار، پاکباز، حقیقی پرہیزگار شخصیت کا ایسا جوہر تھے جس نے بڑے چھوٹوں، عوام وخواص، شاگردوں اور اساتذہ سب کو متاثر کیا، ان خوبیوں کے ساتھ نظام الاوقات کے سخت پابند حضرت والا کا بہت بڑا کارنامہ جماعت کی نماز میں تکبیر تحریمہ میں شرکت کا مستقل اہتمام تقریباً پوری زندگی کا خاصہ رہا۔ ڈھونڈنے سے ایسی مثالی شخصیت نہیں ملے گی۔ ع

اب انہیں ڈھونڈ چراغِ رخِ زیبا لے کر

حقیقت تو یہی ہے کہ میل وشارم (قدیم نام حراست پور) ضلع شمالی آرکاٹ ویلور سے علوم اسلامیہ کی حامل، درس وتدریس سے شغل رکھنے کے ساتھ ایسی استاذانہ مہارت وقابلیت کا جوہر رکھنے والی، بصیرت مند بالغ نظر شخصیت ایک طویل عرصہ کے بعد منصۂ شہود پر آئی اور عوام وخواص، اہل علم واہل ہنر اصحاب خیر کے درمیان بااثر دینی افکار عالیہ واخلاق فاضلہ کے جوہر دکھلا گئی جس کے اثرات خورد وکلاں طویل عرصہ تک محسوس کرتے رہیں گے۔!

میل وشارم ایک مردم خیز قصبہ ہے شمالی آرکاٹ کے ہم سایہ علاقوں، شہرو قصبوں میں میل وشارم مسلم آبادی کی کثرت، اہل اصحابِ خیر اور تعلیم یافتہ اور علمائے دین کی دینی وتہذیبی رہنمائی کے سبب ایک ممتاز مسلم آبادی کا قصبہ ہے، جو ہندوستان بھر اہل علم کے درمیان اپنی گوناگوں خوبیوں کے سبب مشہور ومعروف ہے، جہاں عصری

تعلیمی ادارے بھی مسلمانوں کی سرپرستی میں اپنی ایک امتیازی شان رکھتے ہیں اور مدارس اسلامیہ، مکاتب اور دینی تعلیم کے نسوان مدارس بھی دینی و اسلامی شعار عام کرنے میں مصروف عمل ہیں۔ یہاں سے کئی تاریخ ساز افراد اٹھے جو اپنے اپنے زمانہ میں قوم و ملک وملت کی بھلائی کے لئے کام کیا، جن میں علماء وصلحاء بھی ہیں، اہل خیر حضرات بھی، سماجی خدمت گار، تجار اور صنعت کار بھی ہیں۔

حضرت مولانا علامہ سید سعید معروف بہ سعید حضرت وشارمی (م۱۳۹۷ مطابق 1969)

اپنے وقت کے علامۂ عصر تھے، حضرت والا کا بانیٔ باقیات کے آخری شاگردوں میں شمار تھا، منطق، فلسفہ صرف ونحو اور عربی ادب کے ماہر، جامع العلوم اساتذہ باقیات میں حضرت والا نامور استاذ تھے، حضرت علامہ ابوبکر اتماپالیمی ناظر وقت جانشینِ حضرت شیخنا مفتیٔ اعظم متوفی 1969 شیخ آدم رحمت پالہ رحمہ اللہ بھی حضرت والا کے شاگردوں میں تھے، ہم نے خود دیکھا کہ ناظر وقت حضرت مولانا ابوبکر صاحب اتماپالیمی مدرسہ تشریف لاتے اور سعید حضرت سامنے کی درسگاہ میں مصروف درس ہوتے، دفتر نظارت اوپر کی منزل میں تھا۔ اس وقت تک سیڑھیاں ناظر مدرسہ نہیں چڑھتے، جب تک کہ سعید حضرت نگاہ اٹھا کر اجازت نہ دے دیں، استاد وشاگردوں کے درمیان حدادب کا یہ عالم تھا، خوش قسمتی سے ہم کو بھی (راقم الحروف کو) حضرت والا سعید حضرت سے شرف تلمذ حاصل ہے، جماعت سوم میں علم نحو کی معتبر ومستند کتاب شرح جامی 1968 میں حضرت سے پڑھنے کا موقع ملا، حضرت والا الفاظ وتراکیب، عربی عبارت کی تجزیہ کاری اور علّت سنجی میں خاص ذوق

رکھتے تھے،حضرت علامہ نے بقائے صحت تک درس وتدریس سے شغل رکھا جو بڑے کمال کی بات ہے۔اہلیانِ شہر وشارم کے لئے حضرت والا کی ذات وشخصیت ایک بڑے اعزاز سے کم نہیں،حضرت علامہ محمد یعقوب صاحب وشارمی کو بھی حضرت والا سے شرف تلمذ حاصل رہا ہے۔

حضرت علامہ محمد یعقوب صاحب مرحوم نے جامعہ باقیات میں سعید حضرتؒ کے علاوہ جن اساتذۂ گرامی سے استفادہ کیا ہے وہ سب کامل الفن ،درسیات کے منجھے ہوئے اساتذۂ وقت تھے اور خوش قسمتی سے وہ سب اردو زبان کے اساتذہ تھے۔ حضرت مولانا علامہ رئیس الاسلام باقوی ازہری،حضرت مولانا علامہ الحاج محمد جعفر حسین فیضی صدیقی (عرف چاند حضرت) اوّل الذکر نبیرۂ بانیٔ باقیات ،حدیث وفقہ، صرف ونحو کے ماہر بڑے اساتذہ کرام میں شمار ہوتے تھے،حضرت مولانا عبدالعزیز (متکلم حضرت) اور حضرت مولانا علامۂ عصر الحاج عبدالجبار صاحب باقوی شیخ التفسیر وناظر جامعہ باقیات جیسے علم وادب کے جید اساتذہ کرام جسے ابتداء ہی سے میسر آئے ہوں،اس کے کامل الفن ہونے اور علم وادب کے آفتاب بن کر چمکنے میں کیا شبہ ہوسکتا ہے؟اور پھر جماعت پنجم سے دورۂ حدیث شریف تک ازہر ہند دارالعلوم دیوبند میں چار سالہ تعلیم نے حضرت مولانا مرحوم کے حق میں سونے پر سہاگہ کا کام کیا۔

ماضی میں اسی مردم خیز قصبہ میل وشارم میں ایک عظیم ہستی نے جنم لیا،جس نے اپنے بلند عزائم اور داد ودہش کے ذریعہ مسلمانوں میں تعلیمی بیداری پیدا کردی،قوم نے

جسے مخیر اعظم کا خطاب دیا، جس کے جناب سی عبدالحکیم (متوفی 1935) مستحق تھے،جنہیں آج تک اسی مخیر اعظم کے خطاب سے یاد کیا جاتا ہے اور جن کے قائم کردہ عصری تعلیمی مؤقر ادارے سی عبدالحکیم ہائی اسکول،سی عبدالحکیم کالج اور جن کی عظیم ملی و قومی خدمات کے عین شاہد ہیں، اسی طرح موجودہ دور میں جناب الحاج محمد ہاشم صاحب زید مجدہ وشرفہ نے جو ملک التجار کے نام سے پورے ملک میں جانے جاتے ہیں اپنے کارناموں سے ایک نئی تاریخ بنائی ہے۔مدرسہ مفتاح العلوم میل وشارم جس کے حقیقی بانی وموجد آپ کے والد محترم الحاج ملک خضر حسین مرحوم ہیں،جنہوں نے اپنے گھر سے مدرسہ کا آغاز کیا تھا،ان کے بعد ان کے لائق بڑے فرزند ملک التجار الحاج ملک محمد ہاشم صاحب زید اقبالہ نے اپنے والد گرامی کے خوابوں کو عملی جامہ پہناتے ہوئے کم عرصہ میں مدرسہ سے جامعہ مفتاح العلوم کی شکل میں ڈھال دیا،ادارے کو اپنے صرف خاص سے مالی استحکام دے کر لوگوں کے چندوں،عطیوں سے محفوظ کردیا ہے۔عیسائی مشنری کے طرز پر اعلیٰ درجہ کے عصری تعلیم کے لئے ضروری اسلامی تعلیم کے ساتھ ہائی اسکول وکالج کا نظم کیا تاکہ شہر کے بڑے اور متوسط گھرانوں کے طلبہ و طالبات کے لئے اطمینان بخش تعلیم کا انتظام کیا جاسکے اور شہر کے مدارس ہائی وے پر لب سڑک اپولو ہاسپٹل قائم کرکے مریضوں کی صحت کے لئے آرام دہ ومعیاری شفاخانہ کا انتظام کیا ہے۔اس طرح سی عبدالحکیم مخیر اعظم مرحوم کے بعد الحاج ملک محمد ہاشم صاحب زید اقبالہ شہر میل وشارم کی دوسری شخصیت ہیں جنہوں نے دینی ودنیوی اور

افادۂ عام سماجی خدمات کے ذریعہ لوگوں کے نفع رسانی کے کام انجام دیئے۔ شہر میل وشارم کے دیگر حضرات بھی اپنے اپنے دائرۂ عمل میں اس طرح عام نفع رسانی کے کام انجام دے رہے ہیں جس کے لئے یہ شہر معروف ہے۔ یہاں صرف حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب قاسمی میل وشارمی کی خدمات کا احاطہ مقصود ہے، آپ کی نسبت سے آپ کے ہم وطنوں کا اجمالی تذکرہ آجانا کچھ بعید نہیں۔ جناب ملک محمد ہاشم صاحب کا یعقوب حضرت سے جو گہرا تعلق تھا، جامعہ مفتاح العلوم کو درجہ بدرجہ ترقی کی منازل سے روشناس کرانے میں حضرت والا کی شخصیت نے بہت اہم اور مؤثر کردار ادا کیا ہے۔ جامعہ مفتاح العلوم میں دارالعلوم دیوبند کے اساتذۂ کرام موقع بموقع آمد و تشریف آوری کا تسلسل انہیں کی کاوشوں کا مرہون منت ہے۔ الحاج محمد خضر حسین مرحوم باقیات کی مجلس شوریٰ میں 1970 کے دہائی میں جوائنٹ سکریٹری کی حیثیت سے نمائندگی رکھتے تھے اور اس وقت یہی وہ شخصیت تھے جنہوں نے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب قاسمی وشارمی کو 1970 میں اس وقت کے ناظر مدرسہ باقیات شیخ الحدیث شیخ حسن حضرت خلیفہ وشاگرد حضرت مولانا شیخ الاسلام حسین احمد مدنیؒ اپنی پراثر سفارش کے ذریعہ جامعہ باقیات میں بحیثیت مدرس داخلہ دلوایا تھا جب کہ ششماہی امتحانات بھی ہو چکے تھے۔

حضرت مولانا مرحوم کے سلسلہ نسب میں صرف ایک ہی واسطہ ملا ہے وہ آپ کے والد محترم مرحوم کا ہے جو اس طرح ہے محمد یعقوب بن محمد اسمٰعیل۔ وطن میل وشارم

ہے جس کی نسبت سے وشارمی کہلاتے ہیں۔ پیدائش ۲۷ رجب ۱۳۵۳ھ مطابق یکم جولائی 1935ء ہے۔ عصری تعلیم دس کلاس تک اسلامیہ بوائس اسکول میل وشارم میں ہوئی جہاں ان دنوں رئیس العلماء حضرت مولانا ابوالسعود احمد باقوی سابق مہتمم جامعہ باقیات الصالحات ویلور دینی واسلامی تعلیم کے ساتھ سربراہ کی حیثیت سے اپنی خدمات انجام دے رہے تھے، مولانا مرحوم کو حضرت والا سے استفادہ کا خوب موقع ملا، اسی اسلامیہ ہائی اسکول میں مولانا نیر ربانی جیسی نابغہ روزگار شخصیت اور مولانا ابراہیم صاحب بھی برسر روزگار تھے۔ ایسا لگتا ہے کہ ان حضرات کی علمی واخلاقی تربیت اوران کی پاک طینتی نے علوم دینیہ کے حصول کی طرف متوجہ کیا۔ ہائی اسکول کی تعلیم کے بعد اپنے اساتذہ کی دینی رہنمائی میں جامعہ باقیات میں 1950 میں داخلہ ہوا۔ باقیات میں تعلیم کے دوران محنتی، ذہین، کم گو اور زاہدانہ وصوفیانہ مزاج کے حامل طالب علم کے طور پر ان کی شناخت رہی۔ جماعت چہارم تک وہ باقیات میں رہے۔ اس کے بعد انہوں نے اپنی تعلیم 1956 تا 1959 کے درمیان دارالعلوم دیوبند میں دورۂ حدیث تک مکمل کی۔ باقیات میں جن اساتذۂ کرام سے انہوں نے تعلیم پائی وہ سب فنون آلیہ و عالیہ کے ماہر تھے، باذوق ومحنتی طالب علم مشق ومزاولت کے ذریعہ خوب چمک اٹھتا، سوال پر سوال کتنی ہی بار کیا جائے، اساتذہ بیزارگی کے احساس کے بغیر جواب دیتے اور خوش ہوتے، تعلیم کے دوران طلبہ کا ایک ادارہ سے کسی دوسرے ادارہ کو چلے جانا یہ کوئی اچنبھے کی بات نہیں، ایسا ہوتا رہتا ہے۔ چاہے کوئی بھی سبب کیوں نہ ہو، لیکن

باقیات کی تعلیم اور فنی خوبیوں کے اثرات وہ جہاں بھی جاتے مترشح ہوتے، دارالعلوم دیوبند کی درسگاہ میں کسی جنوب کے طالب علم نے حضرت مولانا یعقوب وشارمی کا ذکر کیا تو انہوں نے پوچھا کہ وہ مدراسی مولوی یعقوب کے تعلق سے پوچھ رہے ہو؟ تو سنو انہوں نے ملاحسن کا جوابی پرچہ اتنا شاندار لکھا کہ جی خوش ہوگیا۔ ملاحسن کے مصنف بھی اس شاندار جواب کو دیکھیں تو رشک کرنے لگیں۔ خداداد صلاحیت سے نوازے گئے تھے، تعلیم سے فراغت کے بعد علم وفن میں مزید نکھار پیدا کرنے کے لئے تدریس ہی کا پیشہ اختیار کرلیا۔ وطن واپسی کے بجائے جیسا کے ہر طالب علم کا شوق ہوتا ہے۔ غالباً کسی استاد کی رہنمائی سے مدرسہ امدادیہ خانقاہ تھانہ بھون میں اوّل وہلہ میں مدرس ہوگئے۔ تعلیم وتدریس کا دوسالہ ابتدائی تجربہ وہاں ہوا۔ کسی طرح اپنے استادگرامی کو اپنے ہونہار شاگرد سے متعلق اطلاع ملی۔ اپنے نئے نئے تازہ بہ تازہ آغاز پائے ہوئے دارالعلوم کے درجہ عالمیت کے شعبۂ تدریس میں بلالیا۔ وہ دارالعلوم سبیل الرشاد بنگلور ہے اور داعی ہیں رئیس العلماء حضرت مولانا ابوالسعود باقوی بانیٔ دارالعلوم سبیل الرشاد بنگلور، اس طرح وہ مدرسہ امدادیہ خانقاہ تھانہ بھون یوپی سے سیدھے شہر بنگلور، دارالعلوم سبیل الرشاد پہنچ گئے۔ اپنے وطن سے قریب اپنے وطن کے پاس۔ حسن اتفاق سے ان کے ایک اور مربی حضرت مولانا نیر ربّانی صاحب وشارمی ہائی اسکول سے استعفیٰ دے کر حسن خدمت کے لئے دارالعلوم سبیل الرشاد پہنچ چکے تھے۔ مولانا نیر ربّانی اپنے ایک طویل مضمون جسے انہوں نے سہ ماہی سلسبیل کے لئے قسط وار ’’بر سبیل تذکرہ‘‘ کے عنوان

سے لکھا تھا اس میں دارالعلوم سبیل الرشاد بنگلور میں اپنے تقرر کے تذکرے کے ساتھ ہی رقم طراز ہیں۔ ’’شوال ۱۳۸۱ھ سے دارالعلوم کا تیسرا سال شروع ہوا۔ (چند سطر کے بعد آگے لکھا) حضرت مہتمم کے علاوہ چھ مدرسین تدریسی وتربیتی خدمات پر مامور ہوئے۔ شیخ الملت حضرت امانی کے ایماء گرامی اور استاذی المحترم حضرت مہتمم صاحب کے حکم کی تعمیل میں راقم المعروف نے مدرسہ کی خدمت قبول کرلی، احقر کے تقرر کے بعد مولانا حافظ محمد اسمٰعیل صاحب بلنجپوری، مولانا محمد یعقوب صاحب وشارمی، مولانا محمد یوسف صاحب باقوی (ساکن پٹ) قاری محمد انعام الحق صاحب میرٹھی، جناب محمد طالب صاحب ہندوپوری کا تقرر عمل میں آیا‘‘ (صفحہ 105 حضرت مولٰنا نیر ربّانی صاحب وشارمی۔ حیات وخدمات، مرتب حضرت مولٰنا نثار احمد فدائی باقوی لیپاکشوی)

تقریباً چھ سال سبیل میں آپ مدرس رہے بعد ازاں دو سال مظاہر العلوم سیلم میں تعلیمی و تدریسی خدمات انجام دیں، پھر ام المدارس جامعہ باقیات الصالحات ویلور اپنی ابتدائی مادر علمی میں درسی خدمت کا موقع ملا۔ 1970 تا 1983، ۱۳ سال درسیات سے شغف رکھنے کے بعد باقیات کے در ودیوار کو الوداع کہتے ہوئے مدرسہ حسینیہ کایم کولم (کیرلا) کو اپنی تدریسی خدمات سے سرفراز کیا۔ تقریباً دو سال وہاں آپ کا قیام رہا۔ پھر مشیت الٰہی نے آپ کی دستگیری فرمائی اور اپنے ہی علاقہ کو آپ کے علوم اور ظاہری و باطنی کمالات وخوبیوں سے فیضیاب کرانا مقصود تھا۔ دست قدرت نے گویا آپ کو ہاتھ پکڑ کر مدرسہ کاشف الہدیٰ مدراس میں بٹھا دیا جس کے بانی مولانا عبدالمجید باقوی ہیں

جو جامعہ باقیات الصالحات میں ہمارے ساتھی وہم درس رہے ہیں۔حضرت مرحوم کے وہاں قیام کی برکت سے وہاں دن دونی رات چوگنی ترقی ہوتی گئی۔وہاں کا تعلیمی نظام ابتدائی درجات سے عالمیت تک جا پہنچا۔مدرسہ کی شہرت ومقبولیت کو چار چاند لگ گئے۔تملناڈو کے اہم دینی واسلامی مدارس میں اس کا شمار ہونے لگا۔زہد وتقویٰ کے آپ پیکر تھے۔جس کا عوام وخواص پر بہت گہرا اثر پڑا۔1986 تا 2019 آپ نے تقریباً پینتیس سال کا اپنی عمر کا آخری نصف حصہ مدرسہ کاشف العلوم مدراس میں بحیثیت صدر مدرس وشیخ الحدیث اسلاف کا نمونہ بن کر اخلاف کے لئے ایک قابل تقلید نمونہ چھوڑ گئے۔ع

اک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خاموش ہے

آہ! ایسی بابرکت ذات کو کہاں سے لائیں؟

حضرت مولانا عبدالسبحان صاحب باقوی دامت برکاتہم

استاذ مدرسۃ مفتاح العلوم، میل وشارم

بندہ انگریزی تعلیم کدری ضلع اننت پور میں حاصل کررہا تھا، تو حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ جو وانمباڑی کے تھے (حضرت مسیح اللہ خان صاحب سے آپ کا تعلق تھا) مدرسۃ فرقانیہ، کدری میں اہتمام کی خدمت انجام دے رہے تھے، بندہ کا حضرت والا سے تعلق ہوا تو حضرتؒ کے پاس ہی ناظرہ، قرآن مجید اور تعلیم الاسلام پڑھا، جب انگریزی تعلیم +1 سے فارغ ہوا تو دینی تعلیم حاصل کرنے کا ارادہ ہوا حضرتؒ کے مشورہ سے مدرسہ منبع الحسنات میل وشارم میں جماعت فارسی میں داخلہ لیا۔حضرتؒ نے فرمایا: یہاں وشارم میں بڑے حضرت رہتے ہیں تم ان سے ملتے رہو اور حضرت والا کی خدمت میں اٹھتے بیٹھتے رہو، چنانچہ دوم سے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ سے ملاقات کرتا رہا، یہاں تک کہ جب مدرسہ منبع الحسنات میں جماعت چہارم سے فارغ ہوا تو موقوف علیہ تعلیم کی تکمیل کے لئے حضرت کے ہی مشورے سے ام المدارس جامعہ الباقیات الصالحات ویلور میں داخلہ لیا، داخلہ کے چند ہی دنوں بعد بڑے حضرت کے کمرے کی چابی بندے کے سپرد ہوئی، جماعت

ہفتم تک کمرہ کی صفائی، پانی رکھنا، مہینہ کے کسی ہفتہ میں کھانا لانا وغیرہ دیگر امور کی ذمہ داری بندہ کے متعلق رہی۔فللہ الحمد علی ذلک

جامعہ الباقیات الصالحات میں ان دنوں میں آٹھ بجے سبق کی گھنٹی لگتی، حضرتؒ کا معمول تھا کہ وقت مقررہ سے پانچ سے دس منٹ پہلے ہی مدرسہ تشریف لاتے، سبق کی گھنٹی لگنے پر ہم طلبہ حضرت کے کمرے کے باہر ہی سے سلام کرتے تو حضرتؒ اندر آنیکی اجازت مرحمت فرماتے۔اکثر وبیشتر مدرسہ کو آنے سے پہلے ناشتہ سے فارغ ہوکر آتے اور کبھی کبھار مدرسہ حاضر ہوکر سبق سے پہلے ناشتہ سے فارغ ہوجاتے تھے پھر سبق شروع فرماتے۔سبق کے آغاز سے پہلے اولاً خود حاضری لگاتے پھر کسی طالب علم کی عبارت خوانی ہوتی، پھر حضرتؒ عبارت کی خوب وضاحت فرماتے پھر عبارت اس انداز سے پڑھتے کہ آپ کے انداز قرأت ہی سے ترجمہ سمجھ میں آجاتا، لیکن اسکے باوجود ترجمہ بھی فرماتے، جس کا فائدہ یہ ہوتا کہ طلبہ کے ذہنوں میں سبق کے متعلق جو بھی اشکالات واعتراضات ہوتے وہ خود بخود حل ہوجاتے، دوران درس ایسے ایسے نکات بیان فرماتے جو کسی کتاب میں تو کیا حاشیہ کتاب میں بھی نہیں ملتے، سبق کے دوران طلبہ کی بے توجہی اور لاابالی پن سے سخت ناراض ہوجاتے، سبق کے دوران یا درس کے آخر کبھی ایسے دل سوز واقعات بیان فرماتے کہ سامعین طلبہ پر ان کا بہت زیادہ اثر ہوتا، سبق کے اختتام پر جب ہم رخصت ہوتے تو ایسا محسوس ہوتا کہ ہم ایک بہت بڑی دولت لیکر واپس لوٹ رہے ہیں۔

نماز کے اوقات میں طلبہ کو سوتے ہوئے دیکھ کر سخت رنج وغم کا اظہار فرماتے، اور دوسروں سے ان کو جگانے کے لئے کہتے، اپنے خصوصی تعلق رکھنے والوں کی نماز باجماعت فوت ہونے یا قضاء ہوجانے پر ان کی اصلاح فرماتے، کبھی اصلاح کی صورت یہ بھی اپناتے کہ ان کی غلطی کی وجہ سے اپنے آپ پر ناشتہ بند کرلیتے، نماز کی پابندی کرنے پر بہت ابھارتے تھے۔اور (۴۰) دن تک پابندی کرنے والوں سے بہت خوش ہوتے، درسگاہ میں طلبہ سے فرماتے تھے جو تکبیر اولیٰ کے ساتھ نماز ادا کرتا ہے اس کے لئے دو عظیم خوشخبریاں ہیں۔(۱) نفاق سے بری ہونے کی (۲)۔جہنم کی آگ سے خلاصی کی۔جیسا کہ حدیث پاک کا بھی یہی مفہوم ہے۔(مشکوۃ شریف ص:۱۰۲) اور تکبیر اولیٰ کی پابندی کرنے والوں کو اپنی طرف سے انعام کا وعدہ بھی فرماتے، اور بہت سارے طلبہ کو رقم بطور انعام عنایت فرماتے۔

اور بڑے حضرت خود بھی تکبیر اولیٰ کا نہایت درجہ اہتمام فرماتے، چنانچہ ایک مرتبہ حضرتؒ نے اپنے بارے میں تحدیث بالنعمت کے طور پر فرمایا الحمد للہ (۸) مہینے ہوگئے لیکن تکبیر اولی فوت نہیں ہوئی۔نیز ایک مرتبہ قرب وجوار کا سفر تھا تو آپ نے دوران سفر پوچھا، یہاں سے وہاں پہنچنے تک تکبیر تحریمہ مل جائی گی؟ اللہ اکبر! کیا اہتمام رہا تکبیر اولیٰ کا، اللہ ہمیں بھی اس کی سعادت عطا فرمائے۔(آمین)

حضرتؒ کو اگر کسی چیز کی ضرورت پیش آتی تو اکثر ایسا ہوتا کہ اپنے خاص متعلق طلبہ کو بلاکر اولا رقم دیتے اور مطلوبہ چیز منگواتے یا وہ چیز لانے کے بعد اس کی

رقم ادا کر دیتے۔ایک مرتبہ حضرتؒ کے کمرے کی صفائی کے لئے بندہ کی والدہ مرحومہ نور اللہ مرقدہا نے ایک جھاڑو عطا کیا تو بندہ نے اس کو حضرت کے کمرے کی صفائی کے لئے حضرت کے ہی کمرے میں لا کر رکھ دیا، حسب ضرورت اس کا استعمال کرتا رہا، حضرتؒ نے ایک دن پوچھا بھائی! تمہیں کچھ پیسہ دینے ہیں؟ میں نے فوراً کہا نہیں! حضرت نے اصرار کیا کہ غور کرو اور سوچ کر بولو، بندہ بالکل نہیں سمجھ سکا تو حضرتؒ نے اس جھاڑو کی طرف اشارہ کرکے کہا یہ کیا چیز رکھی ہوئی ہے؟ بندہ نے فوراً کہا: وہ تو میری والدہ نے بطور تحفہ عطاء کیا ہے، تو حضرت نے فرمایا: اچھا آپ کی والدہ کی طرف سے تحفہ ہے، یہ تو بہت بڑا تحفہ ہے بھائی!

امتحان کے بعد جب کسی موقع پر وطن جانا ہوتا تو حضرت والا خود دریافت فرماتے کیا سفر خرچ ہے؟ اگر طلبہ کہتے سفر خرچ کی ضرورت ہے تو حضرت اس کا انتظام بھی فرماتے۔

جب بھی کوئی طالب علم حضرت کی خدمت کرنے کی درخواست کرتا تو فرماتے خدمت تو کوئی نہیں۔ہاں! ایک خدمت ہے، کیا تم کروگے؟ طالب علم جواب دیتا ضرور کرونگا تو آپ فرماتے میں دعا کا محتاج ہوں، میرے لئے دعا کرو۔

اساتذہ کرام سے بطور نصیحت یہ فرماتے تھے کہ بچوں کے پڑھانے میں افہام وتفہیم میں کوئی کمی یا نقص نہیں ہونا چاہئے، سبق سمجھانے میں جس قدر کمی ہوجائے اسی قدر روزی میں برکت ختم ہوجاتی ہے۔

مکاتب کے سلسلے میں حضرتؒ کی فکریں

حضرتؒ ہم خدام کو مکاتب کی اہمیت پر ترغیب دلاتے تھے اور آپؒ کو مکاتب کی بے حد فکر رہتی تھی، بندہ کی پیدائشی بستی ''مارالہ'' ضلع اننت پور، آندھرا پردیش میں اور اس کے قرب وجوار قریوں میں سات آٹھ مکتب چل رہے تھے، بندہ نے حضرت والا سے ایک موقعہ پر ذکر کیا تو آپ نے بے حد خوشی ومسرت کا اظہار فرمایا، اور مزید مکاتب قائم کرنے کی ترغیب دی، اور ان مکاتب کو چلانے کے لئے ایک کمیٹی بھی تشکیل دینے کی ہدایت فرمائی، چنانچہ حضرت والا ہی کی سرپرستی میں ان مکاتب کے لئے 2002ء میں دو ادارے بنائے گئے ایک شہر میل وشارم (تملناڈو) کی حفصہ مسجد میں اور دوسرا اننت پور (آندھرا پردیش) میں اول کا نام ''ادارۂ معارف الہدیٰ'' جبکہ ثانی کا ادارۂ انصار الہدیٰ طے پایا۔

سال میں ایک مرتبہ ادارۂ معارف الہدیٰ کا مشاورتی اجلاس منعقد ہوتا ہے، الحمد للہ ہمارے اس ادارہ کو اس بات پر پورا فخر ہے کہ جب سے اس ادارہ کا آغاز ہوا کئی مشاورتی اجلاس ہوئے، جس میں حضرتؒ نے بنفس نفیس پورے اہتمام کے ساتھ شرکت فرمائی، اور ہر اجلاس میں از اول تا آخر پوری توجہ اور کامل یکسوئی کے ساتھ مشورے کے امور بغور سماعت فرماتے اور مناسب ومفید آراء سے نوازتے، جوں ہی اس اجلاس میں حضرتؒ کی تشریف آوری ہوتی، آپؒ کو دیکھ کر سب کے دلوں کو سکون واطمینان حاصل ہوجاتا، ابھی تین ماہ پہلے ایک اجلاس مسجد حفصہ میں ہوا، اس سے پہلے سال مسجد رحمانیہ میں اجلاس ہوا تھا ان دونوں اجلاسوں میں

باوجود مسلسل نقاہت اور پیرانہ سالی کے حضرتؒ نے شرکت فرمائی، حالانکہ آپؒ کو دو چار افراد کے سہارے سے Wheel Chair سے پہنچایا جاتا ہے، ہائے افسوس اب ہم ایسی ذات بابرکت کو کہاں سے لائیں اور کہاں دیکھیں؟ اے اللہ! تو ہی اپنے فضل خاص سے اس خلاء کو پر فرما (آمین)

ادارۂ معارف الہدیٰ کا سب سے پہلا مکتب لتیری، مستوپ میں قائم ہوا جس میں حضرتؒ خود بنفس نفیس تشریف لائے اور بچوں کو نورانی قاعدہ کی بسم اللہ خوانی کی، اور آپؒ ہی کی دعاؤں سے مجلس اختتام پذیر ہوئی، پھر آگے چل کر قریب کے قریوں میں (ترومنی، ہنڈل، کرشاورم، لپے کرشاورم وغیرہ دیہاتوں میں مکاتب قائم ہوئے۔ الحمدللہ علی ذلک

2003ء میں ضلع اننت پور کدری میں ''الخیر'' عمارت کے اندر ائمہ کا پروگرام ہوا، جس میں حضرتؒ نے شرکت فرمائی اور اس میں قرأت کے مسائل، وضو اور نماز کے مسائل، منصب امامت کی فضیلت، اور باطل فرقوں کے متعلق بیان ہوئے، حضرتؒ نے ائمہ کرام کو اسناد تقسیم کئے، حضرتؒ کی دعا سے مجلس اختتام پذیر ہوئی، جس میں تقریبا پچاس ائمہ کرام شریک رہے، اور اس مجلس کے بعد وہیں تصحیح کا شعبہ قائم ہوا کئی سالوں تک تصحیح کا شعبہ چلتا رہا، اس سے ائمہ، حفاظ وعلماء کو بہت فائدہ ہوا۔

اس طرح کے ایک روزہ پروگرامات بہت ساری جگہ منعقد کئے گئے، پامدرتی، مارالہ، ریڈی پلی، نلاماڈا، ٹکپٹنم، مدگپہ، تنگل گھانی پیٹ وغیرہ مقامات میں

منصب امامت، وضو ونماز کے مسائل اور قرأت کے مسائل باطل فرقوں کے رد میں بیانات ہوتے رہے، جس میں ائمہ کرام کو تاثرات پیش کرنے کا موقع دیا جاتا، ایک امام صاحب نے کہا کہ میں اب تک قرآن پاک غلط پڑھتا تھا اس مجلس میں شرکت کی وجہ سے غلطی معلوم ہوئی، میری اصلاح ہوئی، ایسی محفلوں کی ضرورت ہے، ایسی مجلسوں میں عوام کو بھی شریک کر کے نماز کی عملی مشق کرائی جاتی تھی۔ عیسائیت، قادیانیت، بدعات، حرمت نکاح اور شرکیہ عقائد کے متعلق ان کو آگاہ کر کے بچنے کی ترغیب دی جاتی، بعض قریوں میں عیسائیت سے مسلمان اتنے متاثر ہو گئے کہ اکثر عورتیں پردہ اور بغیر پردہ کے عیسائیوں کے اتوار کے پروگرام میں شرکت کیا کرتی تھیں۔ اس پروگرام میں شرکت کرنے کے لیے ان کو کوئی حجاب نہ تھا، الحمدللہ ایسے مقامات میں محنت کرنے کے بعد مسلمان عورتیں شرکت کرنے سے باز آگئیں اور ایسے مقامات میں مکاتب قائم کئے گئے۔ حضرتؒ کے مشورہ سے قادیانیت کے رد میں بہت سارے جلسے منعقد کئے گئے۔

شہر نندیال اور اسکے آس پاس قریوں میں قادیانیت بہت پھیل گئی تھی، مسجدوں میں قادیانی امام بھی آگئے تھے۔ بعض امام اپنی ناپاک کوششوں سے بہت سارے بھولے مسلمانوں کو قادیان شہر لے گئے۔ وہاں ان کو قادیانی مذہب کی تربیت دی گئی، ایک قریہ میں قادیانی امام نے داخل ہو کر مسجد بنائی، اور مسجد میں بذریعہ T.V مسلمانوں کو قادیانیت کے لیے تشکیل کرتا تھا، جب حضرتؒ کو یہ بات

معلوم ہوئی تو حضرتؒ نے قریوں کے معائنہ کا مشورہ دیا۔ چنانچہ مدرسہ مفتاح العلوم سے ایک بہت بڑی جماعت شہر نندیال روانہ ہوئی، اس کے تعلق سے مشورہ ہوا مختلف مسجدوں میں علماء کرام کے بیانات ہوئے، جمعہ کی نماز میں بھی اکثر مسجدوں میں اس عنوان کے تحت بیانات کئے گئے، آخر کار علماء کرام کی بہت ساری کوششوں سے اس قادیانی کو اس مسجد اور قریہ سے نکال دیا گیا۔

حضرتؒ کے مشورہ سے ادارۂ معارف الہدی میل وشارم کی طرف سے چھوٹی چھوٹی کتابیں مثلاً ''قادیانیت کا اصلی چہرہ'' اردو تمل میں دوسری کتاب ''قادیانیت پر غور کرنے کا سیدھا راستہ'' لکھی گئی جس کا تلگو میں بھی ترجمہ کیا گیا، بہت سارے علاقوں میں یہ کتابیں بھیجی گئی جس سے کافی فائدہ ہوا۔

اکثر قریوں میں غیر مسلموں کے ساتھ ملکر رہنے کی وجہ سے غلط عقائد مسلمانوں میں پائے جانے لگے۔ جیسے ہندوؤں میں بھانجی، ماموں کا نکاح ہوا کرتا ہے۔ مسلمانوں میں بھی یہ غلط بات ذہن میں بیٹھ گئی تھی کہ ماموں بھانجی سے نکاح کر سکتا ہے بلکہ ماموں بھانجی سے نکاح کرنے کا زیادہ حقدار ہے، حضرتؒ کے مشورہ سے آندھرا میں کئی مقامات میں اس کے رد میں جلسہ منعقد کئے گئے اور ماموں بھانجی کی حرمت نکاح کے سلسلہ میں پمفلٹ، اشتہارات چھاپ کر مسجدوں میں لٹکائے گئے، جس سے کافی فائدہ ہوا، ایک قریہ میں ایسا ہی ماموں بھانجی کا نکاح ہونے والا تھا جب یہ بات معلوم ہوئی تو وہ لوگ رک گئے۔

پھر 2005ء انت پور گلزار پیٹ مرکز مسجد میں ائمہ کا پروگرام ہوا، یہ دو دن کا پروگرام تھا جس میں حضرتؒ نے شرکت فرمائی، قرأت، وضو اور نماز کے مسائل باطل فرقوں کے متعلق بیانات ہوئے۔ جناب امیر باشاہ صاحب کے مکان پر حضرتؒ کا قیام تھا اس ائمہ پروگرام میں تین سو پچاس سے زائد علماء اور ائمہ شریک ہوئے، اصلاح معا شرہ کے متعلق بیانات ہوئے، آخر میں ائمہ کرام کو حضرتؒ کے دست مبارک سے اسناد تقسیم کئے گئے، اور حضرتؒ کی دعاؤں پر جلسہ کا اختتام ہوا، بہت سارے قریوں اور شہر وں میں مکاتب قائم ہوئے، چھوٹے چھوٹے بچے یہاں تک کہ بڑے لوگ بھی علم دین کی دولت سے مالا مال ہورہے ہیں، قرآن کریم کو اچھی طرح پڑھ لیتے ہیں، کلمات اسلا م، اسمائے حسنی، نماز، اذان، احادیث اور مسائل کو حسب ضرورت سیکھ چکے ہیں، سب سے بڑی خوبی کی بات یہ ہے کہ اللہ کو ایک اور یگانہ مانتے ہیں۔ ایسے مقامات میں جہا ل خدا کے دشمن کہتے ہیں کہ اللہ کہاں ہے؟ بتاؤ کہ ہم بھی مانیں گے۔ (نعوذ باللہ من ذلک)

پھر ان تمام مکاتب کے طلبہ کی تعلیم کے لئے بندہ نے پیدائشی وطن ''مارالہ'' قر یہ میں جہاں حضرتؒ تشریف لائے تھے، ایک مدرسہ بنام مشکوۃ الہدی قائم کیا، جس میں تقریباً سو طلبہ قیام وطعام کے ساتھ زیر تعلیم ہیں۔ اللہ تعالی سے دعا فرمائیں کہ ہمیں حضرت کے دینی کڑھن اور بے چینی کا کچھ حصہ نصیب فرمائے، حضرتؒ کے خدمات کو بے حد قبول فرما کر اپنی رضامندی عطا فرمائے اور جنت کے اعلی درجوں میں داخلہ عنا یت فرمائے۔ آمین ثم آمین

حضرتؒ-----اصولِ مدرسہ کے آئینہ میں

حضرت مولانا صفی اللہ صاحب باقوی

استاذ مدرسہ کاشف الہدی، چنئی

مدرسہ کاشف الھدی میں تعلیمی سال کے آغاز 11 شوال کو وقت مقررہ سے ایک دن پہلے ہی حضرت رحمۃ اللہ علیہ مدرسہ تشریف لاتے تمام اساتذہ سے ملاقات ہوتی کوئی بھی استاذ تھوڑی بھی تاخیر نہیں کرتا، شروع زمانے میں سالانہ چھٹی کے موقع پر حضرت رحمۃ اللہ علیہ دومرتبہ مدرسہ تشریف لاتے 27 شعبان کو یہاں تمام داخلہ کے خطوط میں دستخط فرماتے، اٹھائیس رمضان کو پھر تشریف لاتے، داخلہ کے خطوط نظر فرما کر بذات خود اس کو پوسٹ کرتے، حضرتؒ خود فیصلے کرنے کا حق رکھنے کے باوجود اگر کوئی چھوٹا استاذ بھی رائے دے، تو اس کو اہمیت دیتے تھے بعض کاموں کے لئے ذیلی کمیٹی بنا کر اس سے بہت سے امور تکمیل تک پہنچاتے، حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے اساتذہ کا چھٹی لینا کوئی آسان کام نہیں تھا سخت مجبوری کے وقت ہی چھٹی ملتی تھی، ایام اسباق میں نفلی عمرہ کے لیے جانے کی بھی اجازت نہیں ملتی تھی حضرت رحمۃ اللہ علیہ اساتذہ کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے مدرسہ کے ذمہ اگر ہمارا کوئی حق ہو تو تو اس کے فکر کی ضرورت نہیں ہے آخرت میں ان شاء اللہ اس کا اجر مل جائے گا لیکن ہمارے ذمہ اگر مدرسے کا کوئی حق رہ گیا ہو تو اس کے فکر کی

ضرورت ہے، اللہ کے یہاں بھی اس کی جوابدہی دینی پڑے گی۔اور چندہ دہندگاں کے یہاں بھی اس کی جوابدہی دینی پڑے گی۔

ہر ماہ اساتذہ کی مقدار خواندگی اور مجوزہ نصاب کو چیک کرتے، اگر زیادہ فرق ہو تو پنسل سے سوالیہ نشان لگا کر متنبہ فرماتے تھے۔سال کے اخیر میں مشورے کے وقت اساتذہ کو نصیحت کرتے، نصاب کی تکمیل کے بارے میں تاکید فرماتے، دیگر دفاتر میں وقت کی پابندی کا اہتمام ہوتا مگر مدارس میں اوقات کا بھی اہتمام کیا جاتا۔ اگر کسی کا گھنٹہ خالی بھی ہو تو مدرسے کے وقت مقررہ سے پہلے باہر نہیں جاسکتا۔اسی طرح اگر وقت مقررہ میں نصاب مکمل کرنا مشکل ہو تو خارج میں اس کی تکمیل کا اہتمام کرنا چاہیے

مدرسہ امدادیہ تھانہ بھون میں تدریسی خدمات کے موقع پر تین طلبہ زیادہ ذہین طلبہ تھے جنہیں حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے مکمل مشکوۃ ایک سال میں مکمل تشریح کے ساتھ ختم کی، تو کسی نے کہا کہ آپ کی کرامت ہے ورنہ ہمیں تو مشکوۃ کا ایک ثلث حصہ بھی ختم کرنا مشکل ہے تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ طلباء کی کرامت تھی ورنہ میں اب یہاں مدرسہ کاشف الھدی میں بھی ہوں میری کرامت ہوتی تو یہاں بھی وہ ظاہر ہونی چاہیے تھی۔

مدرسے میں اساتذہ سب آتے ہوئے رجسٹر پر دستخط کرتے، اتفاق سے ایک استاد کا دستخط وقت پر نہ ہوسکا انہوں نے عذر کیا کہ میں تو وقت پر مدرسہ حاضر ہو گیا تھا۔مگر عقیقے کے بکریوں کو ذبح کر کے آنے میں تاخیر ہوگئی تو حضرت نے فرمایا

مولوی صاحب: یہ بھی مدرسے کا کام ہے وقت پر دستخط نہ کرنا ایک غلطی ہے۔

مجلس شوریٰ کے اساتذہ کی تنخواہوں میں اضافہ کی بات ہوئی تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورہ استاد کے بارے میں یہ فرمایا کہ مدرسے میں وقت مقررہ پر ان کی حاضری نہیں ہوتی اس لیے ان کی تنخواہ میں اضافہ روک دیا جائے۔

تدریسی ایام کے علاوہ امتحان کے ایام میں بھی اساتذہ مدرسہ سے چھٹی نہیں لے سکتے وقت مقررہ پر امتحان ختم ہونے کے بعد امتحان کے نمبرات جمع کرانا لازمی ہوتا تھا اس سے متعلق حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا طلبا امتحانات میں جتنے نمبرات کے مستحق ہوں اس سے ان کے نمبرات کم کر دینے میں ان کی حق تلفی ہوگی استحقاقی نمبرات سے زیادہ نمبر دینے پر مدرسے کی خیانت لازم آئے گی، اسی طرح کم صلاحیت والے طلبہ کو زیادہ نمبرات دے کر ان کے درجات کو بڑھا دینے پر اساتذہ سے بہت فکر سے اظہار خیال فرماتے کہ یہ بھی خیانت ہے۔ نیز اساتذہ کے خدمت گار طلبا جو کم صلاحیت والے ہوں انہیں زیادہ نمبرات دینے پر بھی بہت فکر کا اظہار فرماتے تھے استعداد پر نمبرات دیا جائے گا جب کبھی پہلے درجے میں آنے والے طلباء اگر دوسرے یا تیسرے درجے میں آجائے تو انعامات کے بعد متعلقہ استاد سے فرماتے مولوی صاحب: ہمارا فلاں طالب علم کم درجے میں کیوں آگیا اس پر انہوں نے کہا حضرت صرف یہ ایک روپیہ کا فرق ہے تو اس پر حضرت فرماتے پیسے کی بات نہیں پوزیشن کی بات ہے۔

یہی سرخی بنے گی، زیب عنواں ہم نہیں ہوں گے

حضرت مولانا مفتی معصوم ثاقب صاحب
مہتمم مدرسۂ امدادیہ رائچوٹی

تلوح الخط فی الاوراق دهرا
وكاتبه رميم فی التراب

یہ کوئی افسانہ نہیں بلکہ حقیقت ہے کہ موت سے کس کو رستگاری ہے آج ان کی تو کل ہماری باری ہے۔ ہر انسان میں اللہ تعالیٰ نے کچھ خامیاں تو کچھ خوبیاں بھی رکھی ہیں جس طرح آدمی کی زندگی میں اس کے ساتھ اپنی خامیوں اور خوبیوں سمیت نبھاؤ کرنا حسن خلق مانا جاتا ہے ایسے ہی جانے والے کے حالات وتذکرے سے اہل نظر و بصیرت عبرت و نصیحت حاصل کرتے رہتے ہیں۔ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب مدراسی رحمۃ اللہ علیہ بڑی خوبیوں کے مالک تھے۔ آپ کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ اکثر خاموش رہتے تھے مگر بولنے کے موقع کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تھے، ان کو یہ کمال حاصل تھا کہ کب کہاں اور کتنا بولنا چاہیے، میں نے اپنی زندگی میں ایسی کم گوئی اور حق گوئی کا سنگم نہیں دیکھا۔ حضرت مولانا سید شاہ صبغۃ اللہ بختیاری رحمۃ اللہ علیہ جو مجاہد آزادی تھے حضرت مولانا حسین احمد مدنی

رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد رشید تھے اور شیخ الہند کی تحریک آزادئ وطن کے بڑے دلدادہ تھے۔ مجھے رائے چوٹی میں ان کی طویل ہم نشینی اور صحبت حاصل رہی یہ اللہ کا فضل ہے۔ مولانا بختیاری اپنے معاصرین میں زودگوئی بذلہ سنجی اور طویل الاذیال گفتگو کرنے میں مشہور تھے وہ مولانا یعقوب صاحب سے فرماتے کہ ''مولانا باقیات الصالحات میں انقلاب آئے گا اور اس کے دو اسباب ہوں گے آپ کی خاموشی اور میری گویائی''۔ ہمارے مدرسے کے مہتمم مولانا حسن خاں صاحبؒ مولانا بختیاری مرحوم اور مولانا محمد یعقوب صاحب وشارمی میں بڑی گہری دوستی تھی اور بظاہر یہی ذریعہ بنا راقم الحروف کے بھی حضرت مولانا یعقوب صاحب سے زیادہ قریب ہونے کا۔ جن دنوں مولانا خانقاہ تھانہ بھون کے مدرسہ میں استاد تھے حضرت مولانا محمد اسحاق صاحب رحمۃ اللہ علیہ ناظم دارالعلوم امدادیہ مدرسہ مفتاح العلوم جلال آباد میں زیر تعلیم تھے اور حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خادم بھی تھے، مدراسی ہونے کی وجہ سے مولانا یعقوب صاحب سے انکے بھی بے تکلف تعلقات اسی زمانے سے تھے۔ مولانا اسحاق صاحبؒ کا وطن اصلی وانمباڑی کے پاس ایک چھوٹا سا گاؤں ''آلنگایم'' تھا۔ مولانا بختیاری مرحوم بڑے نپے تلے تبصرے کیا کرتے تھے۔ مولانا اسحق صاحبؒ، مولانا یعقوب صاحب کے اس وقت کے حالات اور قصے سناتے تھے، جب مولانا تھانہ بھون اور سہارنپور وغیرہ میں رہا کرتے تھے یہ آنکھوں دیکھے حالات

وواقعات سن کر مولانا مرحوم کی عقیدت پیوست ہوتی چلی گئی اور الحمدللہ ہر ملاقات کے بعد یہ عقیدت ومحبت بڑھتی ہی رہی ایسے موقع کے لئے ہی مہتمم صاحب فارسی کے دو شعر پڑھا کرتے تھے۔

آن دل کہ رم نہ بودے ازخوب روئے جواناں
دیرینہ سال پیرے بردہ بیک نگاہے
نصیحت گوش کن جاناں کہ ازدل دوست تر دارند
جوانان سعادتمند پند پیر دانا را

حضرت مولانا عبدالجبار صاحب رحمۃ اللہ علیہ جن کا قیام باقیات الصالحات کے بعد جامعۃ العلوم الثنائیہ کڈپہ میں تھا حضرت مولانا یعقوب صاحب کے اساتذہ میں تھے مجھے تفصیلات تو پوری مستحضر نہیں ہے مگر اتنا اجمال ضرور یاد ہے کہ دارالعلوم سے وابستگی کی وجہ سے مولانا بختیاری مرحوم مولانا حسن خان صاحب اور مولانا اسحاق صاحب اور مولانا محمد نوراللہ صاحب قاسمی خلیفہ حضرت مولانا مفتی محمود صاحب مولانا یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے تمام اقدامات اور فیصلوں کی پرزور تائید کیا کرتے تھے اور غایبانہ بھی بہت والہانہ حضرت والا کا ذکر خیر ہوا کرتا تھا اور بات بات میں یہی کہا جاتا کہ اس مسئلہ میں حضرت مولانا یعقوب صاحب سے رجوع ہونا چاہیے۔ ہمارے مدرسے کے سرپرست حضرت مولانا اسعد مدنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جب دارالعلوم امدادیہ کی مجلس شوریٰ قائم فرمائی

توحضرت مولانا محمد یعقوب صاحب کو مدرسہ ہذا کا رکن شوری مقرر فرمایا یہ 1992ء کا واقعہ ہے۔ میں اس وقت جنوب ہند کے لیے نیا نیا تھا مفتی ریاض احمد صاحب موجودہ مہتمم مدرسہ مفتاح العلوم میل وشارم اور مفتی سبیل صاحب وانمباڑی، مفتی ابوالحسن صاحب وشارمی سے دوران طالب علمی دارالعلوم دیوبند ہی میں میری واقفیت تھی۔ یہ حضرات بھی اپنے معاملات میں حضرت ہی کو اپنا سرپرست سمجھتے تھے اور مجھے دارالعلوم سے ہی اس بات کی اطلاع تھی کہ جنوب ہند سے دارالعلوم دیوبند کے رکن شوریٰ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب ہیں ۔ حضرت مولانا شوریٰ کے اجلاس میں کئی بار دارالعلوم تشریف لائے تو انہی دوستوں کے ذریعے ملاقات کا شرف حاصل ہوا اور بعد میں یہ تعلق بہت بااعتماد ہوتا چلا گیا۔

اللہ کا شکر ہے کہ حضرت مولانا بندے پر بہت شفقت فرماتے تھے اور مناسب موقع پر اپنے زریں مشوروں سے نوازتے رہتے تھے۔جنوب ہند میں جتنے ادارے اور افراد اکابر دیوبند کے نہج پر دعوتی سرگرمیوں میں مصروف ہوتے حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا ان سے ضرور تعلق رہا کرتا تھا۔رائے چوٹی اوراس کے اطراف کے حالات بہت دلچسپی سے معلوم کرتے، اپنے استاد مولانا عبدالجبار صاحب اور احباب مولانا اسحٰق مفتاحی اور مولانا نوراللہ صاحب قاسمی، مولانا غوث صاحب رشادی وقاسمی کی خیر وعافیت ضرور معلوم کرتے تھے۔ ایک مرتبہ بندہ کے ہمراہ مولانا مشتاق صاحب باقوی قاسمی کاشف الہدی مدراس

حضرت کی زیارت کے لئے حاضر ہوئے تو باقیات کا تذکرہ نکلا حضرت نے اپنے اساتذۂ کرام کا بڑے وقیع الفاظ میں ذکر فرمایا اور حضرت مولانا عبدالجبار صاحب کے بارے میں فرمایا کہ حضرت کے لئے اکثر دعائیں کرتا رہتا ہوں، کبھی حضرت کے لئے ہی تازہ وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھ کر دعا کرتا ہوں۔ مولانا مشتاق صاحب یہ سنکر بہت متعجب اور حیرت زدہ ہوئے اور واپسی میں رائے چوٹی تک حضرت مرحوم اور مولانا عبدالجبار صاحب کے واقعات اور حالات سناتے رہے، مولانا دونوں کے شاگرد تھے اور دونوں سے استفادہ کرتے رہتے تھے۔

رائچوٹی کی طرح کدری میں دارالعلوم فرقانیہ بھی خالص دیوبندی مسلک کا ایک مدرسہ ہے۔حضرت مولانا سمیع اللہ صاحب قاسمی اس کے ذمہ دار ہیں، حضرت مولانا مشتاق صاحب باقوی قاسمی زید مجدہ شہر کدری کے ایک دوسرے عالم دین ہیں جو حضرت کے باضابطہ شاگرد ہیں انہی حضرات کے تقاضے پر حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے کدری میں سہ روزہ تربیتی کیمپ آئمہ مؤذنین اور مدرسین مکاتب کے لئے منعقد فرمایا اور خود شریک رہے۔

جن دنوں پورے ملک میں لامذہبیت کا فتنہ بڑھنے لگا اور اکابر نے محسوس کیا کہ علمائے اہلسنت والجماعۃ کی طرف سے اب دفاع کرنا ضروری ہے کیونکہ لامذہبیت تحریک کی وجہ سے بڑی تعداد میں لوگ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے بدگمان اور ائمہ اسلام سے بے اعتماد ہونے لگے اور برملا جلسوں میں چند

ناعاقبت اندیش علماء کی طرف سے اس کا اظہار بھی ہونے لگا اور کچھ لوگوں نے چیلنج بازی بھی شروع کر دیا۔ ہمارا رائل سیما کا علاقہ راست اس کی زد میں تھا ایک طرف جہالت اور ارتداد کا فتنہ تو دوسری طرف عیسائی مشنریوں کی طرف سے خصوصاً اننت پور اور کڈپہ کے دیہاتوں میں غریب اور پسماندہ مسلمانوں کو عیسائی بنانے کی محنت کئی دیہاتوں میں قادیانی مبلغین کا قیام اور مسلمان بستیوں کو قادیانی بنانے کی محنت کا سلسلہ زور وشور سے جاری تھا۔ ان بیرونی حملہ آوروں کے ساتھ ساتھ چند اختلافی اور اجتہادی مسائل کو لے کر مسلمانوں میں افتراق وانتشار سے آندھرا کے علاقوں میں سخت تشویش ناک صورت حال پیدا ہوگئی تھی، اللہ تعالیٰ حضرت والا کے درجات کو بلند فرمائے انہوں نے راقم الحروف سمیت آندھرا پردیش کے اکابر علماء کو اپنے پاس جمع کیا مجھے اس وقت مفتی عبدالعزیز صاحب مہتمم مدرسہ ضیاالعلوم اننت پور اور مولانا بشیر صاحب مہتمم مدرسہ حسینیہ ہندوپور اور مولانا عبد الحفیظ صاحب مہتمم مدرسہ شمس العلوم ہندوپور کی حضرت والا کے پاس آمدورفت اور طویل طویل مشاورت اچھی طرح یاد ہے کہ حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ نے ہم سب کو کام کرنے کا طریقہ کار سمجھایا اور حوصلہ افزائی فرمائی اور کام کے بعد پیدا ہونے والے نئے تقاضوں پر انتہائی بصیرت افروز روشنی ڈالی اس کے نتیجے میں الحمدللہ مدرسہ حسینیہ ہندوپور میں تحفظ سنت کے عنوان پر تربیتی کیمپ اور شمس العلوم کے میدان میں اجلاس عام منعقد ہوا۔ دارالعلوم دیوبند سے حضرت مولانا مفتی

سعید احمد صاحب مدظلہ حضرت مولانا ابوبکر غازی پوریؒ اور آندھرا پردیش کے کئی سو علمائے کرام تین روز مسلسل مشاورتی اور تربیتی نشستوں میں شریک ہوتے رہے اور علاقے بھر میں خطبات جمعہ اور عوامی جلسوں کے ذریعے لوگوں کی تعلیم وتربیت کا سلسلہ جاری رہا۔ اسی طرح کرنول ضلع میں چھاگل مری میں مفتی عبدالرحمن صاحب قاسمی کے ذریعے ردعیسائیت پر زبردست تربیتی پروگرام ہوئے اور مسلمانوں کو عیسائیت کے خطرات سے آگاہ کیا گیا اور علاقے میں مکاتب دینیہ قائم کیے گئے اور اب تو الحمدللہ چھاگل مری میں کڑپہ کرنول ہائی وے پر باضابطہ مدرسہ امداد العلوم قائم ہو چکا جہاں سے مفتی عبدالرحمن صاحب اور ان کے احباب علاقے بھر کی دینی فکر کر رہے ہیں۔ ایسے ہی نیلور اور اونگول کے علاقوں میں بھی حضرت نے فضلاے دارالعلوم دیوبند کو منظم فرما کر کام پر لگایا اور ان کی سرپرستی فرماتے رہے۔ حضرت والا نے اسی سلسلے میں مولانا منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ”قادیانیت پر غور کرنے کا سیدھا راستہ“ کا تیلگو ترجمہ مولانا عبدالعلیم عبدالسجان صاحب کے ذریعے شائع کروایا۔

تحفظ ختم نبوت کے کام سے حضرت کو بہت ہی زیادہ دلچسپی تھی، جنوب ہند میں کئی اہم پروگرام اور اسفار میں حضرت والا سے مستفید ہونے اور آپ کے قیمتی مشوروں اور تجربات سے فائدہ اٹھانے کی سعادت مجھے حاصل رہی۔ ایک مرتبہ حضرت کی سرپرستی میں ایک طویل مدتی سفر مدراس سے ”ترنل ویلی“ کا ہوا۔

یہ سفر کئی لحاظ سے یادگار ثابت ہوا'' آئینہ دارالعلوم'' میں اس کی رپورٹ بھی بہت تفصیل سے چھپی ہے، اس سفر میں حضرت مولانا کے ساتھ حضرت مولانا اسماعیل صاحب کٹکی اور دارالعلوم دیوبند کے مبلغین بھی شریک تھے۔ ترنل ویلی میں قادیانیوں سے مناظرہ ہونا تھا جس کے لئے ہم لوگ وہاں پہونچے تھے، خاص بات یہ تھی کہ شہر کے عوام وخواص کو قادیانی فتنے سے کوئی دلچسپی نہیں تھی اور جن لوگوں کو اس فتنہ کا احساس تھا وہ بہت ہی مختصر تھے۔ ہم لوگوں کو ہر طرح سے اجنبیت کا بہت احساس ہو رہا تھا، قادیانیوں نے'' قدآدم چیلنج'' کے اشتہارات لگا رکھے تھے اوران کے مبلغین اور کارکنان اکثر ٹمل ناڈ کے تھے اور ٹمل خوب جانتے تھے۔ ہم لوگوں کے لیے ہر چیز انتہائی اجنبی جہاں قیام تھا وہیں کھانا آجایا کرتا تھا، نہ ہم لوگ کھانے کا نام جانتے اور نہ اس کی لذت سمجھ میں آتی تھی، مناظرہ کے گر تو معلوم تھے دسترخوان پر کھانے کے گر سے ہم لوگ ناواقف تھے، صحت بھی خراب ہو رہی تھی، مقامی لوگ تعاون نہیں کر رہے تھے، حتیٰ کہ کسی مسجد میں ہم کو آزادی سے اپنے پروگرام کرنے کی اجازت نہیں تھی جبکہ مولانا اسماعیل صاحب کو اصرار تھا کہ بغیر مناظرہ کے یہاں سے جانا نہیں ہے، جھنڈا گاڑ کے جانا ہے۔ مولانا شاہ عالم صاحب فرماتے اگر مناظرین کا نام ظاہر کرنا ہے تو مولانا اسماعیل صاحب کا نام بالکل نہ بتایا جائے کیونکہ قادیانی پنڈتوں میں دو تین ایسے ہیں جو مولانا اسماعیل صاحب سے کافی منہ لگے ہوئے ہیں، مولانا شاہ عالم کے ذریعہ ہی معلوم ہوا تھا کہ

مولانا اسماعیل صاحب نے ایک سال پہلے جلسے میں اپنی عمر 80 سال اور امسال والے جلسے میں پچاسی سال بتایا ہے، قادیانی پنڈت سب باتیں چھوڑ کر یہی حساب پوچھ رہے ہیں کہ ایک سال میں پانچ سال کا اضافہ کیسے ہوا مگر سبحان اللہ مولانا اسماعیل صاحب کو غضب کی خوداعتمادی تھی وہ ہر سوال کا جواب دینے کے لئے تیار اور قادیانیوں سے مناظرہ کرنے کے لیے بے قرار تھے۔ کئی دن اسی کشمکش میں گزرے مسئلہ حل ہوتا ہوا نظر نہیں آیا ہمارے قافلے کے علاوہ جو لوگ ٹوٹی پھوٹی اردو بولتے تھے ان کی اردو بھی سبحان اللہ وہ'' ڈیڑھ کو ساڑھے ایک اور ڈھائی کو ساڑھے دو'' بولتے تھے جب روزمرہ کی زبان والی اردو ایسی تھی تو خاص تحفظ ختم نبوت'' رفع ونزول اور عبارات مرزا'' کے مسائل کو کیا سمجھیں گے آپ اندازہ لگا لیں۔ حضرت مولانا یعقوب صاحب خاموش کبھی سر سے اشارہ کر دیں، کبھی مسکرادیں، کبھی ہاں ہوں کر دیں اور مولانا اسماعیل صاحب کا سیل رواں رکنے کا نام نہیں لے رہا تھا اور سامعین میں ہمیں چند لوگ پروفیسر نصر اللہ باشا صاحب دامت برکاتہم بھی سفر میں ساتھ تھے۔ حضرت والا سے تو کچھ کہنے کی ہمت نہیں ہوئی مولانا عرفان صاحب مبلغ دارالعلوم دیوبند نے انتہائی متانت سے کہا پروفیسر صاحب! آپ دسترخوان کا مسئلہ حل کیجئے سارے مسائل خود بخود حل ہوجائیں گے پہلے اس کو مسلمان کیجیے اور بالغ بنایئے ان کے لئے دونوں تعبیریں نئی تھیں مگر بہر حال وہ بھی تھے پروفیسر اور وانمباڈی کی بنسبت شاید ان کو بھی کچھ اٹ پٹہ لگ

رہا تھا خاص طور پر ناریل کے تیل کا کثرت استعمال اور گیہوں کا رنگ برنگا حلوہ کسی عجابیات سے کم نہیں تھا۔ خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ ادھر دسترخوان کی اصلاح ہوئی ادھر ظہر سے ہم لوگوں کو ایک مسجد میں گنجائش مل گئی، مسجد کے امام صاحب اردو سمجھتے تھے اور ان اکابر سے کسی درجے میں واقف بھی تھے، قادیانی مسئلہ کی سنگینی بھی سمجھتے تھے مگر اپنے عوام کے بدعتی رجحان کے سامنے بے بس نظر آتے تھے، ان کو میں نے مرزا قادیانی کے ایک مرید کا شعر سنادیا وہ یہ تھا۔۔۔

پہلی بعثت میں محمد تھا اب تو احمد ہے — تجھ پہ اترا ہے قرآن رسول مدنی
سرمہ چشم تیرا خاک قدم بنواتے — غوث الاعظم شہ جیلاں رسول مدنی

یہ دو مصرعہ سنانا کیا تھا اس کی روح میں نشتر چبھ گیا اس کی مسجد میں ہمارا تربیتی کیمپ شروع ہو گیا جو آناً فاناً مرکزیت اختیار کرتا چلا گیا۔ مولانا اسماعیل صاحب کا جوش اس دن دیدنی تھا، مولانا عرفان صاحب اور مولانا شاہ عالم لاکھ اشارہ کرتے کہ سامعین اس فصیح وبلیغ اردو کے متحمل نہیں ہیں مگر مولانا اسماعیل کا سیل رواں جاری رہتا۔ یہ صبح کے دسترخوان کی برکت تھی اسے بقول مولانا عرفان صاحب پروفیسر نصراللہ باشا صاحب نے مسلمان بالغ بنا دیا۔ ہماری اردو کا ٹمل میں ترجمہ کیا کیا گیا اللہ ہی جان سکتا ہے مگر شام کو جب ہم اور مولانا شاہ عالم شہر میں گھومتے ہوئے قادیانیوں کے آفس تک گئے تو گلیوں اور چوراستوں سے مرزا قادیانی کی عبارت پر چیلنج کے قد آدم اشتہارات غائب تھے اور آگے

بڑھے تو دیکھا کہ احمدیہ مسلم مشن کی آفس بھی مقفل ہے اور پڑوس کے لوگ یہ کہہ رہے تھے کہ احمدی لوگ یہاں سے بھاگ گئے ہیں کیونکہ دیوبندی علماء اب یہاں آچکے ہیں۔ ہمارے تربیتی کیمپ میں کوئی خاص مواد تو نہیں پیش کیا گیا کیونکہ مسئلہ زبان کا تھا لیکن لگتا ہے ان لوگوں نے زوردار ترجمہ کیا۔ لوگوں میں چرچا ہونے لگا کہ آخر یہ انقلاب کیسے آیا کہ جو لوگ کل تک دندناتے پھرتے تھے آج روپوش کیوں ہو گئے۔ آخر اس کا سبب کیا ہوا کوئی کچھ کہتا کوئی کچھ کہتا بالآخر میں نے مولانا بختیاری کا ملفوظ دہرا دیا کہ ''حضرت مولانا یعقوب صاحب کی خاموشی اور مولانا اسماعیل صاحب کی گویائی'' مخالفین پر ہیبت کا سبب بن گئی اور وہ پسپاں ہو کر بھاگ گئے۔ ہم لوگوں پر رد قادیانیت کا ایسا جوش غالب تھا کہ ہم لوگوں نے کہا کنیا کماری جا کے ختم نبوت کا جھنڈا لہرائیں گے پھر مولانا عرفان صاحب مولانا شاہ عالم اور کئی مدراسی رہبروں نے ہم لوگوں کو شہر کنیا کماری کی زیارت کرائی جہاں ہندوستان ختم ہو جاتا ہے اور ہم لوگوں نے وہاں کے مسلمانوں کو ختم نبوت کا پیغام سنایا اور پھر واپس آکر حضرت کے قافلہ میں شامل ہو گئے۔ یہاں ایک بات کا تذکرہ دلچسپی سے خالی نہیں ہوگا کہ ہم لوگ سمندر کے کنارے رات ہی میں پہنچ گئے تھے مگر لوگوں نے کہا کہ چاند کے منظر سے زیادہ صبح طلوع آفتاب کا نظارہ دلکش اور دیدنی رہتا ہے۔ لوگ ہم کو صبح تک کے لیے سمندر کے بالکل کنارے ایک مسجد لے گئے ان ساحلوں پر اکثر آبادیاں اور مساجد شوافع حضرات کی ہیں جمعہ کی نماز فجر میں وہ

بڑے اہتمام سے سورہ الم سجدہ اور سورہ دہر پڑھتے ہیں یہاں بھی امام صاحب نے قرأت شروع کردی ہم لوگ شریک جماعت تھے مولانا عرفان صاحب مدظلہ انتہائی پریشان۔ رہبر ساتھیوں سے کہنے لگے اس امام کی قرأت تو اشراق تک مکمل ہوگی پھر خاک طلوع آفتاب کا منظر رہ جائے گا۔ ان دو طویل سورتوں کے ساتھ امام قنوت بھی پڑھے گا مولانا کی پریشانی دیکھکر رہبر پریشان اور حیرت زدہ کہ اب کیا ہوگا۔ الحمد للہ نماز مکمل ہوئی ہمارے ساتھ اکراماً امام صاحب اور ذمہ داران ساحل پر پہنچے چند لمحوں کے بعد طلوع آفتاب کا منظر آنکھوں کے سامنے تھا جس کو دیکھنے کے لئے ہمارے جیسے ہزارہا لوگ ساحل پر اور کشتیوں پر موجود تھے ہمارے لئے یہ موقع نیا تھا ہم لوگوں کو کچھ پتہ نہ تھا مگر یہ دیکھ کر انتہائی خوشی اور مسرت ہوئی کہ طلوع آفتاب پر مسلمانوں نے بآواز بلند فتبارک اللہ احسن الخالقین پکارا اور چاند سورج کے مسخر ہونے اور سجدہ ریز ہونے والی آیات تلاوت کرنا شروع کردیا اس ایمان کی تازگی سے ہمارے ایمان میں بھی جلا پیدا ہوگیا اور اس مختصر وقفے میں اپنے رہبروں، میزبانوں اور محسن دوستوں سے رخصت ہوکر ہم لوگ واپس ہوئے۔ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ فضلاء دیوبند کو بڑی خصوصیت سے فرمایا کرتے تھے کہ اکابر علمائے دیوبند کی دو خصوصیات ہیں جو آپ ہمیشہ اپنے مدنظر رکھیں اور آپ بھی اسے اختیار کریں نمبر ایک دینی حمیت وغیرت نمبر دو تعلق مع اللہ اس پر حضرت کا وعظ بھی ہوتا تھا حضرت کے مواعظ کا ایک مفید مجموعہ حضرت مولانا مفتی سبیل

احمد صاحب نے طبع بھی کرادیا ہے فجزاھم اللہ خیرا۔ ان کی صحبت میں اللہ تعالی نے یہ تاثیر رکھی تھی کہ ساتھ رہنے والوں کے دل کی صفائی ہوتی تھی اور سنت پر عمل کا جذبہ پیدا ہوتا تھا ظاہر ہے کہ جو لوگ کہتے رہتے ہیں ان کی بنسبت کر کے دکھانے والے اپنے ماحول میں زیادہ موثر ہوتے ہیں یہی حال مولانا کا تھا وہ باضابطہ حضرت قاری امیر حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے مجاز بیعت تھے مگر ہمیشہ اپنے آپ کو چھپا کے اور فنا کرکے رکھا حضرت مولانا کے ذریعہ سے جنوب ہند میں اکابر علمائے دیوبند کے مسلک وافکار کی بہت مؤثر تبلیغ ہوئی اس سے ان کے نامہ اعمال میں روز بروز حسنات کا اضافہ ہوتا رہے گا انہوں نے علماء کو مدارس کو ائمہ کو عمائدین کو اہل سنت والجماعت اکابر علمائے دیوبند کی مقدس جماعت اور پاکیزہ فکروں سے وابستہ کیا مگر اس حوالے سے بھی کبھی بھی وہ اپنی تعریف وستائش پسند نہیں کرتے تھے مادہ پرستی اور ظاہرداری کے اس دور میں ایسی بے نیازی اور سادی زندگی گزارنا جیسے حضرت مولانا نے گزاری بہت بڑا مجاہدہ ہے اللہ تعالی حضرت کے درجات کو بلند فرمائے ان کے پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے اور ہم سب کو علمائے ربانیین کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

ہمارے حضرتؒ ----امتیازی اوصاف کے حامل

حضرت مولانا محمد علی صاحب باقوی

مدرس مدرسۂ کاشف الہدی، مدراس

بہت سے اکابر کے سوانح کو ہم نے سنا ہے انہیں نمونے کے طور پر اپناتے ہیں مگر ان تمام میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت امتیازی اوصاف کے حامل تھی حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے تمام اعمال وحرکات وسکنات سنت کے مطابق رہے اپنی کمزوری وضعف کی حالت میں بھی عبادات میں مکمل سنت کی اتباع فرماتے تھے۔ سر کا درد ہو جانے پر بھی کرسی پر نماز پڑھنے والوں کے لیے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا عمل نمونہ ہے۔ ہاں سجدے سے قیام کی طرف منتقل ہونے کے وقت حضرت رحمۃ اللہ علیہ کتنی تکلیف اٹھا رہے ہیں دیکھنے والوں کو اس کا احساس ہوتا، مگر ایسی حالت میں بھی نوافل، اوابین وغیرہ بیٹھ کر پڑھنے کی عادت نہیں تھی۔

مولانا ہدایت اللہ صاحب مرحوم نے سنایا ہے کہ ایک مرتبہ پودوکوٹے سے ترچی بس کا سفر کرتے ہوئے ہمیں امید تھی کہ عصر کی نماز ترچی میں ادا کرلیں گے مگر بس تاخیر سے چل رہی تھی عصر کی نماز کا وقت ختم ہونے کا اندیشہ تھا پریشانی کی وجہ سے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو کپکپی طاری ہوگئی اچانک ریلوے گیٹ بند ہوگئی تو اتر کر قصر دو رکعت نماز ادا کی تو سکون ہوگیا۔

اپنے تلامذہ کی خوب حوصلہ افزائی فرماتے تھے، خصوصا وہ طلبہ جن کے اندر صلاحیت ہوتی تھی، شوقین ہوتے تھے آپ ان کی خوب رعایت اور حوصلہ افزائی فرماتے تھے۔ مجھے باقیات صالحات میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے بخاری شریف پڑھنے کا شرف حاصل ہوا میں اور میرے ساتھی محمد حنیف ہم دونوں درسگاہ میں بالکل آگے رہتے تھے اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے درس بخاری کو جو گنجینۂ علم و عرفان کا مصداق ہوتا تھا باقاعدہ قلمبند کرتے تھے۔ سال بھر نے بڑی پابندی کے ساتھ روزانہ کے اسباق لکھتے تھے اور شام کو آپس میں اس کا مذاکرہ کرتے تھے، پھر عربی زبان میں ترجمہ کرتے تھے اس طرح میرے پاس تین کاپیوں کا مجموعہ جمع ہوگیا تھا سوئے اتفاق سال کے آخر میں ایک دن درسگاہ تاخیر سے پہنچا اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ سبق شروع کرنے سے پہلے باقاعدہ نظر فرماتے، جب تک ہم لوگ نہیں آتے سبق شروع نہیں فرماتے تھے اس وقت درسگاہ میں سارے طلبہ بیٹھ چکے تھے مگر حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے میرا حوصلہ نہیں توڑا بلکہ ساتھیوں سے درخواست کی کہ بھائی ان کو جگہ دے دیں۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں مشہور تھا کہ جو طالب علم آپ کی کتاب میں زیادہ نمبر لیتا آپ مدرسے کے علاوہ خود اپنی جانب سے بھی انعام دیا کرتے تھے۔

کچھ یادیں کچھ باتیں

حضرت مولانا مفتی شکیل صاحب نقشبندی دامت برکاتہم

نائب ناظر مدرسہ باقیات الصالحات، ویلور

اللہ تعالی شانہ کا فرمان ہے ''ونکتب ما قدموا واٰثارھم (سورۃ یس)

ترجمہ: ہم لکھتے ہیں ان کے اعمال بھی اور ان کے آثار بھی۔ انسان کا ایک عمل ہوتا ہے اور ایک اس کا اثر اور ثمرہ۔ علماء کرام نے اس کو مثالوں سے سمجھایا ہے کہ ایک مدرس طلبہ کو سبق پڑھاتا ہے، درس دیتا ہے، یہ اس کا عمل ہے، طلبہ اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور دوسروں کو پڑھاتے ہیں فائدہ پہنچاتے ہیں یہ اس کا اثر ہے، ایک واعظ اور مقرر بیان کرتا ہے، یہ اس کا عمل ہے اور لوگ ان باتوں پر عمل پیرا ہوتے ہیں، یہ اس کا اثر ہے۔ ایک مصنف کتاب تصنیف کرتا ہے اور لوگ صدیوں تک اس تصنیف سے مستفید ہوتے ہیں، یہ اس کا اثر ہے۔ الغرض آثار میں نتائج فوائد ، اثر وثمر سب شامل ہیں۔ امیر شریعت حضرت اقدس مولانا محمد یعقوب صاحب وشارمی قاسمی رحمۃ اللہ علیہ بجا طور پر اس آیت کے مصداق ہیں کہ آپ کے اعمال بھی انوکھے تھے اور ان کے اثرات وثمرات بھی دیر پا رہیں گے۔ انسان کے اندر کچھ چیزیں لازمی ہوتی ہیں اور کچھ متعدی، حضرت رحمۃ اللہ کی زندگی میں جو لازمی چیزیں تھیں وہ بھی بے شمار ہیں۔ آپ کی علمی گہرائی وگیرائی، عملی پابندی ومستقل

مزاجی، مسلکی تصلب اور اوقات کی پابندی وغیرہ۔

ارادہ ہوا کہ کچھ وہ باتیں جو حضرتؒ کی حمیت وحمایت دینی کو ظاہر کرتی ہیں پیش کی جائیں۔ ایک مرتبہ حضرتؒ نے فرمایا کہ جب بھی میں وشارم سے مدراس کے لئے روانہ ہوتا ہوں اور راستہ میں کانچی پورم (Kanchipuram) (جو کافروں کا گڑھ ہے) پر سے گذرتا ہوں تو دل میں ارادہ ہوتا ہے کہ یہاں دین کی اور قرآن کی آواز بلند ہونی چاہئے۔ اور کوئی مدرسہ قائم ہونا چاہئے تاکہ اس کفرستان میں کفر کمزور ہوجائے۔ چنانچہ ایک روز حضرتؒ نے اچانک مولانا حافظ وقاری محمد ہدایت اللہ صاحب باقویؒ اور حضرت مولانا مفتی ابوالحسن صاحب قاسمی کو کانچی پورم روانہ کردیا کہ وہاں جاکر لوگوں کو اس پر آمادہ کریں۔ حسن اتفاق کہ وہ جمعہ کا دن تھا نماز جمعہ سے قبل حضرت مولانا ہدایت اللہ صاحبؒ نے تقریر فرمائی۔ لوگوں کو ترغیب دی اور مدرسہ کی تشکیل کی۔ جس پر الحمد للہ لوگ تیار ہوگئے۔

اس عاجز نے ایک موقع پر تقریر میں یہ بات کہی کہ جیسے اس مدرسہ کا نام سراج الہدی رکھا گیا ہے ان شاء اللہ یہ مدرسہ پورے علاقے کے لئے سراج وچراغ ہدایت ثابت ہوگا۔ اللہ پاک کی شان کہ وہاں قرآن پاک کی آواز گونجنے لگی، اور ان آنکھوں نے وہاں کفر کا زور ٹوٹتا دیکھا۔

اسی طرح حضرتؒ فرق باطلہ کے کسی علاقے میں پہنچنے اور پھیلنے کی بات سنتے تو فوراً ارباب فکر کو جمع فرماتے کہ اس کا تعاقب کس طرح کیا جائے؟ فوراً وفود

روانہ فرماتے، اجتماعات منعقد فرماتے، ان دنوں میں حضرتؒ کے اندر ایک بے چینی اور بے قراری کی کیفیت صاف محسوس ہوتی تھی۔ بقول مفکر اسلام حضرت اقدس مولانا علی میاں ندویؒ: ’’ایک چیز ہوتی ہے حمایت اور ایک ہوتی ہے حمیت پھر فرماتے کہ حمایت: دین کی مدد کرنے اور ساتھ دینے کو کہتے ہیں جب کہ حمیت دین کے لئے گھلنے اور پگھلنے کو کہتے ہیں۔ انسان کے اندر یہ احساس جاگے کہ میرے جیتے جی یہ کیا ہو رہا ہے نیز اس کو کسی گھڑی چین نہ آئے۔ ہم نے حضرتؒ میں یہ بات دیکھی، یہ چند باتیں مشتے از خروارے کے ہیں ورنہ سفینہ چاہئے اس بحر بے کراں کے لئے۔

اب ذیل میں چند وہ باتیں پیش کی جارہی ہیں جو حضرتؒ نے ہم چھوٹوں کو مدرسہ کاشف الہدیٰ مدارس میں تربیت کے طور پر فرمائی تھیں۔

۴/اپریل ۱۹۹۳ء کو یہ عاجز حضرتؒ کی دعوت پر کاشف الہدیٰ بغرضِ خدمت حاضر ہوا، حضرتؒ کے حجرہ میں داخل ہوتے ہی، حضرتؒ نے گھڑی کی طرف نظر فرماتے ہوئے سوال فرمایا: ابھی پہنچے ہو؟ بندہ کو مدرسہ کے اصول وضوابط سے آگاہی نہیں تھی، اور جماعت تبلیغ میں سال لگا کر سیدھے دہلی سے مدراس پہنچا تھا جواباً عرض کیا: حضرت ریل سے اتر کر سیدھے مدرسہ پہنچا ہوں۔ فرمایا ٹھیک ہے دفتر میں جا کر ۸-۵۰ کا وقت لکھ کر دستخط کردو۔

یہ زندگی کا پہلا سبق تھا کہ کسی بھی کام کے لئے وقت پر پہنچنا ہے۔ اگلے

سال نمازِ فجر ہی میں مدرسہ پہنچ گیا اور نماز کے بعد حضرتؒ سے ملاقات کی تو فرمایا: اب پہنچے ہو؟ دوسرے اساتذہ سے تو رات ہی کو ملاقات ہوگئی۔ یہ زندگی کا دوسرا سبق تھا کہ کسی بھی کام کے لئے وقت سے پہلے تیار رہنا ہے۔ پھر اساتذہ سے معلوم ہوا کہ ۱۱/شوال کی رات ہی کو ملاقات کر لینے پر حضرتؒ کو آرام سے نیند آتی ہے اور ۱۱/شوال کے دن صبح ۸ بجے مشورہ ہوتا ہے تو اس سے پانچ منٹ قبل ہی تمام اساتذۂ کرام حضرتؒ کے کمرہ میں داخل ہوجاتے ہیں اور ۸ بجے گھنٹی بجتے ہی داخلہ کی کارروائی شروع ہوجاتی ہے۔ کیا مجال کہ کوئی استاذ 7.55 سے تاخیر کرے۔ یہ پابندی وقت کی ایک مثال تھی، اسباق کے سلسلہ میں فرماتے کہ کماً وکیفاً پورے ہوں یعنی مقدار خواندگی کا بھی پورا خیال رکھا جائے، اور کیفیت کا بھی۔ یعنی ہم کام کے بھی پابند ہیں اور وقت کے بھی۔

یہ عاجز جب خدمت کی غرض سے حاضر ہوا تھا تو اردو شعبہ کا آغاز ہوئے دو تین سال ہی ہوئے تھے، حضرتؒ کے علاوہ اردو شعبہ میں حضرت مولانا مفتی ابوالحسن صاحب قاسمی، حضرت مولانا محمد یاسین صاحب قاسمی اور عاجز ہی تھے۔ حضرتؒ فرماتے: اسباق کو مطالعہ کر کے پڑھائیں اور مقام مغلق ہو تو آپس میں حل فرمالیں اور میرے پاس آکر حل کرانے میں کوئی تکلف نہ کریں۔ الحمدللہ اس عاجز کی خوش قسمتی ہے کہ عاجز نے حاضر خدمت ہو کر حضرتؒ سے بعض مغلق مقامات کو حل کیا۔ نمازوں میں اساتذہ کی حاضری پر خاص توجہ فرماتے، تمام اساتذہ مسجد میں با

جماعت نماز ادا کرنے کے عادی تھے اور فرماتے تھے اس سے طلبہ میں نماز کا اہتمام پیدا ہوگا۔ ہفتہ واری تبلیغی جماعت کی روانگی کے وقت اساتذہ کی حاضری کو بہت اہمیت دیتے تھے اگر چہ وہ چھٹی کا وقت ہوتا تاہم فرماتے کہ اس سے اس کام کی اہمیت طلبہ کے دلوں پیدا ہوگی، اساتذہ کے لئے یہ ایک صبر آزما مرحلہ ہوتا تھا۔

اگر چھٹی عنایت فرماتے تو اس کے ایک دن قبل ہی مقدمہ باندھنا پڑتا تھا پھر عین وقت پر درخواست پیش کرنی ہوتی تھی اور کبھی وجہ دریافت فرماتے اجمالاً بیان کی صورت میں تفصیل بھی طلب فرماتے، یہ سب تربیت کے لائق کی چیزیں تھیں جس کا اندازہ بعد میں ہوا۔

امتحان کے ایام میں اساتذہ کو مدرسہ میں رہنے کا پابند بناتے مبادا طلبہ کو دوران مطالعہ کوئی اشکال پیش آجائے۔ ہمارے درس کے ساتھی حضرت مولانا محمد یاسین صاحب قاسمی جو طبعا ظریف ہیں مزاحا فرمایا کرتے کہ طلبہ کو سبق میں کوئی اشکال آئے یا نہ آئے مگر یہ اشکال ضرور آتا ہوگا کہ اساتذہ ایام امتحان میں بھی مدر سہ کیوں رہتے ہیں؟ یہ چند باتیں تھیں جو سپرد قلم کردی گئیں۔ قارئین کرام کو اس عا جز کی تحریر پڑھنے میں بدمزگی محسوس ہوئی ہوگی، اس عاجز نے قمری اعتبار سے ۱۹ سال حضرتؒ کے زیر سایہ خدمت کرنے کی سعادت حاصل کی مگر جس قدر فائدہ اٹھانا تھا فائدہ اٹھا نہیں سکا۔ اللہ تعالی حضرتؒ کو اپنی شایانِ شان جزائے خیر عطا فرمائے اور آپ کے فیض کو تا قیامت جاری رکھے۔ (آمین)

ایک ستودہ صفات حامئ ملت بیضاء

حضرت مفتی محمد اشفاق حمید صاحب پرتاپ گڈھی
استاذ حدیث وفقہ معہد العلوم پلمنیر

راقم الحروف خلاف توقع بلکہ خلاف تصور شوال ۱۴۱۶ھ میں اپنے ایک محسن ومشفق داالعلوم دیوبند کے استاذ حدیث وادب ونائب مہتمم مولانا عبدالخالق صاحب مدراسی کے ایماء پر مفتاح العلوم، میل وشارم پہنچ گیا۔ کچھ تدریسی ذوق کے بناء پر اپنے اساتذہ کے مشوروں کے ساتھ سولہ سال وہاں گذار دئے۔

ان سولہ سالوں بلکہ ان سے بیشتر سے تادم زیست حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ وشارمی سابق رکنِ شوریٰ دارلعلوم دیوبند مذکورہ ادارہ مفتاح العلوم کے ایسے بااختیار سرپرست رہے کہ اس کے اکثر اہم معاملات با لخصوص تعلیمی سارے امور ان کے مشوروں اور ان کی نگاہِ باصواب کے سامنے سے گذرے بغیر آگے نہیں بڑھ سکتے تھے۔ اس طویل مدت میں اس شخصیت کو بار بار دیکھنے سمجھنے اور مستفید ہونے کے زرین مواقع سامنے آئے، اس حوالے سے

کچھ تاثرات درجہ ذیل ہیں۔

سادگی:

حدیث میں پڑھا **عن ابی امامة ایاس بن ثعلبه قال قال رسول اللهﷺ الا تسمعون الا تسمعون ان البذاذة من الایمان ان البذاذة من الایمان رواه ابو داؤد (مشکوة ۳۷۵) وعن ابن عمر** رضی اللہ عنہ **قال قال رسول الله** ﷺ **من لبس ثوب شهرةٍ في الدنیا البسه الله ثوب مذلة یوم القیامه رواه احمد و ابو داؤد و ابن ماجة وعن سوید ابن وهب عن رجل من ابناء اصحاب النبی** ﷺ **عن ابیه قال قال رسول الله** ﷺ **من ترک لبس ثوب جمالٍ وهو یقدر علیه و فی روایتٍ تواضعاً کساه الله حلة الکرامة رواه ابو داود ورواه الترمذی عنه عن معاذ ابن انس (مشکوة صفحه نمبر ۳۷۵)** ترجمہ: (۱) سادگی ایمان کا حصہ ہے (۲) جو دنیا میں شہرت کا لباس پہنے گا اللہ اس کو قیامت کے دن ذلت کا لباس پہنائیں گے (۳) جو قدرت کے باوجود تواضعا خوبصورتی کا کپڑا چھوڑ دے، اللہ اس کو عزت کا جوڑا پہنائیں گے اور اکابر عظام کے سادگی کے قصے و واقعات سنے پھر مولانا مرحوم کی زندگی میں کامل طور پر مشاہدہ کیا کہ ایک نہج کا سیدھا سادھا کرتہ (جبہ) دھاری دارلنگی، بالکل سادی سی دو پلی ٹوپی، سلیپر چپل اور صفائی کے لئے ایک دستی، پہننے کے تعلق سے ہمیشہ یہی ان کی کل کائنات تھی، ہم نے کبھی اس میں تخلف اور بدلاؤ نہیں پایا، کروفر، قابل دید لباس اور پہناؤ میں تنوع

،ان کے مزاج اور طبیعت سے کوسوں دور تھا۔

خاموش مزاجی:

قرآن کریم میں ہے **والذین هم عن اللغو معرضون** (وہ ایمان والے کامیاب ہو گئے) جو بے فائدہ باتوں سے دور رہتے ہیں (پ۱۸ آیت ۳) دوسری جگہ ہے **ما یلفظ من قول الا لدیه رقیب عتید** (وہ کوئی بھی بات زبان سے نکالتا ہے تو اس کے پاس ایک نگران تیار رہتا ہے (پارہ ۲۶ آیت ۱۸) جب کہ حدیث میں ہے (۱) **من یضمن لی ما بین لحییه و ما بین رجلیه اضمن له الجنة**، جو آدمی اپنے دونوں جبڑوں کی درمیان زبان کے اور اپنے دونوں پیروں کے درمیان شرمگاہ کی ضمانت میرے سے لے لے تو میں اس کے لئے جنت کی ضمانت لیتا ہوں (مشکوة ص ۴۱۱) نیز دوسری حدیث مشہور ہے **من صمت نجا** یعنی جو خاموش رہا نجات پایا (مشکوة ص ۴۱۳)۔

اس طرح کی آیات واحادیث زبان کی حفاظت پر بہت زور دیتی ہیں، اس لئے اس پر توجہ پر خاص و عام کو کرنا چاہیے، مگر بالعموم کوتاہی اور غفلت نظر آتی ہے لیکن مولانا مرحوم اس حوالہ سے انتہائی ممتاز اور بے مثال زندگی گذار گئے، کسی نے کہا تھا ۔خاموش مزاجی تجھے جینے نہیں دے گی، اس دہر میں رہنا ہے تو کہرام مچا دو لیکن مولانا کے لئے ترمیم کرنا ہوگا کہ خاموش مزاجی ہی تجھے جینے دے گی۔ اس دہر میں رہنا ہے تو خاموش رہ کے دیکھا دو۔ یا پھر کہنا ہوگا کہ خاموشی کے ساتھ کایہ پلٹ

کام کر جانا یہی ان کا بجا کہرام تھا جو مؤثر بھی ہوتا نتیجہ خیز بھی، چنانچہ وہ کبھی کسی چوک پر صرف نگاہوں سے ہی اصلاح کرتے کہ چوک کرنے والا متنبہ ہو جاتا اور آئندہ بہت محتاط رہتا اور ایک دو لفظ یا ایک دو جملوں سے بڑی مؤثر بات کہہ جاتے، خلاصہ یہ کہ ان کی گفتگو۔ **خیر الکلام ماقل و دل و لم یطل فیحل** کا کامل مصداق ہوتی۔

انگشت نمائی سے دوری:

زندگی اس شان سے گذاری کہ کسی کو انگلی اٹھانے کا موقع ہی نہ ملے، اپنی بود و باش، خورد و نوش، نشست و برخاست، نقل و حرکت، گفت و شنید، اظہار مسرت و شادمانی، حزن و ملال، شادی بیاہ، اور دوسروں کی تقریبات میں شرکت اور ان جیسے بہت سے زندگی سے متعلقہ امور میں ایسی احتیاط آمیز راہ اپنا گئے کہ کسی کو انگشت نمائی موقع ہاتھ نہ آیا چنانچہ کسی بھی جلسہ میں اسٹیج پر بیٹھنا خلاف طبع اور گراں بارِ خاطر تھا، کسی نے شاید کبھی بیٹھا دیکھا ہو۔

مرھونِ منت ہونے سے احتیاط مدراس (چنئی) ایک اہم کاروباری صوبع ہے مسلمان بھی پوستین کے کاروبار میں امتیازی شان رکھتے ہیں۔ اس میں میل وشارم نہ صرف صوبائی اعتبار سے بلکہ ملکی سطح پر خصوصی اوصاف کا حامل ہے، وہاں ثروت و دولت ہونے کے ساتھ دینی راہوں میں خرچ کرنے کا مزاج اور بعض طبائع میں اس کا حظ وافر ہے۔ اہل اللہ سے تعلق ان پر نچھاور ہونے اور بہت کچھ قربان کر دینے کا بے پایاں جذبہ مخفی نہیں ہے، وہاں کے اہل ثروت مولانا مرحوم سے معتقدانہ

تعلق رکھتے بلکہ یوں کہا جا سکتا ہے نچھاور مگر یہاں بے پناہ استغنا، اور کسی کا گراں بار احسان ہونا، قطعاً گوارا نہ ہوتا، آپ کی مستغنی طبیعت اس سے اباء کر جاتی، لوگوں کا اصرار ایک طرف اور اپنا استغناء، آپنی غیرت اور اپنی خودداری ایک طرف کیا مجال اس میں بال برابر اثر آ جائے، پھر تو نوبت با ایں جا رسید کہ لوگ اصرار کرنے خوف کھاتے کہ کہیں جنبش لب حرکت کر جائے اور ہر آنکھ اٹھ جائے جس میں بھرپور اظہار طبع شکن ہو جائے۔ زندگی کا ایک خاص چلن، سفر حیات کا ایک طرز کہن اور گمنامی و شہرت سے دوری کا شوق و لگن تھا۔ جو ان کو بہتوں بہت کر گیا۔

علمی استعداد اور تدریسی امتیاز:

مرحوم بہت ٹھوس صلاحیت کے مالک تھے، یکسوئی اور انہماک کے دلدادہ رہے مرحوم نے خود ہم سے اپنی مجلس میں بتایا ہے کہ استاذ محترم مولانا عبد الہادی صاحب پرتاپگڈھی نے اس کی تائید بھی کی (دونوں ہدایہ اول کے ہم درس رہے) کہ ایک موقع پر دار والعلوم میں اسباق کے توقف کا ماحول بن گیا، کچھ افراتفری سے ہو گئی اس ماحول میں بھی مرحوم حسب معمول بر وقت کتاب لئے، درسگاہ کی طرف روانہ ہوئے بعض طلبہ نے تعرض کیا تو مولانا عبد الہادی صاحب بیچ میں آئے اور ان کو یہ کہکر ہٹایا خود بھی نہیں پڑھتے اور پڑھنے والے کو پڑھنے بھی نہیں دیتے اس یکسوئی اور انہماک کی بنا پر دار العلوم کے ممتاز طالب علم تھے، چنانچہ دارلعلوم کے پچاس سالہ استاذ اور صدر مدرس مولانا معراج الحق صاحب جو حافظ ہدایہ سے

مشہور تھے اور دارالعلوم کے علمی عروج والے دور اور اس وقت کی مختلف اہم شخصیات کے فیض یافتہ تھے، طلبہ کی کمیت سے کہیں زیادہ کیفیت کے قائل تھے، ذہین، محنتی اور انتہائی باکمال طلبہ کو پسند کرتے ،قریب کرتے اور ان سے خوش ہوتے ،مولانا مرحوم ان کے خاص شاگرد اور معتمد علیہ طلبہ میں سے تھے اور دیگر کتب کے ساتھ ہدایہ میں بڑے امتیازی نمبرات کی وجہ سے اساتذہ اور طلبہ میں نمایاں تھے۔اس امتیازی لیاقت کی بناء پر جو کتاب پڑھاتے اس کا حق اداء کر تے ،آپ کے بعض شاگردوں سے معلوم ہوا کہ مضمونِ سبق دل میں اتار دیتے۔

کئی زبانوں پر قدرت:

عربی ،فارسی ،اردو،انگریزی اور تمل زبانوں پر مناسب گرفت تھی ،ان میں اردو اور تمل اچھی بولتے تھے،جنوب میں ہونے کے باوجود زبان شستہ تھی ،تمل کے بارے میں آپ کے بعض شاگردوں نے کہا کہ فصیح زبان بولتے تھے۔

ذمہ داریاں:

حق اور اہل حق کا ترجمان دارالعلوم دیوبند کے باوقار رکنِ شوریٰ رہ کر عرصۂ دراز تک پورے جنوب کے لئے نمائندہ تھے ۔کاشف الہدیٰ مدراس کے شیخ الحدیث اور صدرِ مدرس رہے جب کہ امیر شریعت تمل ناڈو ہونے کے ساتھ مختلف مدارس کے سرپرست رہے۔

مفتاح العلوم وشارم کی ترقی کا ایک راز:

راقم الحروف مفتاح العلوم آیا تو طلبہ کی تعداد پونے دوسو تھی ،دو چار سال میں ہی اس کے کوٹے (۵۰۰) سے طلبہ تجاوز ہو گئے ، تقابلہ امتحان اور مختلف شرطوں سے پابندی لگانی پڑی مرحوم مہمان خانہ میں تشریف لاتے اظہارِ مسرت کیا اور کیفیت پر توجہ دینے کی طرف متوجہ کیا چنانچہ اس کا تعلیمی معیار پورے جنوب میں چھا گیا ،دارالعلوم دیوبند میں تمام یا اکثر طلبہ کامیاب ہوتے لگا تار کئی سال دارالعلوم دیوبند میں اول دوم سوّم پوزیشن لاتے رہے حتی کہ اس کے تعلیم اساتذہ دارالعلوم اور دیگر بہت سے ذی علم کے زبانوں پر رہی ،ادھر آٹھ نو سال کے بارے میں تو میں کچھ نہیں کہہ نہیں سکتا تاہم سنینِ ماضیہ میں اس کا تعلیمی عروج مسلم رہا اس کا تعلیمی وتربیتی ترقی میں جہاں دیگر عوامل ومحرکات کارفرما رہے۔وہیں مولانا مرحوم کے سرپرستی ونگرانی قوی سبب رہی۔

نصاب کی گرفت:

دارالعلوم دیوبند کے الہانی ’’اصول ہشتگانہ ہیں‘‘ جن کے اردگرد ہی اس کی چکی گھومتی ہے،ان میں ایک اہم اصول مجوزہ مقدار نصاب کی تکمیل ہے۔مرحوم کاشف الہدیٰ اور اپنے سرپرستی کے مدارس بالخصوص مفتاح العلوم جہاں وہ کمالِ با اختیار رہے، تکمیل نصاب پر خاص دھیان رکھتے اور کسی طرح کے تخلف کو روا نہ رکھتے ۔چنانچہ میرا اپنا واقعہ ہے،میرے دوسرے سال جب جماعت ہفتم قائم

ہوئی تو ہدایہ ثالث مجھ سے متعلق ہوئی، علماء اس کی کیفیت کو بخوبی جانتے ہیں نصاب ۲۷۳ صفحہ مکمل تھا۔ پہلا سال کوشش تو کی گئی مگر تیس صفحہ پر مشتمل کتاب المکاتب چھوڑنا پڑا اور لکھ دیا ''باستثناء کتاب المکاتب'' نصاب مکمل، ناظمِ تعلیمات مفتی ریاض صاحب نے کہا: یہ دیکھ کر حضرت مرحوم نے فرمایا چاروں ہدایہ میں سے کسی ایک میں ایک صفحہ بھی نہ چھوڑنا چاہیے، اس کے بعد لگاتار میں نے چودہ سال ہدایہ ثالث پڑھائی اور ہر سال بحمدہ تعالیٰ مکمل ہوئی۔

اکابر کے فیض یافتہ:

دارالعلوم دیوبند میں بڑے بڑے جبالِ علم سے مولانا کو استفادہ کا زریں موقع میسر آیا ہے، جیسے حضرت علامہ ابراہیم بلیاویؒ اور مولانا سید فخر الدینؒ وغیرہ، جبکہ حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنیؒ سے باقاعدہ تلمذ کی سعادت تو نہ ملی البتہ قریب سے بارہا زیارت کا شرف ملا کہ حضرت مدنیؒ کی وفات ہوئی تو مولانا دارالعلوم میں زیر تعلیم تھے اور ان کی وفات پر دیوبند و اطراف میں جو کہرام بپا ہوا، اس کا بڑے درد بھرے انداز میں تذکرہ فرماتے۔ نیز حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحبؒ جو آخر کے بہت بافیض بزرگوں میں سے ہیں، ان سے بہت قریب رہکر مستفید ہوئے، چنانچہ حضرت کی ڈاک مولانا سے ایک زمانہ متعلق رہی نتیجۃً اُن اکابر کی زندگی اِن کی حیات میں ہویدا رہی۔

تذکرہ اکابر:

ہمارے اکابر و اسلاف اپنے علوم ظاہری، معرفت باطنی اور خلوص وللّٰہیت کی بنا پر صحابہ صفت تھے، ایک بڑے عالم سے سنا کہ قسم کھا کر کہا جا سکتا ہے کہ ان کے تذکرے سے ایمان تازہ ہوتا ہے، چنانچہ مولانا مرحوم کا کوئی بیان اور کوئی مجلس ان کے تذکرے سے خالی نہ ہوتی بالخصوص حضرت مدنی کا تذکرہ بارہا بڑے والہانہ انداز میں کرتے۔

خدمت تحفظِ مسلکِ حق:

مخالفت کی ہواؤں بلکہ تھپیڑوں کے باوجود حکمت، دوراندیشی اور مزاج شناسی کے خصوصی وصف کے ساتھ، رجال سازی اور ذہن سازی کے ذریعہ مسلک حق (مسلک علماء دیوبند) کی خاموش اور موثر اور نتیجہ خیز خدمت انجام دے گئے، پچیس تیس سالہ یا اس سے کچھ زائد عرصہ میں ان کی خدمت کا ہر حساس اور حالات پر نگاہ رکھنے والا معترف ہوگا۔ حضرتؒ پر مزید بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے، ہمیں اوائل رجب میں کچھ خامہ فرسائی کا حکم ہوا جبکہ تکمیل نصاب کی وجہ سے اسباق کی ہماہمی اور کچھ خانگی مصروفیات کی وجہ سے زیادہ وقت نکالنا مشکل ہوگیا۔

خدا مرحوم کے درجات بلند فرمائے پسماندگان اور متعلقین کو انکے نقش قدم پر چلنے کی توفیق ارزاں فرمائے۔

چند نا قابل فراموش یادیں

حضرت مولانا مفتی محبوب الرحمٰن صاحب زید مجدہم
استاذ مدرسہ کاشف الہدیٰ چنئی

انسان کی پیدائش موت ہی کیلئے ہے، ہر چیز اور مخلوق کو فنا ہے، اگر بقا ہے تو صرف وحدہ لاشریک لہ کی ذات کیلئے ہے، اس دنیا میں ار بہا ارب لوگ آئے اور اپنی حیاتِ مستعار کے لمحے گزار کر حقیقی منزل کی طرف رواں دواں ہو گئے لیکن بعض افراد وہ ہوتے ہیں، جن کی روح تو جسم سے نکل جاتی ہے اور وہ آسودۂ خاک بھی ہو جاتے ہیں لیکن ان کی یادیں صدیوں تک دلوں میں رہ جاتی ہیں، ان کا نام رہتی دنیا تک روشن و تابناک رہتا ہے، اور ایسے ستودہ صفات بلند اخلاق و کردار کے حامل ہوتے ہیں کہ لوگ ان کے اخلاق ،کردار ، عادات واطوار ، افکار ونظریات ،عبادات ومعاملات سے متأثر ہو کر انکو اپنی زندگی کے کیلئے مشعلِ راہ بنا لیتے ہیں معاشرے کا ہر فرد ان سے کچھ نہ کچھ نہیں بلکہ بہت کچھ سیکھتا ہے، اور ان باتوں پر عمل کر کے اپنی آخرت سنوارتا ہے۔

ایسے ہی عظیم، نا قابلِ فراموش اور قابلِ تقلید شخصیات میں ہمارے بڑے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ قاسمی سابق رکن شوریٰ دارالعلوم دیوبند بھی ہیں ذیل میں حضرتؒ سے وابستہ کچھ یادیں ذکر کی جاتی ہیں۔

اندازِ خطابت:

راقم الحروف جب مدرسہ مفتاح العلوم میل وشارم میں زیر تعلیم تھا، اس وقت سے بندے کو حضرت والاؒ سے عقیدت و محبت تھی ، ہر ماہ کے پہلے جمعہ میں حضرتؒ کا جمعہ کا بیان پاکتنی مسجد میل وشارم میں ہوتا تھا، بندے کے ساتھ ساتھ اساتذہ وطلبہ اور اہلیان وشارم کو اس بیان کا شدت سے انتظار رہتا تھا جب وہ دن آتا تو لوگ دور دور سے مختلف محلوں سے حضرتؒ کا بیان سننے کیلئے دیوانہ وار امنڈ کر آتے ،حضرتؒ کی تشریف آوری سے پہلے ہی مسجد کچھا کچھ بھر جاتی اور حضرتؒ اپنے مقررہ وقت پر مسجد تشریف لاتے ،اور پہلی صف کی داہنی جانب کھڑے ہو کر اپنے مخصوص انداز میں دو کلی ٹوپی درست فرماتے ،اور نرالے انداز میں اپنے ہاتھ کی گھڑی میں وقت کا معائنہ فرماتے ، پھر بڑے وقار اور سکون کے ساتھ سنت ادا فرماتے ، پھر جب بیان کا وقت ہوتا تو منبر کی طرف رخ فرماتے اور اس پر بیٹھ کر تقریر فرماتے ،حضرتؒ اگر چہ شعلہ بیان وخطیب نہیں تھے ،لیکن اللہ تعالیٰ نے خطابت کا ایسا ملکہ عطا فرمایا تھا کہ کبھی کسی سننے والے کو اکتاتے ہوئے نہیں دیکھا گیا، بلکہ ہر شخص نہایت انہماک سے حضرتؒ کی باتوں کو سنتا تھا اور عمل کا پختہ ارادہ لیکر اٹھتا تھا۔حضرتؒ کا خطاب بڑا ہی پر مغز مرتب اور مدلل ہوتا تھا، اور اکابرِ دیوبند کے واقعات واحوال سے سرشار ہوتا تھا۔اسی کا یہ اثر ہے کہ شمالی آرکاٹ کا سارا علاقہ کیا عالم کیا عامی ،سب کے سب علماء دیوبند سے بے پناہ عقیدت ومحبت

رکھتے ہیں ہر مسئلہ میں ان کے فیصلہ کو حرف آخر تسلیم کرتے ہیں۔

حضرتؒ کے خطاب میں علم وللّٰہیت کا ایسا حسین امتزاج تھا کہ براہِ راست سامع کے دل پر اثر انداز ہوتا تھا حضرتؒ کے بیان میں درد ہوتا تھا، امت کی اصلاح کی تڑپ ہوتی تھی، قوم کی روحانی و مادی ترقی کی فکر ہوتی تھی، بے شمار لوگوں نے حضرتؒ کی باتوں سے متاثر ہوکر اپنی زندگیاں بدل ڈالیں۔ حضرتؒ نے جب کبھی معاشرے میں پنپنے والی کسی برائی کی طرف انگلی اٹھائی تو بڑی حکمت کے ساتھ عام فہم انداز میں اسطرح بیان کیا کہ ہر شخص اپنا جائزہ لینے پر مجبور ہوجاتا تھا اور برائی میں مبتلاء شخص اس کو چھوڑنے پر فوراً آمادہ ہوجاتا تھا۔ اسی طرح آپ نے بے شمار فتنوں کا سد باب کیا اور بدعات وخرافات کا قلع قمع کیا۔

دو قیمتی نصیحتیں:

اللہ رب العزت نے بندۂ ناچیز کو فراغت کے بعد حضرتؒ ہی کے مدرسہ میں خدمت کرنے کا زریں موقع عنایت فرمایا الحمدللہ یہ خدمت تا حال جاری ہے۔ خدمت کے پہلے سال اسباق شروع ہونے سے پہلے بندہ حضرت والا کی خدمت میں حاضر ہوا اور نصیحت کی درخواست کی تو حضرتؒ نے بڑی قیمتی نصیحتیں فرمائیں اور خاص طور پر دو چیزوں کو اپنانے کی طرف توجہ دلائی۔ (۱) رواداری یعنی تم کسی چیز کے مستحق تھے مگر وہ چیز کسی دوسرے استاذ کو دیدی جائے تو چھوڑ کر دیدو اور اپنے استحقاق کو جتانے کے چکر میں نہ پڑو۔ (۲) مدرسہ کے انتظامی امور

میں دخل نہ دو یعنی انتظامیہ کوئی چیز طے کرے اور وہ تمہاری چاہت کے خلاف ہو تو اس پر طلباء کے سامنے تبصرہ نہ کرو اللہ تعالیٰ بندہ کو عمل کی توفیق عطاء فرمائے۔

خورد نوازی:

مدرسہ میں آنے والے ہر ایک جدید مدرس کو حضرتؒ تاکید فرماتے تھے کہ ایک سال کے اندر اندر نکاح کی سنت سے فارغ ہوجائیں جب بھی انفرادی طور پر ملاقات ہوتی تھی تو حضرتؒ بہت اہتمام سے اس بارے میں دریافت فرماتے اور بار بار اس پر دوسرے اکابر اساتذہ کے توسط سے توجہ دلاتے ہم سب جانتے ہیں کہ اسمیں بے شمار حکمتیں پنہاں ہیں چناں چہ حضرتؒ اپنی اسی معمول کے مطابق خدمت کے پہلے سال بندہ سے اس بارے میں بار بار دریافت فرماتے رہے آخر کار بندہ کا رشتہ طے ہوگیا اور تاریخ بھی طے ہوگئی تو بندہ نے جب حضرتؒ سے اس کا تذکرہ کیا تو حضرتؒ بہت خوش ہوئے اور پوچھا مولوی صاحب! نکاح کے اخراجات کا کیا کرو گے؟ مطلب یہ تھا کہ ضرورت ہو تو مدرسہ سے قرض لے لو تو بندہ نے اپنے بچکانہ انداز میں کہا حضرت میرے ماموں جان بڑے مالدار ہیں انشاءاللہ ان سے ضروریات پوری ہوجائیں گی چوں کہ حضرتؒ استغنائیت کے بادشاہ تھے اس لئے حضرتؒ کو یہ جواب پسند نہیں آیا مگر خاموش رہ گئے چند دن بعد خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ بندہ کو اور روپیوں کی ضرورت پڑ گئی تو بندہ نے حضرتؒ سے روپیوں کی ضرورت کا اظہار کیا تو حضرتؒ نے دبے ہونٹوں سے مسکراتے ہوئے فرمایا مولوی صاحب! تم

تو کہہ رہے تھے کہ ماموں مالدار ہیں؟ بندہ بہت شرمندہ ہوا۔

اس کے بعد حضرتؒ نے مدرسہ کے منشی صاحب کو بلا کر فرمایا کہ ان کو میرے اکاؤنٹ میں سے ۲۰ ہزار روپئے نکال کر دو، اور مجھ سے فرمایا مولوی صاحب! ہر ماہ تھوڑی مقدار اپنی تنخواہ سے منشی صاحب کے حوالہ کردو، وہ میرے اکاؤنٹ میں جمع کردیں گے، جب قرض کی مقدار پوری ہوجائے تو مجھے اس کی اطلاع کردو، چناچہ بندے نے اس پر عمل کیا۔ اس واقعہ سے انداز ہوتا ہے کہ حضرت ہم چھوٹوں پر کتنی شفقت فرماتے تھے، اور ان کی ضروریات کا کتنا خیال کرتے تھے۔

جب بندے کے نکاح کا وقت قریب ہوا تو بندے نے حضرتؒ سے نصیحت کی درخواست کی تو حضرتؒ نے فرمایا، مولوی صاحب! ''شادی سادی ہونی چاہئے یعنی لفظ شادی میں تین نقطے ہیں (۱) نام ونمود کا نقطہ (۲) فضول خرچی کا نقطہ (۳) خرافات کا نقطہ ان تینوں سے خالی کرکے شادی سادی کرنی چاہئے۔

تقویٰ واحتیاط:

مجلس تحفظِ شریعت تمل ناڈو، جو حضرت والا کی سرپرستی میں نمایاں خدمت انجام دے رہی تھی۔ اسی طرز پر مجلس تحفظِ شریعت آندھرا کے قیام کے ارادے سے آندھرا کے علماء کرام نے حضرت والاؒ کو انگول تشریف آوری کی دعوت دی تھی، چناچہ حضرت والا اور بندے کے اکابر اساتذہ میں سے حضرت مفتی ریاض احمد صاحب دامت برکاتہم، حضرت مولانا عبدالسبحان صاحب عمت فیوضھم، اونگول

کیلئے تشریف لے جارہے تھے، بندۂ ناچیز نے بھی حضرتؒ سے ساتھ چلنے کی درخواست کی تو حضرتؒ نے اجازت دے دی۔

تینوں بزرگوں کی ٹکٹ کنفرم تھی، چونکہ بندہ اچانک تیار ہوا تھا، اس لئے چالو ٹکٹ لے کر اس کوچ میں سوار ہوگیا جس میں حضرتؒ تھے، تو حضرتؒ نے بندے سے ٹکٹ کے متعلق پوچھا تو بندے نے کہا چالو ٹکٹ لے لی ہے، ٹی ٹی سے بات کرلوں گا، چونکہ عموماً چند روپئے ٹی ٹی کو دے دئے جاتے ہیں، اور وہ اپنی جیب میں ڈال لیتا ہے اور خاموش ہوجاتا ہے، اس کا حضرتؒ کو بھی علم تھا، اس لئے حضرت والاؒ نے بڑی تاکید سے فرمایا! مولوی صاحب! ٹی ٹی سے ضرور رسید کٹوا لینا، ورنہ وہ چند روپئے لے کر اپنے جیب بھر لیتے ہیں، سرکار کو نہیں پہونچاتے ہیں، یہ ناجائز ہے، چناچہ جب اس پر عمل کیا گیا تو حضرت کو سکون ہوا۔

حضرتؒ کے زبان پر حضرت اشرف علی تھانویؒ کا ٹرین والا واقعہ بار بار سنا تھا، اس وقت بندے کو وہ واقعہ یاد آ گیا، ہم لوگ بھی اپنے اکابر کے واقعات سنتے اور سناتے ہیں، مگر اس کے مطابق عمل کا موقعہ آجائے تو کمزور پڑ جاتے ہیں، مگر حضرتؒ اس معاملہ میں اکابر کے نقش قدم پر خود بھی چلتے تھے اور اپنی متعلقین کو بھی اس کا پابند بناتے تھے۔

اعتراف حق اور تواضع:

حضرتؒ کا معمول تھا کہ ہر ماہ کے ختم پر ہر ایک استاذ کی رجسٹر حاضری

ملاحظہ فرماتے تھے، اور طلبہ کی حاضری اور نصاب کی تفصیلات کی جانچ کرتے ، اگر کسی میں کوئی کمی ہوتی تو متعلقہ استاذ کو اس پر تنبیہ فرماتے تھے، ایک مرتبہ بندے کی رجسٹر میں حضرتؒ نے لکھا تھا کہ ''ہر دن کی حاضری پابندی سے لگا دیا کریں'' حالانکہ بندے نے برابر حاضری لگا رکھی تھی ، بندے نے سوچا شاید حضرتؒ کو غلط فہمی ہوگئی ہوگی ، یہ سوچ کر بندہ اس کو نسیاً منسیاً کر دیا اور اس کو ذہن سے نکال دیا ، پھر دو دن کے بعد حضرتؒ نے نمازِ عصر کے بعد مسجد سے نکلتے نکلتے بندے کو اشارہ سے بلایا، اور ارشاد فرمایا! مولوی صاحب! ''فلاں استاذ صاحب کی حاضری میں لکھنے کے بجائے میں نے غلطی سے تمہارے رجسٹر میں لکھ دیا ہے، تم برا مت مانو''۔

بندۂ ناچیز شرمندگی سے پانی پانی ہوگیا، کیونکہ بندہ ایک ادنی اور حقیر خادم تھا، اتنی بڑی ہستی کی جانب سے معذرت کا تصور بھی نہیں کرسکتا تھا۔

ہمارے اکابر رحمہم اللہ کی یہی نرالی شان ہے کہ جب حق بات ظاہر ہوجاتی ہے تو اس کا اعتراف کرنے میں ذرا بھی جھجک محسوس نہیں کرتے ، خواہ مخواہ تاویلات کرکے اپنی بات کو صحیح ثابت کرنے کی کوشش نہیں کرتے۔

اخیر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں حضرتؒ کی زندگی کو سامنے رکھ کر اپنے اندر بھی اوصافِ حمیدہ واخلاق کریمہ پیدا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین یارب العالمین۔

مسلک دیوبند اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا مفتی محمد شفیق صاحب زید مجدہم

استاذ مدرسہ کاشف الہدیٰ چنئی

یہ مسلم حقیقت ہے کہ مسلک دیوبند کوئی نیا اور خود ساختہ مسلک نہیں ہے بلکہ یہ اہلسنت والجماعت کا وہی قدیم اور متوارث مسلک ہے جو ہر دور میں جمہور امت کا مختار مسلک اور طریقہ رہا ہے جس کی بنیاد کتاب وسنت کی اتباع ،سلف صالحین پر اعتماد اور اعتدال پر قائم ہے اور تمام عالم اسلام کا اتفاق ہے کہ یہ مسلک اسلاف کے عین مطابق افراط وتفریط سے پاک راہ مستقیم اور معیار حق ہے بحمد اللہ آج برصغیر ہند وپاک میں اہل سنت والجماعت کا مرکز یہی علمائے دیوبند ہیں اور اس مقدس گروہ نے پورے عالم میں پہنچ کر مسلک صحیح کی ترویج وتشریح کی ، بطور خاص ہمارے جنوبی ہند کے علاقے میں شروع ہی سے اکابرین کی آمدورفت رہی ہے۔

چنانچہ ۱۳۱۴ ہجری میں جب مدرسہ باقیات صالحات کا پہلا جلسہ دستار بندی منعقد ہوا جس کی صدارت کے لئے بانی دارالعلوم حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو مدعو کیا گیا تھا اس کے بعد سے یکے بعد دیگرا اکابرین آتے رہے لیکن جنوبی ہند

میں کوئی ایسی شخصیت نہیں تھی جو مسلک دیوبند کی کما حقہ ترجمانی کر سکے، سنت وبدعت میں امتیاز کر سکے اور خرافات اور رسومات کا قلع قمع کر سکے، تو اللہ تعالیٰ نے یہ عظیم کارنامہ ہمارے حضرت علامہ محمد یعقوب صاحب وشارمی رحمۃ اللہ علیہ سے لیا ابتدا میں جب آپ میل وشارم مسلم ہائی سکول میں زیر تعلیم تھے تو گھنٹے کے ختم پر نسوان گلی میں واقع تبلیغ مدرسہ چلے جاتے تھے اس لئے کہ وہاں وقت کے عظیم بزرگ حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب بلنجپوری دامت برکاتہم (جو اکابرین دیوبند کے صحبت یافتہ تھے) وہ مدرس تھے حضرت رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر احباب کو لے کر بیٹھ جاتے تھے اور ان کے سامنے اکابرین کے واقعات و ارشادات بطور خاص حضرت اقدس تھانویؒ کے ملفوظات کا مجموعہ کمالات اشرفیہ پڑھ کر سناتے تھے جس سے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے دل میں اکابرین کی محبت وعظمت پیدا ہوگئی پھر عصری تعلیم کے بعد باقیات صالحات میں چند سال رہ کر دارالعلوم دیوبند کا رخ کیا اور وہاں تقریباً پانچ سال کا عرصہ گزارا وہاں کے اکابرین کے علوم ومعارف اور ان کے مسلک ومشرب کو اپنے اندر جذب کیا اور یہاں آ کر اس کو قولاً وعملاً پیش کیا، تو یہاں کے لوگوں نے اس کا استقبال کیا۔ اسی مسلکی تصلب اور مضبوطی کا اثر تھا کہ ہر عمل میں شریعت اور سنت کو مقدم رکھتے تھے بدعات سے بہت گریز کرتے تھے وشارم اور اس کے مضافات میں مختلف بدعات ورسومات، مروجہ میلاد اور دیگر خلاف شرع امور رائج تھے، حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو حکمت عملی کے ساتھ ختم

کروایا، اس طور پر کہ ذمہ دار حضرات کو اس کی طرف متوجہ کرادیتے تھے وہ اس کام کو سرانجام دیتے لیکن کسی کو بھی پتہ نہیں چلتا تھا کہ حضرت کے اشارے سے اتنا بڑا کام ہو رہا ہے اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ مثبت انداز سے کام کرنے سے نفع زیادہ ہوتا ہے۔

کسی ایسی مجلس میں شریک نہیں ہوتے جو منکرات پر مشتمل ہو۔ ایک موقع پر ایک قریبی متعلق نے اپنے بیٹے کی شادی کی تقریب مدراس کے بڑے فنکشن ہال میں رکھی، تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے شرکت سے معذرت کردی۔ اسی طرح وشارم میں ایک صاحب ثروت نے شادی کی دعوت دی حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو پتہ چلا کہ وہاں فوٹو گرافی ہو رہی ہے تو آپ وہاں نہیں گئے۔ یہ اور اس طرح کے کئی واقعات ہیں جن میں رشتہ داری اور تعلق کے مقابلے میں شریعت کو مقدم رکھا اور استقامت کے ساتھ مسلک حق پر جمے رہے اپنی مجلسوں میں فرمایا کرتے تھے کہ اتباع سنت اور اجتناب عن البدعہ ہی مسلک دیوبند ہے۔ خود حضرت رحمۃ اللہ علیہ فتاویٰ باقیات صالحات کے مقدمے میں رقمطراز ہیں: ”شاہ ولی اللہ کا مسلک اہل علم میں مشہور و معروف ہے اتباع سنت اور رد بدعات اس مسلک کا بنیادی عنصر ہے۔“ حضرت تادم آخر اسی مسلک پر جمے رہے دارالعلوم دیوبند کے موجودہ مہتمم حضرت مفتی ابوالقاسم نعمانی بنارسی دامت برکاتہم نے اپنے تعزیتی خط میں لکھا ہے کہ: ”حضرت مولاناؒ جنوبی ہند میں منہاج اکابر اور مزاج اسلاف کی جیتی جاگتی تصویر تھے۔“ اور

حضرت اسی مسلکی تصلب کو اپنے متعلقین اور مدرسہ کے فارغین میں دیکھنا چاہتے تھے۔ ۱۹۹۵ میں مدرسہ کاشف الھدی کے جلسہ دستار بندی کے موقع پر فارغین سے مخاطب ہوکر فرمایا کہ تم تو کاشف الہدیٰ کی سند لے رہے ہولیکن تمہارے اندر نسبت قاسمی ہونی چاہیےحتیٰ کہ اپنے مدرسہ کے دستور اساسی میں مسلک کے حوالے سے اس بات کی صراحت کی ہے کہ مدرسہ کاشف الھدی کا مسلک اہلسنت والجماعت کے مطابق اکابرین دیوبند حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی وغیرہم کا ہی مسلک ہوگا، اس کی حفاظت اور اسکی پیروی اراکین مدرسہ اساتذہ طلبا اور متعلقین مدرسہ کے لئے لازم ہوگا۔حضرت کو مسلکی تصلب کے ساتھ اکابرین دیوبند سے بے پناہ عشق تھا کوئی مجلس اور کوئی وعظ اکابرین کے واقعات اوران کے پاکیزہ تذکروں سے خالی نہیں ہوتا تھا اکابرین میں سے کسی کی آمد مدراس اوراس کے مضافات میں ہوتی تو حضرت رحمہ اللہ سے دعا سلام کے لئے زحمت اٹھا کر مدرسہ کاشف الھدی تشریف لاتے پھر آپس میں علیک سلیک کے بعد اکرام وتواضع کا معاملہ ہوتا دوسری طرف فرق باطلہ کی تردید جو اکابر دیوبند کا طرہ امتیاز ہے جس کو حدیث پاک میں: **یحمل ھذا العلم من کل خلف عدولہ، ینفون عنہ تحریف الغالین وانتحال المبطلین و تاویل الجاھلین** (مشکوۃ) کہا گیا۔حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اس پہلو سے بھی بہت بڑی خدمات انجام دی ہیں اس کے لئے مختلف تنظیمیں قائم کرکے فرق باطلہ خواہ

قادیانیت ہو یا غیر مقلدیت ہو یا اہل قرآن کا فتنہ ہو، ہر ایک کی سرکوبی کیلئے پورے تامل ناڈو میں بطور خاص مدراس اور نارتھ آرکاٹ کے علاقوں میں مختلف پروگرام کروائے تھے،اس کے لئے اکابرین دیوبند میں سے کسی کو مدعو کیا جاتا تھا،جس کی وجہ سے ہمارے علاقے کے لوگ علماء دیوبند سے مانوس ہوگئے اور ان سے استفادہ کی ایک راہ کھل گئی، جو حضرتؒ کی رہین منت ہے۔اور یہ وقت ضرورت تحریری شکل میں چھوٹے چھوٹے رسائل مختلف عناوین سے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی سرپرستی میں شائع ہوتے تھے اور ماہنامہ منارالہدیٰ بزمان ٹمل مدرسہ کاشف الھدی سے ہر ماہ شائع ہوتا ہے اسکا بھی واحد مقصد یہی ہے کہ اکابرین کے علوم اور دین کی صحیح تشریح نئی نسل تک پہنچائی جائے۔اس طرح اور بے شمار کارنامے ہیں، جن کو حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے مسلکی تحفظ کے لئے انجام دی ہیں، جسے اہل جنوب کبھی فراموش نہیں کرسکتے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالی ہم متعلقین اور وابستگان کو حضرت کے نقش قدم پر چلنے اور مسلک صحیح کی شکل میں جو امانت ہم کو ملی ہے اس کی حفاظت واشاعت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین۔

ایک چراغ اور بجھا

حضرت مولانا مشتاق احمد صاحب باقوی وقاسمی

مہتمم مدرسہ روضۃ البنات، اننت پور

قدوۃ العلماء، سرچشمۂ علم وعرفاں، مصلحِ امت، فخرِ ملت، مشفق ومربی استاذِ محترم حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب قبلہ نوراللہ مرقدہ کا سانحۂ ارتحال(03-02-2019)امت کیلئے ناقابلِ تلافی نقصان ہے، بالخصوص جنوب کے مسلمانان ایک عظیم ہستی سے محروم ہوگئے۔آپ کی شخصیت ایک مثالی تھی اور آپ نمونۂ اسلاف تھے آپ علم وکمال میں یکتا،تقویٰ وطہارت، زہد وقناعت، تواضع وانکساری، استغنائیت وخودداری اور خلوص وللّٰہیت کے پیکر تھے، اکابرِ علماءِ دارالعلوم دیوبند سے والہانہ عقیدت تھی قطبِ عالم حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے خاص انس تھا درسِ حدیث میں حضرت گنگوہیؒ کا بار بار حوالہ دیتے غلط رواج و رسومات سے سخت مجتنب ومتنفر تھے۔ مدرسۂ باقیات صالحات میں احقر کو حضرتِ والا سے شرفِ تلمذ رہا۔طلبہ کی تربیت پر توجہ فرماتے،آپ کی خوبی یہ تھی کہ غیر محسوس طریقہ سے طلباء کے اندر تبدیلی پیدا فرماتے،آپ خود وقت کی پابندی فرماتے ہوئے طلباء سے اسکا اہتمام کراتے۔ ویلور کی جس مسجد میں آپ کا قیام تھا (مسجدِ

حسین پورہ) مدرسہ سے تقریباً تین کلومیٹر کا فاصلہ تھا روزانہ پیدل ہی مدرسہ تشریف لاتے اور یہ پابندیٔ وقت کا سلسلہ اخیر تک باقی رہا۔آپ نے اپنی تادمِ خدمت کسی کو کوئی شکایت کا موقعہ نہیں دیا، دفترِ نظارت سے جو خدمت تفویض ہوتی اس کی مکمل پابجائی ہوتی، جو کتاب آپ کے ذمہ ہو آپ اسکا مکمل حق ادا فرماتے، آپ بہت ہی اصول پسند تھے، بے اصولی اور بے ترتیبی کو ہرگز پسند نہ فرماتے، طلباء آپ کی درسگاہ میں بے دھڑک داخل نہیں ہوسکتے بلکہ درسگاہ میں آنے کا ایک اصول تھا طلباء دروازے کے سامنے کھڑے ہوکر سلام کرتے اور اشارہ سے اجازت ملنے کے بعد درسگاہ میں داخل ہوتے۔ یہ طلباء کی تربیت کا ایک انوکھا انداز تھا،آپ خاموش طبع تھے طلباء کے ساتھ زیادہ بے تکلف نہ تھے مگر آپ کے درس کی بعض خصوصیات اس سے جداگانہ تھیں،آپ مزاح کے عادی نہ ہونے کے باوجود درس میں فرحت وانبساط کے ساتھ رہتے اور کبھی مزاح بھی فرماتے،سبق کو دلچسپ بنانے کیلئے موضوع سے متعلق کچھ خارجی واقعات اور اشعار بھی سناتے اور کبھی دلچسپ لطائف بھی بیان فرماتے

ایک مرتبہ اُقلیدس کے سبق میں **الکل اعظم من الجزء** (کل اپنے جزء سے بڑا ہوتا ہے) سمجھا رہے تھے بے ساختہ میری زبان سے نکلا "یہ تو ہے سوباتیچ ناحضرت" (دکنی لہجہ) حضرت فوراً مسکرادئے اور کہا”تو دکن کا باشندہ دکنیچ بول، تجھے کیا پڑی تو اپنیچ بول۔“لباس میں نہایت سادگی تھی سفید جبہ اور نصف ساق تک

لنگی ،سفید دو پلی ٹوپی اور سر پر سفید رومال رہتا۔

طلباء کے اندر سنت پر عمل کا جذبہ پیدا کرنے کی ہر ممکن کوشش فرماتے مدرسۂ باقیات صالحات میں اس وقت لباس اور وضع قطع کا کوئی خاص اہتمام طلباء میں نہیں تھا ۔بعض طلباء خشخشی داڑھی رکھتے اور جبہ بھی گھٹنوں سے بہت اوپر رہتا بعض طلباء جبہ اور پینٹ بھی پہنتے تھے۔ دورانِ درس حضرتِ والا سنت لباس کی ترغیب دلاتے اور کبھی کسی کا پائجامہ یا لنگی ٹخنوں سے نیچے ہوتو فوراً تنبیہ فرماتے اور مسبلِ ازار کی وعید والی حدیث سناتے ،آپ کی باتیں طلباء پر اثر انداز بھی ہوتیں ، دھیرے دھیرے بہت سارے طلباء کے اندر تبدیلی آگئی ،طلباء کے ساتھ خصوصی شفقت کا معاملہ بھی فرماتے بعض طلباء کو کچھ انعام سے نوازتے اور کبھی گھر کے احوال دریافت فرما کر کچھ مالی تعاون بھی کرتے اس حسنِ سلوک کے ذریعہ بہت سے طلباء آپکے قریب ہوگئے ۔ بقول حضرت حکیم اختر صاحب نور اللہ مرقدہ

جب شمعِ محبت دل میں لئے محفل میں ہوکوئی صاحبِ ذوق
پھر عشقِ خدا کے پروانے خود اڑ کے وہاں آجائیں گے

ان طلباء کیلئے روزانہ دوپہر تھوڑی دیر کی مجلس ہوتی ،جس میں پر مغز اور مؤثر گفتگو ہوتی ،اکابرِ دارالعلوم دیوبند کے واقعات اور انکی زندگی کے احوال اور خدمات کا تذکرہ فرماتے اور دورانِ درس بھی حدیث پر علماءِ دیوبند کے خدمات اور تالیفات کا خاص حوالہ دیتے، بالخصوص اپنے شیخ و مرشد شیخ الحدیث حضرت

مولانا زکریا صاحبؒ کے خدمات کا تذکرہ فرماتے۔

غالباً ۱۹۸۲ء کی بات ہے اسی سال حضرت شیخ کا مدینۂ منورہ میں انتقال ہوگیا تھا اخبار کے ذریعہ بندہ کو اسکا علم ہوا حضرت کو ابھی اس کی اطلاع نہیں ملی تھی دورانِ درس میں آہستہ حضرت سے عرض کیا کہ " حضرت شیخ الحدیث کے انتقال کی خبر آئی ہے" سنتے ہی حضرت تھوڑی دیر کیلئے سکتہ میں آگئے اور اپنا سر جھکا کر بیٹھ گئے آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور زبان پر دعائیہ کلمات تھے درس بند کر کے حضرت کمرہ میں آگئے ۔ میں بھی حضرت کے ساتھ ہی رہا اطلاع کی تفصیلات دریافت فرمائے میں اس اخبار کا حوالہ دیا بہت دن تک حضرت پر اس کا بہت اثر رہا۔

حضرت کے اونچے اخلاق احسن الی من اساء الیک کا اعلیٰ نمونہ تھے۔

بعض بدعت پسند طلباء آپ سے خار کھاتے تھے اور حضرت کے تعلق سے دفترِ اہتمام میں غلط سلط شکایات پہنچاتے ۔اسکی اطلاع ہونے کے باوجود ان طلباء سے سلوک میں کوئی فرق نہ آتا۔نوبت یہاں تک پہنچی کہ ۱۹۸۵ء میں باقاعدہ چند طلباء کھلے عام حضرت کی مخالفت کرنے لگے اور اپنی انجمنوں میں رشید احمد گنگوہیؒ حضرت مولانا قاسم نانوتوی صاحبؒ اور حضرت اشرف علی تھانویؒ وغیرہ اکابرینِ دیوبند کے خلاف تقریریں کرنے لگے اور ان پر کفر کا فتویٰ لگاتے رہے، بلکہ ان اکابر کو مسلمان سمجھنے والوں کو بھی کافر قرار دیا جانے لگا۔انتظامیہ میں شکایت کے باوجود ان طلباء کے خلاف کوئی کارروائی نہیں ہوئی ، اسکی وجہ سے حضرت کا دل ٹوٹ گیا،

جن اکابر سے عشق کی حد تک عقیدت تھی ان پر کفر کے الزام لگے اور انکے خلاف بیانات ہوں اور ان پر کوئی روک ٹوک نہ ہو، وہاں ایک لمحہ کیلئے بھی رکنا حضرت والا کو گوارہ نہ ہوا، خاموشی کے ساتھ آپ سبکدوش ہو گئے۔ آپ کے چاہنے والوں کو اس سے بڑی تکلیف ہوئی، لیکن قدرت کا منشاء کچھ اور تھا۔ آپ کی یہ سبکدوشی پورے علاقے کی ہدایت کیلئے ذریعہ بنی سبکدوشی کے بعد مدراس میں رہتے ہوئے آپ کی خاموش خدمات کے جو اثرات مرتب ہوئے وہ حیرت انگیز ہیں۔ تامل ناڈو کا جو علاقہ بدعات وخرافات کا عادی تھا آپ کی تربیت اور توجہات کا اثر کہ وہ پورا علاقہ اتباعِ سنت کا شیدائی ہوگیا۔ بہت سارے مدارس اور تنظیمیں آپ کی سرپرستی میں چلتی رہیں یہاں تک کہ مدرسۂ باقیات صالحات کے بھی آپ تا دمِ حیات سرپرست رہے۔ حضرتِ والا کی ان خاموش خدمات کو تادیر یاد رکھا جائیگا خصوصاً جنوبِ ہند میں دارالعلوم دیوبند کے مسلک کو عام کرنے میں آپ کا کردار نہایت نمایاں رہا۔

اللہ تعالیٰ آپ کی ان خدمات کو شرفِ قبولیت سے نوازے اور آپ کے درجات کو بے حد بلند فرمائے اور امت کو آپ کا نعم البدل عطاء فرمائے۔ آمین۔

وہ میرے سرپرست تھے

حضرت مولانا مفتی محمد اقبال صاحب قاسمی دامت برکاتہم

مہتمم مدرسۂ احیاء العلوم، وانمباڑی

لا الہ الا اللہ الحلیم الکریم سبحان اللہ رب العرش العظیم الحمد للہ رب العلمین

راقم الحروف کی طالب علمی کا زمانہ تھا، دارالعلوم دیوبند میں شوریٰ کا اجلاس ہوتا تھا، اس موقعہ پر اراکینِ شوریٰ کی حاضری ہوتی، اپنے اپنے صوبے کے رکن سے ملاقات کی غرض سے طلبہ مہمان خانہ جاتے، اور زیارت وملاقات سے مشرف ہوتے، مدراسی طلبہ میں بھی ایک شور ہوتا کہ بڑے حضرت آگئے! بڑے حضرت آگئے! ہم بھی اس شخصیت سے ملاقات کے لئے جاتے، اور مصافحہ اور دعا وغیرہ سے محظوظ ہوتے، دل میں ایک طرح کا سکون محسوس ہوتا، اور اس پر بڑی خوشی ہوتی کہ ایک بزرگ شخصیت سے ملاقات ہوئی، کیوں نہ ہو؟ وہ اکابرین کی ایک جیتی جاگتی تصویر تھے، ان کی سادگی، کھانے پینے میں، لباس میں، اٹھنے بیٹھنے میں، بولنے میں، الغرض ان کی ہر ادا، صحابہ کرامؓ، تابعین اور تبع تابعین اور زمانۂ قریب کے قاسم العلوم والخیرات مولانا قاسم نانوتویؒ اور ان کے شاگردوں کی یاد تازہ کردیتی تھی۔ اُس وقت صرف اتنا ہی تعلق تھا، مصافحہ اور دعا کا، جیسے دوسروں کا تھا، مگر جب راقم الحروف کی فراغت ہوئی، دارالعلوم کے شعبۂ افتاء سے

شعبان کی چھٹی ہوئی، گھر پہنچا، ایک دن میرے دو محبان حضرت مولانا مفتی شکیل احمد صاحب دامت برکاتہم اور حضرت مولانا مفتی ریاض احمد صاحب دامت برکاتہم ہمارے گھر آئے، دونوں کے آنے کی غرض معلوم ہوئی کہ مفتی ریاض صاحب تدریسی خدمات کے لئے مدرسۂ مفتاح العلوم، دعوت دینا چاہتے ہیں، اس کے لئے سفارشی کے درجہ میں مفتی شکیل احمد صاحب کو ساتھ لائے، چونکہ حضرت شکیل احمد صاحب سے میرے دیرینہ تعلقات ہیں، اور وہ میرے محسن ہیں، اس لئے غالباً مفتی ریاض صاحب پُر امید تھے کہ دعوت منظور ہوگی، مگر تقدیر تدبیر پر غالب آتی ہے، وہی ہوتا ہے جو منظورِ خدا ہوتا ہے۔ راقم الحروف کے ذہن میں فی الوقت وہ بات نہیں، جس کی بنیاد پر مفتی ریاض صاحب کی دعوت قبول نہ کی، البتہ دونوں کی واپسی سے پہلے ہی اسی مجلس میں مفتی شکیل احمد صاحب نے مدرسۂ کاشف الہدیٰ کا تقاضا بھی رکھا۔ اسی لمحہ غالباً رضامندی کا اظہار کر دیا، اگر حافظہ ساتھ دے رہا ہے تو کاشف الہدیٰ کی تدریسی خدمات قبول کرنے کی وجہ یہی تھی کہ ایک بڑی شخصیت کے زیر سایہ رہیں گے، فائدہ ہوگا، اور باطنی اصلاح کا بھی محتاج رہا، اور آج بھی ہوں، اس کا بھی بنسبت مفتاح العلوم کے وہاں زیادہ امکان تھا۔

استقامت ہزار کرامتوں سے بہتر ہے

اب حضرتؒ سے قریبی تعلق کا دور شروع ہوتا ہے کاشف الہدیٰ کی تدریسی خدمات کے لئے جب مدرسہ میں قدم رکھا اسی وقت سے حضرت سرپرست مرحوم کی

مجھ پر بہت زیادہ عنایتیں رہیں، اور راقم الحروف کو بھی حضرتؒ سے ایک قلبی لگاؤ رہا، اگرچہ وہاں تدریسی خدمات صرف دو سال رہی، مگر اس عرصہ میں حضرت سرپرست مرحوم کو بہت قریب سے دیکھا، عام لوگوں کی نظر میں اللہ کا ولی وہ ہوتا ہے جس سے کرامتیں ظاہر ہوتی رہیں، اس کے سوانح میں کرامتوں کی لمبی فہرست ہو، مگر اللہ والوں کی نظر میں کرامتیں کوئی حیثیت نہیں رکھتیں، ان کی نگاہوں میں کسی کی زندگی میں استقامت کا ہونا ہزاروں کرامتوں سے بڑی چیز مانی جاتی ہے، حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے سوانح میں دیکھا کہ مولانا محمد حسین صاحب الہ آبادی جو حاجی صاحبؒ کے خلفاء میں تھے، سے کسی نے پوچھا کہ حاجی صاحب میں کیا دیکھا کہ ان سے مرید ہوئے؟ تو برجستہ جواب دیا کہ وہاں کچھ نہ دیکھا اس لئے مرید ہوئے! مطلب یہ تھا کہ وہاں صرف ذکر، عبادت، اور دین میں استقامت والی بات تھی، کرامات وغیرہ کا کوئی شہرہ نہیں تھا، بالکل اسی طرح اگر کوئی مجھ سے پوچھے کہ حضرت سرپرست مرحوم سے ایک قلبی لگاؤ کی وجہ کیا تھی؟ میرا بھی تقریباً اسی طرح کا جواب ہوتا کہ ان کی زندگی میں استقامت عیاں تھیں، وہاں نہ کوئی شور تھا، نہ وہاں تکلفات، لباس اتنا سادہ کوئی ناواقف ان کو معمولی مولوی بھی نہ سمجھے، ہمیشہ دوزانو بیٹھنے کی عادت تھی، دوسال کے عرصہ میں کبھی حضرتؒ کو چارزانو بیٹھتے نہیں دیکھا، مدرسہ میں جب ہوتے مجھے یاد نہیں کہ حضرت کسی نماز میں مسبوق ہوئے، صفِ اولیٰ چھوڑے ہوں، تکبیرِ اولیٰ فوت ہوئی ہو، حالانکہ اس وقت آج

سے بیس سال قبل مدرسہ کے احاطہ میں مسجد نہیں بنی تھی، حضرتؒ کے حجرے سے نماز گاہ قریب نہ تھی اور نماز گاہ پہلی منزل میں تھی، اللہ اللہ وہ کیا استقامت تھی پانچوں نمازوں کے لئے سیڑھیوں پر چڑھ کر آنا، بدن میں نقاہت بھی آگئی تھی، مگر نبی ﷺ کی وراثت کا حقیقی کردار ادا کرنے میں لگے ہوئے ہیں، اور مہمانانِ رسول کو عملاً بتلا رہے تھے کہ نبی کا وارث ایسا ہوتا ہے۔

مدرسین کے لئے سبق:

حضرتؒ آخری وقت تک مدرسہ کاشف الہدیٰ اور دیگر کئی اداروں کی سرپرستی فرمارہے تھے، مگر کبھی تدریسی مشغلہ نہ چھوڑا، اور بڑے اہتمام سے تدریسی خدمات نبھاتے تھے، کتابیں سمجھانے کا سلیقہ ایسا کہ طلبہ مطمئن ہوجائے اور وقت کی پابندی اور نصاب کی تکمیل کا تو پوچھنا ہی کیا، میرے ذمہ پہلے سال المختصر للقدوری آئی، چونکہ میرا پہلا سال تھا کچھ صفحات باقی رہ گئے تھے، حضرتؒ نے اس پر بھی ناگواری کا اظہار فرمایا، حضرت کا معمول ماہانہ مقدارِ خواندگی کے جائزہ لینے کا تھا، عموماً آج یہ امور مدارس میں بہت کم نظر آتے ہیں، عالی شان عمارتوں کے جانب توجہ ہوتی ہے اور دستار بندی کے جلسوں کا بڑا اہتمام ہوتا ہے، اور مدرسہ کی روح جو تعلیمی اور تربیتی معیار کی بلندی ہے اس کی جانب توجہ کم ہوتی ہے، حضرت نے مدارس والوں کو عملاً یہ بتلا دیا کہ دیکھو یہی مدارس کی روح اور جان ہے، مدرسہ کاشف الہدیٰ کا سالانہ جلسۂ دستار بندی ہمیشہ بڑی سادگی کے

ساتھ ہوا کرتا ہے، حضرتؒ کی صدارت ہی میں جلسہ ہوتا اور مدرسہ کے اراکین اور فارغ ہونے والے طلبہ کے سرپرستان، مہمانوں کی حیثیت سے آتے تھے۔

اخفاء اور استغناء آپ کا شیوہ:

حضرتؒ کا شیوہ اپنے کو چھپانا تھا، بارہا دیکھا بڑے بڑے اور عظیم الشان جلسے آپ کے مشورہ سے طے ہوتے مگر جلسہ گاہ کے اسٹیج پر بہت کم آپ کو لوگوں نے دیکھا ہوگا، اصرار کے باوجود اسٹیج پر نہیں آتے تھے، کہیں کسی کونے میں بیٹھے ہوئے، نام ونمود اور شہرت سے کوسوں دور رہتے، نیز حضرتؒ کی زندگی میں استغناء کی عجیب شان تھی، کبھی آپ نے کسی مال والے کی چاپلوسی کی ہو یا ہاں میں ہاں ملایا ہو ایسی ایک مثال نہیں پیش کی جاسکتی، آپ کی نگاہ میں بڑا رعب تھا، بڑے بڑے سورما آپ کے روبرو بلی بنے بیٹھتے، کسی کی مجال وہاں ضرورت سے زیادہ گفتگو کرنے کی؟ جو بہت سارے اللہ والوں کے متعلق سنا وہ حضرتؒ کے متعلق کہنا بے جا نہ ہوگا کہ آپ ایک بے تاج بادشاہ تھے!

چیدہ چیدہ واقعات:

کاشف الہدیٰ کے دوسالہ تدریسی دور کے چند واقعات رقم کرنا چاہوں گا!

(الف) مدراس کی مشہور ومعروف مسجد ''پریمیٹ مسجد'' میں جمعہ کے بیان کے لئے دعوت آئی (اس وقت وہاں منبر پر مخلوط خطبہ ہوتا تھا) حضرتؒ کی اجازت لیکر وہاں گیا، ایک بجے خطبہ شروع ہونا تھا اور خطیب کو منبر پر چڑھنا تھا موذن

حسب معمول اذانِ جمعہ کے لئے منبر کے قریب پہنچ رہے تھے راقم الحروف نے اشارہ سے موذن صاحب کو بٹھلا دیا اور پندرہ منٹ منبر سے نیچے ہی کھڑے ہوکر بیان کیا پھر منبر پر چڑھا اور اذان کے بعد منبر پر صرف عربی خطبہ ہوا، شام کو جب میں نے حضرتؒ سے کارگذاری سنائی تو تعجب کا اظہار فرمایا اور اس کے بعد پھر مسکراتے ہوئے فرمایا تو پھر یہی آپ کا پہلا اور آخری خطبہ ہوگا، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

(ب) جمعرات کے دن اگر وشارم جانا ہوتا تو حضرتؒ دوپہر کے بعد نکلتے تھے ایک مرتبہ حضرتؒ کے ساتھ ہم سب گاڑی سے سفر کر رہے تھے، غالباً عصر کی نماز کا وقت تھا، ابھی نماز ادا نہ ہوئی تھی، وقت تیزی سے نکلا جارہا تھا اور ٹریفک کی زیادتی کی وجہ سے درمیان میں نماز کے لئے گاڑی روک بھی نہیں سکتے تھے، اچانک دیکھا کہ گاڑیاں رک گئی ہیں، ٹریفک جام ہوگئی ہے، حضرتؒ نے فرمایا جلدی سے اترو، ہم سب جلدی سے اترے اور سڑک پر ہی جماعت کے ساتھ نماز ادا کی گئی، امام نے سلام پھیرا تھا گاڑیاں چلنی شروع ہوگئی، وقت پر نماز ہوگئی، یہ غالباً حضرتؒ ہی کی توجہ کا ثمرہ تھا۔

(ج) ایک مرتبہ میری چھوٹی ہمشیرہ کی طبیعت کچھ زیادہ ہی ناساز ہوگئی تھی، آمبور کے ایک ہسپتال میں داخل کی گئی تھی، گھر سے اطلاع آئی، حضرتؒ سے میں نے دعا کی درخواست کی اور ایک دن کی رخصت لیکر نکلا اس وقت میرے والد بھی حیات تھے وہ بھی چنئی میں رہتے تھے، ہم سب ملکر راتوں رات بس میں سوار

ہوکر آمبور پہنچے، بڑی بے چینی تھی، رات کا وقت تھا سفر کے دوران آنکھ لگ گئی تھی، دیکھتا کیا ہوں حضرتؒ کے ہاتھ میں گلاب کا پھول تھا اس کو میرے ہاتھ تھمادیا، آنکھ کھل گئی، اب دل کی بے چینی جاتی رہی، اور مجھے یقین ہوگیا کہ حضرتؒ نے دعا فرمائی اور توجہ فرمائی ہے، جس کے نتیجہ میں بلا ٹل گئی، جب ہم ہسپتال پہنچے تو اطلاع ملی کہ بہن کی طبیعت اب سنبھل گئی ہے، الحمدللہ علی ذلک!

(د) تدریس کا دوسرا سال تھا، درمیانِ سال میں اپنے وطن کی ایک مسجد مسجدِ قدیم کے ذمہ دار آئے انھوں نے جمعہ کی خطابت کی ذمہ داری میرے سر ڈالی جس کی بنا پر ہر جمعہ آنا پھر ہفتہ کی دن صبح ۸:۰۰ بجے تک مدرسہ پہنچنا میرے لئے بہت دشوار تھا، دو تین ماہ کے بعد میں نے تہیہ کرلیا کہ مجھے رمضان کے بعد مدرسہ کاشف الہدیٰ سے مستعفی ہونا ہے، حضرتؒ سے میں نے اپنا عندیہ رکھا، چونکہ میرے ساتھ بڑی شفقت فرماتے تھے، اس لئے حضرتؒ نے مجھے مستعفی ہونے کی آخر تک بھی اجازت نہیں دی بلکہ میرے لئے خاص سہولیات دینے کی بھی بات ذکر فرمائی اور نصیحت فرماتے ہوئے ایک شعر بھی مجھ کو سنایا تھا، فرمانے لگے،

عزت اسے ملی جو وطن سے نکل گیا
وہ پھول سر چڑھا جو چمن سے نکل گیا

اللہ مجھے معاف فرمائے حضرتؒ کی نصیحت پر عمل نہ کرسکا۔

مدرسہ سے مستعفی ہوجانے کے بعد:

کاشف الہدیٰ سے تو راقم الحروف علیحدہ ہوگیا مگر حضرتؒ سے عقیدت

وتعلق ویسا ہی برقرار رہا مدرسہ احیاء العلوم کے احاطہ میں جب ''مسجد تقویٰ'' کی تعمیر مکمل ہوگئی تو افتتاح کے لئے حضرتؒ کا نام گرامی ہی طے ہوا اور حضرتؒ نے ہماری دعوت کو بشاشت کے ساتھ قبول فرمایا۔ ایک اور مرتبہ جب مسجد قلعہ میں درس حدیث (ریاض الصالحین) کا آغاز ہوا حضرتؒ کو دعوت دی گئی باوجود پیرانہ سالی کے، اس کو بھی قبول فرمایا۔ اللہ رب العزت حضرت کو اس کا بہترین صلہ عطا فرمائے۔

یہ کہاوت مشہور ہے کہ ''قدر نعمت بعد زوال'' اللہ تعالیٰ ہمیں معاف فرمائے ہم نے حضرتؒ کی جیسی قدر کرنی تھی ویسی نہیں کی، گذشتہ جمعرات کی بات ہے جمعیۃ العلماء کے دفتر میں حضرت مولانا مفتی سلمان صاحب منصور پوری دامت برکاتہم سے ملاقات ہوئی تو سب سے پہلے یہ فرمایا کہ حضرت مولانا یعقوب صاحبؒ کے انتقال کا اب تک بہت زیادہ اثر ہے، دراصل بات یہی ہے کہ بڑے ہی بڑوں کو پہچانتے ہیں۔

انہی چند سطور پر اکتفا کرتے ہوئے دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں حضرتؒ کی سی تواضع، سادگی، استقامت اور اخلاص کی بیش بہا دولت سے مالا مال فرمائے۔

آمین یارب العالمین

حضرتؒ ایک بے مثال مربی تھے

حضرت مولانا ملک محمد ابراہیم صاحب قاسمی دامت برکاتہم

رکن شوریٰ دار العلوم دیوبند

ویبقی وجہ ربک ذو الجلال والاکرام

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم، امابعد۔

مشفقی و محبی حضرت اقدس مولانا محمد یعقوب صاحب نور اللہ مرقدہٗ وبرد مضجعہٗ کی شخصیت پر قلم اُٹھانا سورج کے سامنے چراغ دکھانا ہے۔ یہ میرے لئے بہت ہی مشکل امر ہے۔ اللہ کا نام لے کر شروع کرتا ہوں اور جو دل میں ڈالے قلم بند کرتا ہوں۔

حضرتؒ کی تاریخی خدمات کو اگر سمجھنا ہے تو کچھ ماضی بعید کی طرف جب تک ہم نظر نہیں ڈالینگے۔ اس وقت تک حضرت والا کی قدر و منزلت کو پہچاننا بہت مشکل ہے۔ عموماً پورے صوبہ ٹمل ناڈو خصوصاً شہر وشارم کے خدمات کی ایک مکمل تاریخ، عجیب وغریب اہمیت کی حامل ہے۔

خصوصاً یہ شہر وشارم ایک دینی قلعہ ہی نہیں بلکہ شریعت کے ہر شعبے کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے۔ ہر لائن سے چاہے، علمی میدان ہو یا دعوت الی اللہ ہو یا

خانقاہی نظام ہو، تجارتی لائن ہو یا معاشی، ان سب میں رجوع الی اللہ، انابت الی اللہ ایک حد تک موجود ہے۔ ان سب کے پیچھے جو محنت، حکمت و دوراندیشی صبر و تحمل کے ساتھ بتدریج کار فرما ہے، وہ مخدومنا محبنا ومشفقنا، اعلیٰ حضرت شیخ عبدالوہاب صاحب نوراللہ مرقدہ وبرداللہ مضجعہ کی ذات گرامی کے بعد اس پورے علاقے کے لئے فکر ولی اللہی، مشرب نانوتوی، مسلکِ رشیدی، طریقت سہارنپوری، نیز فروعی مسائل میں عزیمت شیخ الہند، جرأتِ شیخ الاسلام کی ذات گرامی کا تعارف ہی نہیں بلکہ ان شخصیات کے نہج اور درد کو حکمت و دوراندیشی کے ساتھ قولاً، فعلاً وَعَملاً پیش کرنے کیلئے اللہ رب العزت نے کسی ذات گرامی قدر کا انتخاب فرمایا تو الحمدللہ ثم الحمدللہ وہ حضرت والاؒ کی ذات گرامی ہے۔

اس پورے صوبۂ ٹمل ناڈو میں خصوصاً ضلع ویلور بلکہ شہر وشارم میں خود ایک عرصہ دراز تک بنیادی عقائد کو ٹھیک کرنے اور درست کرنے، دعوت الی اللہ کی طرف رجوع کرانے کی ایک کامیاب محنت کی تھی۔ جس میں محترم المقام حضرت اقدس استاذ الاساتذہ داعی کبیر امیر شریعت کرناٹک بڑے حضرت مولانا ابوالسعود احمد صاحب رحمہ اللہ نیز مشفق المعظم مجذوب وقت حضرت اقدس مولانا ابراہیم صاحب بلنچپوری دامت برکاتہم اطال اللہ عمرہم وحیاتہم وخواتم اعمالہم اور محترم المکرم حضرت اقدس مولانا نیر ربانی صاحبؒ نوراللہ مرقدہٗ قاضی شہر وشارم، اکابرین میں سے ایک ذات گرامی حضرت والاؒ کی بھی ہے۔

ہمارے ان بڑوں نے اپنی زندگی کے قیمتی اوقات کو حصول جنت، رضاء الٰہی کیلئے ایک بڑا زمانہ خصوصاً میل وشارم کی سرزمین اور عموماً پورے صوبے میں محنت صَرف کی۔ محترم المکرم والد صاحب دامت برکاتہم ہمیشہ اس واقعہ کا تذکرہ کرتے ہیں کہ: اپنے پڑھائی کے زمانہ میں یہ اکابرین ہم بچوں کو رات میں چراغ لے کر شہر وشارم کی گلیوں میں گشت کراتے اور نماز کی دعوت دیتے اور ہم سب کی تہجد میں حاضری ہوتی تھی۔ اسی طرح ہم سب کو لے کر ان اکابرین نے دعوت وتبلیغ واصلاح کا کام کیا ہے۔ اس کے علاوہ ہمارے یہ اکابرین غیروں میں بھی دین کا کام کرتے تھے۔ اُن کو دین کی طرف بلاتے تھے اور ان کو کلمہ طیبہ کی آغوش میں لیتے اور اُن پر پاکتنی مسجد میں دین وایمان کی تربیت فرماتے۔

ان اکابرین نے جب دعوت وتبلیغ کے کام کو وسیع کیا تو پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا۔ یہاں تک کے بڑی بڑی قربانیاں دیں۔ بالآخر ان بڑوں کو اپنے وطن عزیز ہی کو چھوڑ کر ہجرت کرنا پڑا۔

حضرت اقدس مولانا محمد یعقوب صاحب نوراللہ مرقدہٗ نے خصوصاً وطن عزیز کو اور عموماً صوبۂ ٹمل ناڈو کی نزاکت کو گہرائیوں کے ساتھ سمجھ کر دوراندیشی اور حکمتوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے خوش اسلوبی کیساتھ اُمت مسلمہ کے درمیان اپنے مشن کو جاری رکھا۔ اُس پر بھی حضرت والاؒ کو بہت ظلم وستم سہنا پڑا، صبر وتحمل عبدیت وگوشہ نشینی کو اپنا راستہ بنا کر کام کرتے رہے۔

حضرت والا کی جرأت قاسمی کو لاکھوں سلام! جو اکابرین واسلاف کے آغوش میں پروان چڑھی، ان سب جذبات کو، ایمانی حرارت کو اپنے اندر دبا کر جس طرح خاموشی کے ساتھ اکابرین واسلاف کے نہج کو آگے بڑھایا۔ کبھی محلہ والوں کی طرف سے، کبھی بستی والوں کی طرف سے، کبھی ضلعی سطح پر، کبھی صوبائی سطح پر طعن وتشنی دل آزاری، اللہ جانے کیسے کیسے ظلم وستم کو خوش اسلوبی کے ساتھ پی گئے۔ ہر ایک کے بس کی بات ہرگز نہیں ہوسکتی۔ کبھی مجلس میں ظاہر تک نہیں کیا فلاں نے میرے ساتھ یوں کیا، یوں کیا۔ ہم یہی دیکھتے رہے کہ شہر کے چھوٹے چھوٹے مسائل پر غور وفکر کرتے ہوئے کس طرح حکمتِ عملی سے اس کو حل کریں اور اس پر مشورہ بھی کرتے اور اس پر پوری گہری نظر رکھتے تھے۔ اور کبھی بھی اپنی ذات سے متعلق یہ نہیں پوچھتے کہ میرے بارے میں کس نے کیا کہا؟ اور اُس پر رائے قائم کرنا۔ ایسا کبھی نہیں ہوا۔

آج ہم فخر کرتے ہیں، ہمارا یہ شہر وشارم دینداروں کا ہے، علماء، حفاظ، دعوت وتبلیغ پر چلنا، کثرت سے اکابرین واسلاف کی طرف رجوع، کاروبار میں حلال وحرام کی طرف توجہ، خوف خدا کا پیدا ہونا، عبادات ومعاملات میں رجوع الی اللہ کا ہونا یہ سب حضرت والا ہی کا فیض ہے۔ سب سے بڑی دولت حضرت والا سے جو مجھ فقیر ہی کو نہیں بلکہ پورے اہل خانہ کو ملی وہ یہ ہے کہ اس پورے شہر وشارم کو ہی نہیں بلکہ پورے صوبہ ٹمل ناڈو میں اکابرین واسلاف کی سچی محبت، عقیدت وانسیت اگر ملی

ہے تو اسی بے لوث فیاضی کے فیوض یزدانی سے ملی ہے، اسی در کریم کا یہ صدقہ ہے۔

الحمدللہ حضرت والا سے جو اہم کام صوبائی سطح پر اللہ رب العزت نے لیا وہ بہت ہی نازک اور اہم ہے وہ یہ کہ اہل اردو کے ساتھ ساتھ اہل ٹمل میں اکابرین واسلاف کا تعارف عقیدت کو پیدا کرانا، اس پر ان کو آمادہ کرنا، ہر ایک کے بس کی بات نہیں۔ جتنا بھی ہم سجدہ شکر بجالائیں کم ہے۔ اللہ نے اس عظیم کام کیلئے حضرت والا کو منتخب فرمایا اللہ اکبر کبیراً۔

ان سب احسانات کے علاوہ، خصوصی احسانات وانعامات ہم پورے خاندان پر، خاص کر مجھ خطاکر گنہگار، نالائق پر ہر لائن سے ہمارا تعاون ہی نہیں بلکہ پوری پوری رہبری وسرپرستی کی۔ ہر مسئلہ وموڑ میں اپنے مفید مشوروں سے، نیز دُعاؤں اور توجہات سے بھی نوازتے رہے۔

جب کبھی بھی یہ فقیر اپنے گھریلو مسائل میں خلاف شرع کوئی بات دیکھتا اور حضرت والا سے رجوع کرتا تو حضرت والا میرا دل بہلانے کے لیے اکابرین کے واقعات سے مجھے اشارہ کردیتے تھے۔ پھر چند اشعار پڑھ کر یہ کہہ دیتے کہ دُعاء کرتا ہوں بھائی۔ اور کبھی یہ نہیں کہتے کہ اس طرح کرو، اُس طرح کرو پھر آکے کہنا کہ کیا ہوا۔ ہمیشہ سے یہی معمول رہا۔

آج جو کچھ ہے مدرسہ مفتاح العلوم ہو یا خانقاہ محمودیہ، کے۔ جی۔ اسکول ہو یا کے۔ جی۔ ہاسپٹل ہو اس کے علاوہ بتوفیق اللہ دینی، ورفاہی خدمات

ہوں، ہمارے یہ پورے خاندان سے جو بھی ہو رہا ہے یہ سب حضرت والا ہی کی دین اور انہیں کا صدقہ ہے۔ہم ان احسانات کا کیا بدلہ دیں، یہ اللہ کا مقبول ومحبوب بندہ کبھی اپنی حیات طیبہ میں اپنی ذات سے متعلق تو کیا، اپنے مدرسہ کاشف الہدیٰ کیلئے بھی کسی بھی ضرورت کا اظہار نہیں کیا۔

اللہ ان کی مغفرت فرمائے۔ ان کے درجات بلند فرمائے، اپنے آغوش رحمت میں جگہ عنایت فرمائیں۔ ان کی خدمات کو قبولیت اور مقبولیت سے نواز کر قیامت تک آنے والی ان کے نسلوں سے دین کا کام لے۔آمین۔

اللهم اغفرلهٗ وارحمهٗ واكرم نزلهٗ ووسع مدخلهٗ ونور ضريحهٗ
وادخلهٗ فی النعیم مع الابرار والمتقین یارب العلمین۔

امیر شریعت حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ
اوصاف وکمالات کے آئینے میں

حضرت مولانا مفتی محمد صلاح الدین صاحب قاسمی
امام وخطیب جامع مسجد آمبور

گذشتہ ماہ (3رفروری 2019) ہمارے صوبۂ ٹملناڈو کے امیرِ شریعت نمونۂ اسلاف حضرت اقدس مولانا محمد یعقوب صاحبؒ اپنے مالکِ حقیقی سے جا ملے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔اللہ تعالیٰ حضرت امیرِ شریعتؒ کی کروٹ کروٹ مغفرت فرما کر درجاتِ عالیہ اور اپنا خاص قرب عطا فرمائے۔آمین

حضرت امیرِ شریعتؒ گوناگوں صفات کے حامل، حضراتِ اکابرین کی سچی تصویر اور اسلافِ کرام کے عکسِ جمیل تھے، آپ عاجزی وانکساری، ورع و تقویٰ، وقار وعزتِ نفس، بڑوں کا ادب، چھوٹوں پر شفقت، زہد واستغناء، خاموش وکم گوئی، بدگوئی وغیبت سے احتراز، تسلیم ورضا، توکل وقناعت وغیرہ اوصافِ جمیلہ کے حسین پیکر تھے، گویا اِس شعر کے مصداق تھے۔

لیس علی اللہ بمستنکر أن یجمع العالم فی واحد

حضرت امیر شریعتؒ زمانۂ طالبِ علمی ہی سے اپنے اکابر اساتذہ اور اسلاف کے منظورِ نظر اور ستودہ صفات سے متصف تھے، استاذ الاساتذہ حضرت مولانا معراج الحق صاحبؒ (سابق صدر المدرسین دار العلوم دیوبند) آپ کی علمی قابلیت اور عملی جوہر کے مداح تھے، احقر نے حضرت الاستاذ امامِ فنِ ہیئت حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحبؒ (سابق صدر المدرسین دار العلوم دیوبند) کی زبان سے براہِ راست سنا کہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ طالبِ علمی کے دور ہی سے حقیقتِ تقویٰ سے متصف، نہایت کم گو اور محنتی تھے۔

بالائے سرش زہوشمندی می تافت ستارہ سربلندی

حضرت امیرِ شریعتؒ بھی اپنے اکابر اساتذہ اور مشائخِ کبار پر فدا تھے، جملہ اُمور میں حضراتِ اکابرین کے طرز اور طریقے پر رہنے کو پسند فرماتے، ایک مرتبہ احقر سے فرمایا "مدراس میں اکابرین کا نصاب ہی ہونا چاہئے"۔

حضرت مدنیؒ کے آپ عاشق تھے، ایک مرتبہ فرمایا کہ حضرت مدنیؒ جامع الکمالات شخصیت تھے، ایک بار فرمایا کہ "ہمارے صوبے میں شروع میں تبلیغی جماعت پر پابندی تھی، اسی زمانے میں ارکونم میں ایک بڑا دینی جلسہ یا تبلیغی اجتماع ہوا، اس میں حضرت مدنیؒ نے تبلیغی جماعت کے حق ہونے پر نہایت جامع اور طویل خطاب فرمایا، چار علماء کرام حضرت مولانا ابو السعود احمد صاحبؒ، حضرت

مولانا نیر ربانی صاحبؒ، حضرت مولانا خطیب عبد الجمیل صاحبؒ اور حضرت مولانا خطیب عبد الباری صاحبؒ نے اس خطاب کو قلمبند کیا (یہی نام احقر کو یاد ہیں، ہوسکتا ہے اِن کے علاوہ دوسرے علماء کرام ہوں)، حضرت مدنیؒ کے خطاب کے بعد ہی ہمارے صوبے میں ہر مسجد میں تبلیغی جماعت کو عمومی اجازت حاصل ہوئی"۔

حضرت امیر شریعتؒ نے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ کی بابرکت صحبت سے خوب فیض حاصل کیا، حضرت شیخؒ اپنے خطوط بھی آپ سے املاء کراتے تھے، اسی وجہ سے جب بھی احقر آپ کی خدمت میں حاضر ہوکر آپ سے خیریت دریافت کرتا تو آپ ضرور یہ جملہ ارشاد فرماتے کہ "حضرت شیخ الحدیثؒ خیریت پوچھنے والوں سے تحریری اور زبانی فرماتے کہ بندہ اپنے امراضِ قدیمہ اور جدیدہ کے ساتھ بخیر ہے، پھر فرماتے کہ بندہ بھی اپنے بارے میں یہی کہتا ہے"۔

ماضی قریب کے بزرگوں میں صدیق الامت حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد باندویؒ کا جو نمایاں مقام و مرتبہ تھا وہ سب پر عیاں ہے، ایک مرتبہ مدارس کی تعطیلِ کلاں کے موقع پر احقر کی حاضری ہوئی تو فرمایا "حضرت باندویؒ کی شخصیت بہت اونچی ہے، بہت کام کر گئے ہیں، آج کل میں حضرتؒ کی سوانح کا مطالعہ کر رہا ہوں"۔

حضرت امیر شریعتؒ اخلاص وللّٰہیت کے پیکر تھے، اخفاء حال کا بڑا اہتمام تھا، امیر الاصفیاء حضرت اقدس قاری امیر حسن صاحبؒ سے آپ کو اجازت وخلافت حاصل تھی، مگر آپ نے تصوف وسلوک اور تزکیہ واحسان سے متعلق اپنی

خدمات کو نہایت مخفی رکھا، بلکہ اکثر لوگوں کو یہ پتہ بھی چلنے نہیں دیا کہ آپ بھی اِس فن کے شہسوار ہیں۔

آپ اپنی زندگی کے آخری سالوں میں مدرسۂ کاشف الہدیٰ کی مسجد میں رمضان میں آخری عشرہ کا اعتکاف فرماتے ، اخفاء حال کی وجہ سے سوائے چند اساتذہ وچنندہ دوچار افراد کے اور کوئی نہ ہوتا، اگر آپ کی طرف سے اجازت ہوجاتی تو سیکڑوں لوگ پروانہ وارآپ کے اردگرد جمع ہوکرفیض حاصل کرتے اورآپ کے بھی سیکڑوں مریدین ہوتے۔

حضرت امیر شریعتؒ کوقرآن پاک کی تلاوت سے بڑا شغف تھا، رمضان المبارک میں پوراوقت تلاوت میں گذاردیتے ،تقریباً بیس سال پہلے احقر رمضان میں آپ کے دولت کدہ پر ملاقات کی غرض سے حاضر ہوا ، بہ مشکل اجازت ملی ، کمرے کے اندرطلب فرماکرفرمانے لگے رمضان میں ملاقات کا وقت بعدِ تراویح ہے، یومیہ سوا پارہ جوتراویح میں سنایا جاتا ہے، میں اس کو گیارہ مرتبہ پڑھتا ہوں ، پھر میں حافظِ قرآن کی تلاوت سننے کے قابل ہوتا ہوں ، یہ فرما کر معذرت کے ساتھ رخصت فرمادیا، اللہ اکبر رمضان کی قدروقیمت پہچاننے والے واقعی یہی حضرات تھے، دراصل ہمارے حضرت میں یہ رنگ حضرت شیخ الحدیثؒ کی مبارک صحبت سے چڑھا تھا، حضرت شیخ الحدیثؒ کے یہاں بھی رمضان میں رات دن تلاوت ہی تلاوت ہوتی ، اورعمومی ملاقات بعدِ تراویح کچھ دیر کے لئے ہوتی۔

حضرت امیرِ شریعتؒ اپنا کام خود کرنے کے عادی تھے، دوسروں سے کام نہ لیتے ،آپ کے روزمرہ کے کاموں میں کوئی آگے بڑھ کر کوئی کام کردیتا تو آپ کو گرانی ہوتی ،آپ کے چہرے سے ناگواری صاف ظاہر ہوتی ،اتباعِ سنت میں آپ نے اپنے اندر یہ وصف پیدا کیا،کسی شاعر نے حضرت پیغمبر دوعالم ﷺ کی شان میں کیا خوب کہا ہے ۔

اپنے کپڑے خود دھولینا خاک کے بستر پر سوجانا
سیدھی سادھی نیک طبیعت صلی اللہ علیہ وسلم

اکابرین واسلاف کی طرح آپ کے مخالفین نے بھی آپ کی شخصیت پر کیچڑ اچھالا، نہایت سخت سست اور برا بھلا کہا گیا،مگر آپ نے صبرِ جمیل کا مظاہرہ کیا، اور کبھی کسی مخالف کے بارے میں بدگوئی نہیں کی، سخت سے سخت طعنے برداشت کر لئے ، بدلہ لینا تو درکنار کبھی حرفِ شکایت زبان پر نہیں لایا، بقول شیخ سعدیؒ ۔

بدی را بدی سہل باشد جزاء اگر مردی احسن الی من اساء

یعنی برائی کا بدلہ برائی سے لینا بہت آسان ہے، اگر تو مردِ میدان ہے تو برائی کا بدلہ اچھائی سے دے۔

ایک عالمِ دین کے تعلق سے ایک صاحب نے بہت سی شکایتیں اوراعتراضات لکھ کر حضرت سمیت بہت سے اکابر حضرات کی خدمات میں روانہ

کیا، احقر جب حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضرت نے اس سے متعلق استفسار فرمایا، احقر نے عرض کیا چونکہ وہ شکایتیں ایک مخالف کی طرف سے تھیں اس لئے اس کو پسِ پشت ڈال دیا گیا، اس پر حضرت نے فرمایا "نہیں بھائی! دشمن اور مخالف کی باتوں اور ان کے اعتراضات میں بھی غور کرنا چاہئے، اگر ہمارے اندر واقعی کوئی کمی کوتاہی ہو جس کی نشاندہی دشمن نے کی ہو تو ان غلطیوں اور کوتاہیوں کو دور کر کے اپنی صلاح کر لینا ضروری ہے، ہمارا دشمن اور مخالف کہہ کر اس کو نظر انداز کرنا صحیح نہیں"۔

حضرتؒ کی ایک خوبی یہ بھی تھی کہ کسی شخص میں بہت سی خامیاں ہوں مگر چند خوبیاں بھی ہوں تو خوبیوں کے سامنے رکھتے، ایک مجلس میں ہمارے صوبہ کے ایک بڑے عالمِ دین سے متعلق لوگوں نے بہت سی شکایتیں کیں، حضرتؒ نے آخر میں فرمایا: "بھائی! کوئی انسان عیب سے خالی نہیں، اس لئے ان کی خوبیوں سے فائدہ اٹھاؤ"۔

حضرت امیرِ شریعتؒ مسلکِ حق (مسلکِ علماءِ دیوبند) کے ترجمان تھے، مسلک پر پوری مضبوطی و پختگی کے ساتھ قائم رہے، اس میں کوئی جھول نہیں تھا، ٹمل ناڈو، کرناٹک، کیرلا وغیرہ کے مدارس میں آپ کی تدریسی خدمات اور مدرسۂ کاشف الہدیٰ مدراس میں اپنی بقیہ پوری زندگی دینی خدمت کی برکت سے ٹمل علاقے میں مسلکِ دیوبند کو الحمدللہ بہت فروغ حاصل ہوا اور ہزاروں مسلکی علماء وفضلاء پیدا ہوئے۔

حضرتؒ نے احقر سے ایک مرتبہ فرمایا کہ "جس وقت حافظ ہو کر اپنے شہرِ میل وشارم پہنچا اور پہلی محراب سنائی، اس وقت شہر کے ذمہ دار حضرات نے تراویح کی اجرت دینے کی بڑی کوشش کی مگر میں نے اس کو قبول نہیں کیا"۔

حضرتؒ فرائض خمسہ با جماعت صفِ اول اور تکبیرِ اولیٰ کے ساتھ ادا کرنے کے بڑے پابند تھے، میرے علم کے مطابق مدرسۂ کاشف الہدیٰ میں آپ نے اپنی خاطر جماعت مؤخر کرانے کا کبھی موقعہ نہیں دیا، بلکہ صفِ اول میں داہنی جانب آپ بہت پہلے حاضر ہو جاتے اور سننِ قبلیہ اور بعدیہ کا بھی بہت اہتمام فرماتے۔

حضرت امیرِ شریعتؒ کا خطاب بہت دلنشین، نہایت مؤثر، سنجیدہ اور جامع و پر مغز ہوا کرتا تھا، میل وشارم کی پاکتنی مسجد میں ہر مہینہ شمسی تاریخ کے اعتبار سے پہلا جمعہ آپ خطاب فرماتے، لوگوں کو اس خطاب کا بہت انتظار رہتا، احقر کو زمانۂ طالبِ علمی میں آپ کے بہت سے خطابات میں شریک ہو کر استفادہ کا سنہرا کا موقع حاصل ہوا، آپ قرآن وحدیث سے اپنی بات شروع کرتے، سلفِ صالحین کے واقعات، دورِ حاضر کے سلگتے ہوئے مسائل پر بہت محتاط روشنی ڈالتے، فرقِ باطلہ کی تردید کرتے اور ڈاکٹر اقبالؒ اور اکبر الہ آبادیؒ کے اشعار کے ذریعے اپنی بات خوب سمجھاتے۔ شعراء حضرات میں آپ مذکورہ دو شاعروں کو بہت مانتے تھے کہ شاعرِ مشرق ڈاکٹر اقبالؒ نے علمی وتحقیقی طریقے سے مغربی افکار وخیالات پر کاری ضرب لگائی ہے جبکہ شاعرِ بے مثال اکبر الہ آبادیؒ

نے طنز و مزاح کے راستے سے انگریزی طرزِ زندگی و مغربی معاشرہ کی قلعی کھول دی، آپ کا خطاب نہایت عام فہم، فصیح و بلیغ اور معیاری زبان پر مشتمل از دل خیزد بردل ریزد کا مصداق ہوا کرتا تھا، ایک خطاب میں آپ نے بزرگوں کا یہ قول پیش کیا **الدنیا جیفة و طالبها کلاب** پھر تشریح کرتے ہوئے فرمایا دُنیا کے طالب کلاب ہیں اور فرمایا کہ کلاب کا ترجمہ آپ حضرات دریافت کرلیں، میں نہیں کرتا۔

حضرت امیر شریعتؒ احقر کے ساتھ بہت شفقت کا معاملہ فرماتے تھے، جب بھی حاضری ہوتی خوش ہوتے، بہت سی قیمتی باتیں بتاتے، کبھی کبھی احقر عطر بطورِ ہدیہ پیش کرتا تو **ثلاثة لاتردُ الطیب والوسادة واللبن** (تین ہدیے رد نہیں کئے جاتے خوشبو، تکیہ اور دودھ) کی حدیثِ پاک پڑھ کر قبول فرماتے۔ صوبۂ ٹملناڈو کے علماء کرام کی مجلس لجنۃ الہدیٰ کی مجلسِ عاملہ کا آپ نے احقر کو رکن نامزد کیا اور احقر سے فرمایا اس بہانے آپ سے ملاقات ہوتی رہے گی، مدرسۂ جامع العلوم کا نظام حضرتؒ کو بہت پسند تھا، کالج کے طلبہ پر ہونے والی دینی محنت سے حضرتؒ کو بہت مسرت تھی، مدرسہ کے اجلاس میں حضرت امیر شریعتؒ نے اپنے دیرینہ معمول کے خلاف اسٹیج پر رونق افروز ہوئے، بہت جامع خطاب فرمایا، الحمدللہ حضرت کا خطاب اسی شمارے میں بغرضِ استفادہ شائع شدہ ہے۔ اسی طرح ایک اور اجلاس میں بڑی مشقتوں کے ساتھ حضرت تشریف فرما ہوئے، احقر نے عرض کیا حضرت! میری وجہ سے بہت تکلیف ہوئی، معاف

فرمادیں، یہ سن کر آپ نے مسکراتے ہوئے فرمایا آپ نے کیوں تکلیف دی، ہم معاف نہیں کریں گے۔ حضرت جب واپس تشریف لے جارہے تھے، احقر سے فرمایا آپ نے کھانا کھالیا؟ احقر نے جواباً عرض کیا، حضرت کی تشریف آوری کی خوشی میں بھوک کا احساس نہیں رہا۔

حضرتؒ کی خدمت میں ماہنامہ الخیر شروع دن سے بغرضِ اصلاح پہنچتا تھا، حسبِ معمول حاضری ہوئی تو فرمانے لگے "الخیر میرے یہاں برابر پہنچ رہا ہے، اس کے مضامین پسند آتے ہیں، آپ کے پاس اِس سلسلے میں کئی مہینوں سے عریضہ لکھنے کا ارادہ کررہا ہوں، مگر کسی نہ کسی وجہ سے تاخیر در تاخیر ہوجاتی ہے"۔ اس کے علاوہ بھی حضرتؒ کے اعتماد اور شفقتوں سے متعلق کئی باتیں ہیں جنہیں چند خواص حضرات جانتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمارے حضرت امیرِ شریعتؒ کی مغفرت فرماکر درجات بلند فرمائے، آپ کے فیوض و برکات سے پوری اُمت کو مستفید ہوتے رہنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہمارے صوبے میں امارتِ شرعیہ کے دینی منصب پر اللہ تعالیٰ آپ کا نعم البدل فائز فرمائے۔ آمین

حضرتؒ کے معمولات

حضرت مولانا محمد حسین صاحب قاسمی، وشارمی

صاحبزادہ فخر جنوبؒ و مدرس مدرسہ مفتاح العلوم، میل وشارم

الحمدللہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی سید المرسلین اما بعد

اعمال میں اللہ کو محبوب ترین عمل وہ ہے جس میں دوام اور ہمیشگی پائی جاتی ہو۔ پابندی اور تسلسل کے زیور سے آراستہ اور مزین ہو، حدیث پاک میں ہے **احب الاعمال الی اللہ ادومھا** اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ عمل وہی ہے جس میں دوام اور تسلسل ہو اور اگر یہ اعمال صفت اعتدال سے متصف جائیں تو پھر سونے پر سہاگہ ہے۔

والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا طرز بھی تقریبا ایسا ہی رہا، ہر کام کے لئے ایک موزوں اور مناسب ڈھنگ ہوتا تھا، جو اونچ نیچ سے خالی ہوتا تھا، گھڑی کی سوئی ادھر سے ادھر ہو تو ہو، لیکن کیا مجال کہ آپ کا کوئی عمل اپنے وقت مقررہ سے آگے پیچھے ہو جائے۔

<u>ایام رمضان:</u>

چونکہ ہم اہل خانہ کو کوئی ایسا مکمل مہینہ دیکھنے کو نہیں ملتا تھا۔ جس میں ہم آپ

کے معمولات کو دیکھ سکیں، اس لئے مناسب سمجھا کہ اسی ماہ مبارک کے معمولات کو ذکر کردوں، چنانچہ حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس ماہ میں پورے طور سے یکسو ہو جاتے، خود تو ہوتے تھے آوروں کو بھی اس کی ترغیب دیتے تھے، اگر کسی کا ماہ رمضان میں سفر کا ارادہ ہوا اور اس سے متعلق مشورہ اور دعا کی درخواست کرے ،تو دعا تو دیتے تھے لیکن کہتے کہ رمضان تو سکون سے گزارنے کا مہینہ ہے، والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ جاری بیانات کو بھی رمضان کی خاطر موقوف فرمادیتے تھے اسی طرح ماہ مبارک کے آنے سے بہت پہلے عید کا سامان تیار کرادیتے تھے ہمیں اچھی طرح یاد ہے کہ بچپن میں شعبان سے پہلے ہی نئے ملبوسات کا کام ہو جاتا تھا اور پندرہویں شعبان سے پہلے ہی ہر ایک کے تین چار جوڑے آجاتے کہ یہ سب کام کہیں رمضان میں مخل ثابت نہ ہوں۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ کمال احتیاط کی بناء پر کبھی کبھار یوم الشک کا روزہ بھی رکھتے تھے لہذا شعبان کی انتیسویں تاریخ اہل خانہ کو اس کی اطلاع دیتے تھے کہ رات کو سحری کرنی ہے تاکہ وہ انتظام کرلیں کیوں کہ اس زمانے میں اتنی سہولیات مہیا نہیں تھی کہ اگر دور دراز شہر میں چاند نظر آجائے تو یہاں تک اس کی اطلاع آسانی کیساتھ ہو سکے

ایک مرتبہ رات کے آخری حصے میں چاند کا اعلان ہوا کیونکہ وقت باقی تھا اس لئے جو گھر میں تھا اسی سے سحری کرلی گئی اور روزہ رکھ لیا گیا اس سے بہت پہلے

کسی سال رمضان کے چاند کی خبر دن میں ہونے کی بھی سنی گئی ہے اس لئے بسا اوقات تیسویں شعبان کو روزہ رکھتے تھے کہ کہیں رمضان کا کوئی دن روزہ سے خالی نہ رہ جائے بعد میں جب جدید ذریعہ مواصلات کا دور شروع ہوا تو آپ نے یوم الشک کا روزہ ترک کردیا۔

پھر جب رمضان کا آغاز ہو جائے تو آپ کے معمولات شروع ہو جاتے تھے چاند کے اعلان کے بعد پورے اہتمام سے ضروریات سے فارغ ہو کر وضو کرکے عشاء کی نماز کے لئے جماعت سے چند منٹ پہلے محلے کی مسجد پہنچ جاتے، عشاء اور تراویح سے فراغت کے بعد وہیں تراویح کے حافظ صاحب اور سامع سے ملاقات ہوتی، کچھ کمی نقص رہ جاتی تو اگلے دن اسے صحیح کرنے کے لئے آپ تاکید فرماتے اور اگلے دن اسے دور کرلیا کرتے تھے تراویح سے فراغت کے بعد گھر تشریف لاتے۔ جب تک آپ کے قویٰ مضبوط تھے مسجد آمدورفت پیدل ہی ہوتا تھا۔ باوجودیکہ پیر میں شدید درد تھا اور گھٹنوں کی تکلیف تو برسوں سے رہی، احباب اور متعلقین گاڑی سے لے جانے پر اصرار کرنے کے باوجود والد صاحب نے بلا اشد ضرورت کے قبول نہیں فرمایا۔

الغرض مسجد سے واپس آنے کے بعد ضروریات سے فارغ ہو کر جو موجود ہوتا اسے تناول فرماتے اور فارغ ہونے تک بارہ تو بج ہی جاتے پھر اس کے بعد صرف تھوڑ دیر تیل کی مالش کر کے ٹہلتے رہتے، اس کے بعد آرام کرنے کے لئے

تشریف لے جاتے۔ ہمیں یہ پتا نہیں چلتا تھا کہ آپ کی آنکھ کب لگتی۔ اس لئے کہ اس وقت آپ کو کم خوابی کی شکایت بھی ہو جاتی تھی۔ صبح کو تقریبا سوا تین بجے اٹھنے کا معمول تھا ضروریات سے فارغ ہو کر تہجد میں کھڑے ہو جاتے۔

اسی میں اگلی رات میں پڑھی جانے والی آیتوں کی تلاوت فرماتے، حکم کے مطابق اطلاع دی جاتی، تو سحری کے لیے تشریف لاتے اور سحری تناول فرماتے، غیر معمولی تیزی کے ساتھ ختم سحری کے اعلان سے دو تین منٹ پہلے ہی فارغ ہو جاتے اور اہل خانہ سے بھی معلوم کرتے کہ سب کی سحری ہوگی یا نہیں؟ اگر نہیں تو جلدی کا تقاضا فرماتے ایسے ہی موقع پر راقم الحروف کو خوب ڈانٹ پڑتی ایک مرتبہ آہستہ کھاتے ہوئے دیکھا تو فرمایا! جلدی کر، مزے لے لے کر پی رہا ہے یہی نہیں اس کے علاوہ اور بھی مواقع ہیں جن میں احقر سے کوتاہی ہوتی تھی اور ڈانٹ سننی پڑتی تھی ایک مرتبہ احقر نے بچپن میں شرارت کی بنیاد پر پنکھے سے پٹائی بھی کھائی ہے۔

ختم سحری کے اعلان کے بعد اچھی طرح کلی فرمالیتے کہ دانتوں کا خلال ہو جائے، کیا پتہ غفلت میں کوئی ذرہ اندر ہی رہ جائے، پھر تقریبا 9 بجے تک آرام فرماتے، بعد ازاں اٹھ کر ضروریات سے فارغ ہو کر چار رکعت ادا کر کے تلاوت میں لگ جاتے، یہ سلسلہ 12 بجے تک جاری رہتا۔ پھر آدھ پون گھنٹہ ضروری خطوط کا ملاحظہ فرماتے، اتنے میں نماز کا وقت قریب ہو جاتا، تو ظہر کی تیاری شروع فرمادیتے بعد ظہر تقریبا آدھا گھنٹہ ذکر میں لگے رہتے، پھر گھر آ کر تلاوت میں لگ

جاتے ، یہ سلسلہ مسلسل چار بجے تک جاری رہتا، اسی وقت گشت لگا کر ہم بچوں کی نگرانی فرماتے کہ دیکھیں رمضان کی ان گھڑیوں میں کس کام میں مشغول ہیں؟ اس کے بعد کچھ دیر آرام فرماتے ، پھر عصر کی تیاری شروع ہوجاتی ،عصر سے فراغت پاکر افطار سے کچھ پہلے تک تلاوت میں مشغول رہتے تھے افطار کے قریب دسترخوان پر تشریف لاکر ذکر میں مشغول ہو جاتے ،افطاری کا اعلان ہوتے ہی وقت دیکھتے کہ ٹھیک وقت پر اعلان ہو رہا ہے کہ نہیں جب یقین ہوجاتا تو کھجور سے افطار کرتے ،تب سبھی اہل خانہ اپنا اپنا روزہ کھول دیتے ،اسی وقت ایک دو مشروب جلدی سے نوش فرمالیتے اور عموماً تمل ناڈو کی افطاری میں گنجی اور بڑے یعنی پکوڑی کے بغیر افطاری کامل نہیں سمجھی جاتی ۔لہذا حضرت رحمۃ اللہ علیہ اس میں سے کچھ لے کر سب سے پہلے دسترخوان سے اٹھ جاتے ،ان دنوں وشارم کی مسجدوں میں صرف پانچ منٹ کے وقفے سے اذان دی جاتی تھی اور گھر سے مسجد تک کا فاصلہ بھی تین ساڑھے تین منٹ کا تھا اس حساب سے آپ کو افطاری کے لیے صرف دو ڈھائی منٹ ملتے تھے ،اس وقفے میں افطاری کر کے مسجد پہنچ جاتے ،صف اول اور تکبیر اولیٰ بھی پالیتے تھے اور من جد وجد کے مطابق نہ تو کبھی صف اوّل چھوٹی اور نہ تکبیر اولیٰ ، رکعت چھوٹنے کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا ،بعد مغرب سنت و نوافل میں کھڑے ہوجاتے ،نوافل میں محراب سنائی جانے والی آیتیں پڑھتے رہتے جہاں کہیں شبہ ہوتا بعد نماز قرآن شریف کھول کر دیکھ لیتے پھر پڑھتے اس طرح پون

گھنٹہ وہاں گزرتا پھر گھر آکر ضروریات کے بعد ناشتہ کرتے رمضان میں عشاء سے پہلے کھانے کا معمول رہا کیونکہ آگے تراویح ہے اس لئے کچھ دیر کمر سیدھی کرنے کے خیال سے ناشتے کو مختصر کر لیتے رمضان میں ہم جیسوں سے متعلق تو کیا کہا جاسکتا ہے بعض لوگ اوقات بدل لیتے ہیں کھانے پینے میں کوئی کمی نہیں کرتے جب کہ روزہ سے مقصود قوت ملکانیہ کا بڑھانا اور قوت شہوانیہ کو گھٹانا ہے لیکن حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے چوبیس گھنٹوں میں خود ہی اندازہ لگالیں کہ کھانے کی مقدار کیا ہوگی اس لیے کہ جو کھانا وقت کی تنگی کے پیش نظر اور کبھی آگے آرام کی خاطر اور کبھی نماز باجماعت اور تکبیر اولیٰ پانے کی فکر کے ساتھ کھایا جائے وہ کتنا ہوسکتا ہے رمضان میں عشاء کی اذان نماز سے آدھا گھنٹہ پہلے ہوتی ہے اس لیے اذان ہوتے ہی عشاء کی تیاری شروع کر دیتے یہ رمضان کے ایک دن کا معمول نہیں بلکہ پورے 30 دن کا بلکہ زندگی بھر کے زمانہ صحت کے رمضان کا معمول ہے۔

رمضان میں کسی کو بھی ملاقات کی اجازت نہیں تھی حتیٰ کہ رشتے داروں کو بھی اجازت نہیں تھی ، ہمارے اعزاء واقارب والد صاحب کی طبیعت کو خوب جانتے تھے اس لیے رمضان میں وہ خود ہی نہیں آتے تھے ہاں تراویح کے بعد کچھ کہنے سننے کی اجازت ہو جاتی تھی ۔ جب عید کا چاند نظر آتا تھا اور اس کا اعلان ہو جاتا تو سونے سے پہلے صدقہ فطر اور مستحقین کی فہرست تیار کرنے کا حکم دیتے بچوں کو جلد تیار ہو کر عیدگاہ جانے کا تقاضا فرماتے تھے۔

انگریزی ماہ کے پہلے جمعہ کو پاکتنی مسجد میں 35 سے 40 منٹ بیان ہوتا تھا اس وقت کے اندر اپنے سارے مضامین کو سمیٹ کر بیان سے فارغ ہو جاتے تھے۔

سفر دیوبند:

تقریبا ڈیڑھ دن کا سفر عموما ریل گاڑی سے ہوتا تھا۔ ریل گاڑی کا جو وقت ہوتا اس سے قریب قریب ایک گھنٹہ پہلے اسٹیشن پہنچنا لازم تھا اس کے لیے گھر سے اسٹیشن تک پہنچنے کا بخوبی اندازہ کر کے متعین وقت میں اسٹیشن پہنچتے تاکہ گاڑی چھوٹنے نہ پائے۔ لہذا اسٹیشن پہنچ کر سامان کی گنتی جو پہلے ہو چکی ہوتی اسکا اعادہ فرماتے اور ہر وقت سامان پر نظر رہتی اس لیے کہ جیسے کسی کو دھوکا دینا جائز نہیں ایسے ہی ایمان والے کو کسی سے دھوکا کھانا بھی مناسب نہیں اس طرح کا احتیاط ہو تو بھلا بتائیں کہ کب ناکامی کا سامنا ہوگا لہذا زندگی بھر نہ کبھی ریل گاڑی چھوٹی اور نہ کبھی سامان کہیں رہ گیا۔

تدریس:

درس سے متعلق بھی یہی سنا کہ جتنا وقت ہے ان سب کو گھیر کر مناسب انداز سے بات کو کامل مکمل کر دیتے، اس طرح کہ طلبہ مطمئن ہو جائیں اور سال بھر وہی ترتیب قائم رہتی اور تقریبا چار پانچ منٹ پہلے درس سے فارغ ہو کر بیٹھے رہتے تاکہ کسی کو کچھ اشکال ہو تو اسی وقت اس کو دور کر سکیں اور یہ بھی کہا کرتے تھے کہ جب امتحان کے لیے اسباق موقوف ہوں تو اس وقت اساتذہ کا رخصت پہ چلا جانا

مناسب نہیں اس لئے کہ امتحان کی تیاری کا وقت ہے اور اس وقت طلباء کو درس و تکرار میں اشکالات آسکتے ہیں، جس کے حل کے لیے استاذ سے رجوع کیا جائے گا اس عین وقت کی غیر حاضری طلبہ پر بارگراں ہوگی، غرض یہ کہ ہر کام کا بخوبی اندازہ کیا جاتا اور وہ کام بالکل منظم اور بحسن وخوبی انجام پاتا تھا۔ اس وقت کاہلی وسستی کو روا نہیں سمجھتے تھے نہ جوش وخروش اختیار کرتے کہ ایک دم سے چھلانگ لگالیں بلکہ میانہ روی اور درمیانی رفتار سے چلتے رہتے، ہم کو بھی اسی کی تاکید کرتے۔ امتحانات کے نتائج دیکھ کر اور خطوط میں بھی ایسے جملے بہت لکھتے کہ صحت کا خیال رکھتے ہوئے تعلیم اور تیاری برابر جاری رکھو لیکن آج ایسے مشفق اور محتاط اور پھونک پھونک کر قدم رکھنے والے رہبر ہم سے ہمیشہ کے لیے رخصت ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون اللہ غریق رحمت کرے، فردوس کے اعلی مقام سے نوازے اور ہمیں آخری سانس تک ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے

(حضرت امیر شریعت تامل ناڈو...... زہد و استغنا کا عظیم پیکر)

حضرت مولانا حسن قادری صاحب قاسمی

سکریٹری جمعیۃ علماء، رائچور

فخر جنوب عمدۃ الخلف بقیۃ السلف نمونہ جنید و بایزید، یادگارِ اسلاف دِیوبند، امیر شریعت حضرت مولانا یعقوب صاحب مدراسی رحمہ اللہ کی رخصت جنوب میں ایک عہد کا خاتمہ ہے۔جن سے قدیم اکابر و اسلاف کی ایک سنہری تاریخ جڑی ہوئی تھی

اگر یہ کہا جاے کہ جنوب میں منہاجِ اکابر اور مزاجِ اسلاف کی ایک جیتی جاگتی تصویر تھے تو اس میں کوی مبالغہ نہیں ہوگا اس لئے کہ آپکی درد آمیز جدو جہد آپکا سلجھا ہوا طریقۂ کار آپکا رہن سہن اور آپکی پاکیزہ زندگی خلوص وللّٰہیت اور زھد و استغناء سے عبارت تھی

آپ جامعہ باقیات صالحات ویلور کے قابلِ قدر فاضل ہونے اور وہاں کے علما و اساتذہ کے ذوق و مشرب کے کچھ مختلف ہونیکے باوجود آپ نے اپنے

اساتذہ دارالعلوم کے مزاج و مذاق کو نہ صرف اپنایا بلکہ اکابرینِ دیوبند کے متعلق پیدا شدہ غلط فہمیوں اور بدگمانیوں کو تمام تر مخالفتوں کے باوجود بڑے ہی حسنِ تدبیر کے ساتھ دور بھی کیا اور اسکو اپنی تحریر و تقریر کے ذریعے خوب واضح بھی کیا۔

فتاوی باقیات صالحات اور اسکا وقیع وشاہکار مقدمہ اس خدمت کا بہترین آئینہ دار ہے۔جس کی وجہ سے اپنے اکابر کا موقف اور بانی باقیات رحمہ اللہ کا ہم آہنگ مسلک منصۂ شہود پر خوب منقح ہوکر سامنے آیا **فجزاہ اللہ عنا و عن جمیع اھل العلم** آمین یہ آپکا اہلِ جنوب پر ایسا علمی و مسلکی احسان ہے جسے کبھی بھی فراموش نہیں کیا جاسکتا آپکا وجودِ مسعود بالعموم پورے جنوب کے لیے اور بالخصوص خطہ تاملناڈو کے لئے ایک نعمتِ غیر مترقبہ تھا بلکہ اہل مدارس اور وابستگانِ خدماتِ دینیہ کی آرزویں اور امیدیں آپ سے وابستہ تھیں کہ ایسی ہمہ گیر اور مرجع العلماء شخصیات افقِ عالم پر کبھی کبھی جلوہ افروز ہوتی ہیں۔آپ بھی گویا کہ اس عظمتِ رفتہ کی آخری نشانی تھے.

آپ نے ایک طرف جہاں درس وتدریس کے ذریعے طالبانِ علوم نبوت کو اپنے فیضِ علمی سے مستفیض کیا چنانچہ خانقاہِ امدادیہ تھانہ بھون، مظاہر العلوم سیلم، دارالعلوم سبیل الرشاد بنگلور جامعہ باقیات صالحات ویلور اور آخر تک مدرسہ کاشف الھدی مدراس کی عظیم الشان مسندِ تدریس سے تشنگانِ علوم تک اپنا فیض پہنچایا۔

اسی طرح عوام الناس کی رہبری و رہنمای اور عمومی افادہ کی طور پر

میل وشارم کی معروف پاکتنی مسجد کے منبر سے اپنے قیمتی اور فکر انگیز خطابات کا سلسلہ جاری رکھا۔

اسی طرح دوسرے میدان میں ملی اور قومی مسائل کے حل کے لیے موقعہ بموقعہ امارتِ شرعیہ ہند، مسلم پرسنل لا بورڈ اور جمعیت علما ھند وغیرہ اکابر کے قائم کردہ اداروں کے ذریعے اپنی یادگار بےلوث خدمات انجام دیں۔ اسی طرح آپ ایک روحانی اور اہلِ دل اہلِ درد شخصیت کے مالک تھے آپ جنوب کے معروف ادارے مدرسہ مفتاح العلوم میل وشارم مدرسہ کاشف الھدی مدراس کے سرپرست اعلی بھی تھے اور جامعہ باقیات صالحات کی تعلیمی کمیٹی کے رکن رکین تھے۔ ان اداروں کی ترقیات میں آپکی دعاؤں، روحانی توجہات اور رہنمائی کا بڑا دخل ہے۔ مسلکِ صحیح کے تحفظ اور نت نئے فتن کے تعاقب کے لیے، آپ ہمیشہ فکر مند رہتے اور اہلِ مدارس اور اربابِ حل وعقد کو بار بار اسکی طرف توجہ دلاتے رہتے جسکی وجہ سے پورا علاقہ حساس رہتا تھا۔

آپ کئی دینی مدارس کے سرپرست، ملی وقومی تنظیموں کے نگران اور کئی جید الاستعداد با فیض علماء کے استاذ، ام المدارس دار العلوم دیوبند کی عظیم المرتبت شوری کے تادم آخر رکن تھے۔ ان جملہ اوصافِ ستودہ کے ساتھ آپکا خصوصی وصف سادگی وقناعت پسندی دنیا بیزای وآخرت طلبی اور زھد واستغناء تھا۔

بڑے بڑے اہل ثروت سرمایہ داروں کے آپکے اردگرد رہنے اور آپکے ان سے بزرگانہ ورہبرانہ تعلقات کے باوجود آپ نے دنیا کو ہمیشہ اپنے سے دور

رکھا اور بے نیازی اور شانِ استغنا کے ایسے مظاہرے پیش کئیے کہ چشمِ عالم حیرت زدہ ہے۔ جس پر بجا طور پر یہ شعر صادق آتا ہے.

دنیا میں ہوں دنیا کا طلبگار نہیں ہوں
بازار سے گزرا ہوں خریدار نہیں ہوں

آپکی بے داغ سادگی اور گمنامی واخفا پسندی اور آپکا سادہ لباس ایک طرف حضرت نانوتوی کی یاد تازہ کراتا تھا تو آپکی بے نیازی قطب عالم حضرت گنگوہی کی عکاسی کرتی تھی اور آپکی جرأت وحمیت شیخ الاسلام حضرت مدنی کی تصویر پیش کرتی تھی۔ آپ حضرت شیخ الاسلام مدنی کے عاشق زار تھے آپکی روحانی مجلسیں ہوں یا علمی وتحقیقی بیانات یا پند ونصائح کے موقعے ان اکابر کے پاکیزہ تذکروں سے بالخصوص حضرت شیخ الاسلام کے والہانہ وعقیدتمندانہ ذکر سے کبھی بھی خالی نہیں ہوتے تھے۔

ہم نے اپنے اکابر کو حضرت ہی کے پرسوز اور دل گداز بیانات سے ہی پہچانا ہے جتنا پڑھا تھا اس سے زیادہ حضرت کے چشم دیدہ واقعات اور بیانات سے سمجھا اور سیکھا ہے۔ حضرت امیر شریعت اپنے پرسوز خطاب میں جن اکابر کی سوانح حیات اور انکے بے داغ کارناموں کا بار بار تذکرہ فرماتے تھے، ان میں بالخصوص شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی، شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی، بانی تبلیغ حضرت مولانا الیاس صاحب کاندھلوی، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی، شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحب کاندھلوی، حضرت مولانا مفتی شفیع

صاحب پاکستانی اور حضرت بانی باقیات حضرت شاہ عبد الوہاب صاحب قادری رحمہم اللہ اکابر کے نام شامل ہیں۔

ہم نے اپنی آنکھوں سے بڑے بڑے مرجع الخلائق، جلیل القدر اکابر علماء، حضرت فدائے ملت مولانا اسعد مدنی، حضرت مولانا مرغوب الرحمن صاحب، حضرت جانشین شیخ الاسلام مولانا ارشد مدنی، حضرت مولانا پیر طلحہ صاحب سہارنپوری، حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم نعمانی اور جملہ اکابرینِ دارالعلوم ومظاہر العلوم کو آپکے ساتھ انتہائی قدر واحترام کے ساتھ پیش آتے دیکھا ہے۔ یہ حضرت والا کے اکابر کے یہاں انکے مقام ومرتبے کا پتہ دیتا ہے۔ آج حضرت والا اپنی اس جہدِ مسلسل کے سلسلے کو منقطع کرکے اپنے مالک حقیقی سے جاملے فرحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔

آپکے سوز وگداز اور درد انگیز لہجے کی یاد ہمیشہ اہل انجمن کو ستاتی رہے گی اور آپکی پاکیزہ خلوت کے پر اثر جلواتی لمحات یاد آتے رہیں گے۔

اقبال نے صحیح کہا تھا

ترستی ہے نگاہِ نارسا جسکے نظارے کو — وہ رونق انجمن کی ہے انھیں خلوت گزینوں میں
جلاسکتی ہے شمعِ کشتہ کو موجِ نفس کی — الٰہی کیا چھپا ہوتا ہے اہل دل کے سینوں میں

یقیناً آپکا بدل ملنا تو بہت مشکل ہے خدائے خبیر آپکی لحدِ مبارک پر رحمتوں کی برسات برسائے اور قدسیانِ رحمت آپکے مسکن کی نگہبانی کریں اور آپکو اپنے قرب کے مراتبِ عالیہ میں تمکن عطا فرمائے اور ہمیں آپکے چھوڑے ہوئے تاباں نقوش پر عمل کی توفیق عنایت فرمائے آمین ثم آمین۔

(تاثرات عمائدین)

حضرت مولانا ایک اصول پسند شخصیت تھے

جناب الحاج ملک محمد ہاشم صاحب دام اقبالہ، میل وشارم

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ ہمارے اس علاقے کے لئے علمائے دیوبند کے ترجمان تھے، اللہ تعالی نے آپ کو دینی ودنیاوی علوم سے نوازا۔ ایلمنڑی (Elementry) اسکول کے بعد اسلامیہ ہائی اسکول میں گیارہویں جماعت تک عصری تعلیم حاصل کی، جس کو (S .L. C) کہا جاتا تھا۔ اس زمانے کے لحاظ سے اس کو اعلی تعلیم سمجھا جاتا تھا۔ اس کے بعد باقیات صالحات اور دارالعلوم دیوبند میں دینی علوم حاصل کئے۔

الحمد للہ بندہ نے بھی حضرتؒ سے خوب استفادہ کیا، آج سے تقریبا پچاس برس پہلے وشارم کی پاکتنی مسجد میں کچھ زمانے تک روزانہ مغرب کے بعد حضرتؒ کی تفسیر کی مجلس ہوتی تھی، بندہ بھی اس میں پابندی سے شرکت کرتا تھا تفسیر کا یہ سلسلہ سورۂ یوسف تک چلا، پھر اچانک کسی وجہ سے رک گیا، شاید حضرت شمالی ہند میں درس وتدریس کے لئے تشریف لے گئے تھے۔ اس دور کی بہت سی باتیں بندہ کو کافی دنوں تک یاد بھی رہیں۔ اس کے چند سالوں بعد اسی مسجد میں ہر ماہ کے پہلے جمعہ

میں بیان کا سلسلہ شروع ہوا، مگر سفر کی وجہ سے درس قرآن کی طرح اس مجلس میں پابندی کے ساتھ شرکت کا موقع نہیں ملا۔ عصری تعلیم میں آپ میرے بڑے بہنوئی جناب الحاج آرکاٹ احمد باشاہ صاحب مرحوم کے ہم سبق تھے۔ حضرتؒ مجھ سے عمر میں چار سال کے بڑے تھے۔ اس کے باوجود حضرتؒ سے قریبی تعلق رہا، کبھی کبھی ہم دونوں میں بے تکلفی بھی ہو جاتی.

چند سال پہلے کی بات ہے میں حضرتؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ حضرت فلاں ملک کا سفر ہے دعا فرمائیں تو حضرتؒ نے فرمایا اس عمر میں اتنے لمبے لمبے اسفار کیوں کرتے ہو؟ غیر ملکی اسفار کے لئے اپنے فرزندوں کو بھیج دو اور آپ کاروبار کے اندورونی حالات پر نظر رکھو، بہر حال میرا اس طرح بار بار سفر کرنا حضرتؒ کو اچھا نہیں لگتا تھا۔ حضرت کے وصال سے چند ماہ پہلے بندہ نے حضرت سے عرض کیا کہ حضرت اب چند سالوں سے بیرون ملک کا سفر نہیں کرتا ہوں اپنے فرزندوں ہی کو بھیج دیتا ہوں صرف سال میں ایک مرتبہ اپنے اہل خانہ کے ساتھ حجاز مقدس کا سفر کرتا ہوں اس کے علاوہ کہیں نہیں جاتا یہ سن کر حضرت بہت خوش ہوئے اور اپنے مخصوص انداز میں فرمایا: ''بہت اچھا کئے''۔ کوئی بھی اہم کام عمائدین شہر اور متولیان وشارم آپ سے مشورہ کئے بغیر نہیں کرتے تھے۔ ہم منتظمین مدرسہ مفتاح العلوم بھی مدرسہ کے تمام امور حضرت کے مشورہ سے ہی کیا کرتے تھے۔

میرے والد جناب الحاج ملک خضر حسین صاحب مرحوم اور دیگر عمائدین شہر کا ارادہ تھا کہ حضرت کی تدریسی خدمات وشارم ہی میں رہے۔ چنانچہ اس عظیم مقصد کی تکمیل کے لئے ان احباب نے مدرسۂ مدینۃ العلم، میل وشارم کو بنیاد بنا کر ایک بڑا عربی مدرسہ قائم کرنے کا ارادہ کیا۔ مگر حضرتؒ نے اس کو پسند نہیں فرمایا کہ مادر علمی باقیات صالحات کے بغل ہی میں اسی جیسا ایک اور مدرسہ قائم ہو اس لئے حضرت نے معذرت کر دی۔

آپ جامعہ باقیات صالحات کی تعلیمی کمیٹی کے سرپرست رہے، اس کے ہر اجلاس میں پابندی کے ساتھ شریک ہوتے، اور اپنی قیمتی آراء سے نوازتے، اسباق کی مقدار نصاب پر گہری نظر رکھتے، اور اساتذۂ کرام کے رجسٹر طلب فرما کر اس کا معائنہ فرماتے، اگر کسی کی مقدار خواندگی میں کمی ہوتی تو متعلقہ استاذ کو طلب فرما کر کمی کی وجہ دریافت فرماتے، جس کی وجہ سے تعلیمی معیار میں کافی اضافہ ہوا۔

ایک مرتبہ لندن کے مولانا عبدالرحیم صاحبؒ متالا سے ملاقات ہوئی دوران گفتگو موصوف نے حضرت مولانا کا ذکر خیر کرتے ہوئے فرمایا: حضرت مولانا یعقوب صاحبؒ مدراس کے باشندے ہو کر اتنی شستہ اردو بولتے ہیں گویا کہ وہ شمالی ہند کے باشندے ہیں اور تحریر بھی اتنی عمدہ کہ حضرت شیخ الحدیثؒ بھی آپ کی تحریر کو بہت پسند کرتے تھے۔ اللہ تعالی حضرتؒ کی قبر کو نور سے منور فرمائے آمین۔

حضرتؒ سے متعلق کچھ جھلکیاں

الحاج۔ٹی۔ایم۔عبدالغفور صاحب میل وشارم

{۱} شہر وشارم میں خرافات وبدعات کا خاتمہ:

ایک دور میں شادی کی تقریبات گلیوں میں پنڈال اور اسٹیج سجا کر کی جاتی تھیں، علماء کرام کے بیانات گلیوں میں عشاء کے بعد ہوتے تھے، مسجدوں کو شب قدر اور عیدین کے موقع پر پھولوں سے سجایا جاتا تھا اور چراغوں سے روشن کیا جاتا تھا، تراویح کی ہر چار رکعات کے وقفے میں مروجہ تسبیح تین چار افراد مل کر جہراً پڑھا کرتے تھے، تراویح پڑھانے کے لیے یوپی وغیرہ صوبوں سے حفاظ معاوضہ طے کر کے بلوائے جاتے تھے وغیرہ وغیرہ۔ حضرتؒ نے ان تمام خرافات و بدعات کو بڑی ہی حکمت عملی، صبر وتحمل اور خموشی کے ساتھ ختم فرمایا اور کسی کو کان وکان خبر بھی نہ ہوئی۔

{۲} حضرتؒ کے متعلق چند واقعات:

حضرتؒ کا عصر بعد سیر وتفریح کا معمول تھا چنانچہ ایک مرتبہ ہمارے ماموں اور عبدالعزیز صاحب Bye-Pass میں سائیکل سے گزر رہے تھے تو دیکھا حضرت والا حسب معمول آہستہ پیدل جارہے ہیں مغرب کا وقت بالکل قریب ہوگیا دل ہی دل میں یہ خیال آیا کہ اس رفتار میں مغرب نماز کیلئے مسجد پہنچنا مشکل

ہے یہ سوچ کر آگے بڑھ گئے لیکن جب پاکٹنی مسجد پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ حضرتؒ ہمیشہ کی طرح اول صف میں موجود ہیں (سبحان اللہ)۔

ایک مرتبہ حضرت اقدس علامہ ابراہیم صاحب بلنجپوری دامت برکاتہم ایران چلے گئے وہاں پہنچ کر مال کی تنگی ہوگئی اجنبی ملک اور اجنبی لوگ کیسے کسی سے ظاہر کریں پریشان حال ایک مسجد میں پہنچ گئے چند ہی دنوں کے اندر ایک منی آڈر ملا جوان کے بھائی مولانا محمد اسماعیل صاحبؒ بلنجپوری کی جانب سے تھا تو اس رقم کو پاکر اپنے وطن واپس لوٹے یہاں بھائی سے دریافت کیا کہ تم کو کیسے معلوم ہوا کہ میں ایران میں ہوں اور ایک مسجد میں ہوں اور پریشانی کی تمہیں کیسے خبر ہوئی؟ تو بھائی نے کہا کہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کا خط آیا کہ آپ فلاں جگہ پر ہیں اور پریشان ہیں، کچھ رقم ارسال کردو، سومیں نے کردیا۔ پھر جب حضرت مولانا یعقوب صاحب سے پوچھا گیا کہ آپ کو ان تمام کیفیات کا علم کیسے ہوا تو حضرت نے بڑی سادگی سے جواب دیا کہ بس یوں ہی خیال ہوا (اللہ اکبر)

{۳} حضرتؒ کے قریب ترین خادم خاص حضرت مولانا عبدالعلیم صاحب دامت برکاتہم نے خود اپنا واقعہ بیان کیا کہ جمعہ کے بعد پاکٹنی مسجد سے حضرتؒ کو اپنی اسکوٹر میں گھر لے جارہا تھا، اچانک ایک پتھر سے ٹکرا کر گاڑی گری اور ہم دونوں نیچے گر گئے اور چوٹ کچھ نہیں آیا۔ لیکن میں بہت پریشان اور پشیمان ہوا اور حضرت سے بار بار معافی مانگی تو جواب میں حضرت والا کا جملہ ملاحظہ فرمائیے

ارے بھائی کتنی بار معافی مانگو گے چلو اب کی بار جو گرائے اس کو بھی معاف کر دیا اور آئندہ بھی کبھی گراؤ گے تو وہ بھی معاف ہے۔

{۴} حضرت کبھی کبھار اپنے احباب کے درمیان مزاح بھی فرمایا کرتے تھے جمعہ کی نماز کے بعد گھر چھوڑنے کیلئے یا تو حاجی مشتاق صاحب کی کار آتی تھی یا اس ناکارے کی! چپل پہن کر گلی کی طرف کا راستہ ہے وہ بمشکل دس یا پندرہ قدم کا راستہ ہے ہمیشہ کی طرح حضرت چپل پہن کر آہستہ چل کر گاڑی تک پہنچتے حضرتؒ کو رخصت کرنے کیلئے اکثر مولانا عبدالعلیم صاحب اور یہ ناکارہ اور مفتی ریاض احمد صاحب دامت برکاتہم رہتے اور حضرتؒ کی عادت شریفہ ہمیشہ سے رہی کہ جو احباب موجود رہتے ان سے مصافحہ کر کے گھر جانے کی اجازت مانگتے تو ایک مرتبہ ویسے ہی ملاقات کر کے گاڑی میں بیٹھنے سے پہلے مولانا عبدالعلیم صاحب کے قریب آ کر آہستہ سے کچھ فرمایا جس پر مولانا موصوف ہنس پڑے تو میں نے پوچھا کہ حضرت نے کیا فرمایا جس پر آپ ہنس پڑے، تو مولانا نے کہا حضرت نے فرمایا کہ ہر کوئی جانے کی اجازت ہی دے رہا ہے، پر کوئی بھی اپنے یہاں کھانے کو نہیں بلا رہا ہے۔

میرے اور حضرتؒ کے درمیان تعلق کی ابتداء ۱۹۷۷ء سے پہلے سفر حج کی برکت سے ہوئی (حضرت مجھ سے کچھ دن پہلے حجاز مقدس پہنچ چکے تھے) اور مکہ مکرمہ پہنچ کر ناشتہ حضرتؒ کے قیام گاہ میں حضرت کے ساتھ کرنے کی سعادت نصیب ہوئی اور حضرت والا ہی نے عمرہ کروایا۔

ایک مستجاب الدعوات بزرگ

الحاج تنجاؤور ٹی۔مشتاق احمد صاحب وشارمی

امت محمدیہ کی رہنمائی و رہبری کے لئے علماء حق اور مردان باصفا طبقہ ہر دور میں مصروف عمل رہا ہے، اور اپنے کردار و عمل سے کائنات میں روشنی بکھیری ہے۔انہیں باخدا شخصیات میں سے ایک ہمارے سرپرست و مربی حضرت اقدس مولانا محمد یعقوب صاحب وشارمیؒ بھی تھے۔آپ علماء ربانیین اور اولیائے کاملین کی جماعت کے ایک بے مثال نمونہ قرار دئے جانے کے مستحق تھے، اہل اللہ کے جو اوصاف و کمالات میں نے کتابوں میں پڑھے اور اہل علم سے سنے سب کو حضرتؒ کی زندگی میں عملی طور پر دیکھا۔بندہ کا مولاناؒ سے تقریباً چالیس سال سے تعلق رہا، اس طویل عرصے میں بے شمار واقعات کا میں نے اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا، جن کا احاطہ دشوار ہے۔

نمونہ کے طور پر صرف دو واقعے قارئین کی نظر کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے تقویٰ و طہارت کی برکت سے آپ کی دعاؤں میں کیسی عجیب تاثیر رکھی تھی۔

۱۹۸۰ء میں میری بیٹی جس کی عمر تین سال تھی بہت بیمار ہوگئی تھی، میرے ماموں جناب الحاج آلنجی کیم۔محمد اسماعیل صاحب نے C.M.C ہسپتال میں بغرض علاج داخل کروا دیا، اور میں اس وقت کاروبار کے سلسلہ میں ممبئی کے سفر میں تھا، اطلاع ملنے پر بذریعہ ہوائی جہاز چنئی پھر ویلور ہسپتال پہنچا، تو ڈاکٹروں نے کہا بس اب کچھ دیر

کی مہمان ہے۔آگے انتظامات کرلیں، میں بہت غمگین ہوا،اس وقت حضرتؒ جامعہ الباقیات الصالحات میں مدرس تھے، میں نے حضرتؒ کی خدمت میں پہنچ کر بچی کے حالات سنائے اور دعا کی درخواست کی تو حضرتؒ نے فرمایا مطمئن رہو ان شاء اللہ بچی ٹھیک ہوجائے گی،اور میں مغرب کے بعد آتا ہوں۔پھر حسب وعدہ بعد مغرب تشریف لائے اور بہت دیر تک دعائیں پڑھتے رہے اور پانی میں دم کیا۔اس کے بعد جوں ہی رات گزری ،بچی کی حالات میں غیر معمولی تبدیلی محسوس ہوئی ،دوسرے دن ڈاکٹروں نے جب معائنہ کیا تو حیران رہ گئے،اور پوچھنے لگے کہ کہیں باہر سے کوئی ڈاکٹر تو نہیں آیا تھا؟ ہم نے کہا نہیں بلکہ ہم نے دعائیں کیں۔گویا ڈاکٹروں نے ہتھیار ڈال دیا تھا۔اسی طرح کا ایک اور واقعہ ہے کہ سن ۱۹۸۶ء کو جب دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوری کی میٹنگ کے لئے تشریف لے گئے میں بھی سفر کی فرصت کا فائدہ اٹھانے کے لئے اسی تاریخ کا ریزویشن کروالیا،لیکن مجھے بائیں مونڈھے کے نیچے شدید درد اٹھنے لگا،علاج کے باوجود افاقہ نہیں ہوا،اور سفر کے ایام قریب آتے گئے،حضرتؒ نے بس اتنا فرمایا کہ سب ٹھیک ہوجائے گا،پھر اسی درد کے ساتھ دیوبند پہنچا اور حضرتؒ سے دعا کی درخواست کی تو حضرتؒ نے دعا فرمائی اور پانی پر دم کیا،الحمدللہ اگلے دن سے ہاتھ کا درد ایسا غائب ہوگیا گویا کبھی تھا ہی نہیں،اسی طرح حضرتؒ کی دعائیں ہمیشہ میرے ساتھ رہتی تھیں،آج حضرتؒ ہمارے درمیان نہ رہے اور ہمیں آپ کی جدائیگی کا شدت سے احساس ہے۔اللہ تعالی حضرتؒ کی مغفرت فرمائے،قوم وملت کے لئے آپ کا صحیح جانشین عطا فرمائے۔آمین۔

نصف صدی کے گلہائے عقیدت

جناب پروفیسر نصر اللہ صاحب وانمباڑی

۱۹۶۸ء کے اواخر کے دنوں میں سہ روزہ جماعت وانمباڑی سے وشارم گئی ہوئی تھی جمعرات کی شام عثمان پیٹ مرکز میں بعد عصر بندہ کے ذمہ گشت کے فضائل اور آداب بیان کرنے تھے۔جماعتیں گشت کے لئے چلی بھی گئیں وشارم کے طلباء سرگرم کارکنانِ عزیزم،عزیز باشاہ صاحب،مشتاق احمد صاحب اور خورشید اللہ صاحب وغیرھم نے پورے تقدس سے مجھے فرمایا۔تیرے گشت کے آداب میں یعقوب حضرت بیٹھے ہوئے تھے۔تجھے حضرت گھر لانے کو کہہ گئے ہیں۔میں حضرت سے واقف نہیں تھا بلکہ دیکھا بھی نہیں تھا۔میں نے کوئی اہمیت نہیں دی۔یہ لوگ خفا ہوگئے اور بہ اصرار مجھے لے گئے۔اللہ اکبر! حضرتؒ نے بندہ کی جو ہمت افزائی فرمائی اور جو توصیفی کلمات فرمائے میں آج بھی بھولا نہیں ہوں۔اس دن اور آج کا دن برابر ہر روز حضرت کی عقیدت میں اضافہ ہی ہوتا گیا۔

سن ستر کے ابتداء میں مدرسہ باقیات صالحات کے حضرت شیخ حسن ملباریؒ اور حضرت سید صبغۃ اللہ بختیاریؒ کی مجالس میں پھر پر نام بٹ کے خواجہ بشیر احمد صاحبؒ کے مجالس ختم خواجگان وغیرہ ہم میں حضرت مدنیؒ کی نسبت سے حاضری

کی توفیق ہوتی تھی تو حضرتؒ سے بھی ان مجالس میں ملاقاتوں اور استفادہ کا موقع ملتا تھا۔مزید تقریباً سن ستر کی دہائی میں ہمارے یہاں کی سہ روزہ جماعتیں ویلور شہر میں زیادہ جاتی تھیں تو ڈیٹر لائن کی مسجد میں اکثر قیام کروایا جاتا تھا، جس کے ایک کمرہ میں حضرتؒ کرایہ پر قیام فرماتے تھے تو بہت نوجوانوں کو حضرتؒ سے فیض کا وافر موقع مل جاتا تھا۔اسی طرح سن بہتّر سے بیاسی تک حضرت شیخ سہارنپوریؒ کے یہاں ماہ رمضان المبارک کے اعتکاف میں جب حاضری ہوتی تھی تو ہمارے علاقے سے وہاں قیام کرنے والوں میں حضرتؒ اور مولانا محمد طیب صاحب مظاہریؒ وانمباڑی نمایاں تھے۔یہ بات وہاں مشہور تھی کہ حضرت شیخؒ اپنے رسالے آپ بیتی کا املاء حضرتؒ سے کروارہے ہیں اور حضرت شیخؒ سے جناب کی قربت کو دیکھ کر بھی مزید عقیدت اور فیض کا رجحان بڑھتا تھا علاوہ ازیں حضرت مہتمم صاحب (قاری محمد طیب صاحبؒ) ستر کی پوری دہائی میں مدراس سے بنگلور کے اسفار متعدد ہوئے ہیں، جس میں وشارم میں طویل قیام فرماتے تھے۔پورے اسفار میں بندہ اہتمام سے حضرتؒ کی مجالس میں حاضری کو ضروری سمجھتا تھا، ان سارے مجالس میں حضرت یعقوب صاحبؒ کی حاضری بہت نمایاں رہتی تھی، قضیہ دارالعلوم دیوبند کے موقع پر حضرتؒ مدراس مدرسہ کاشف الہدیٰ مسجد تشریف لا چکے تھے مدرسہ بحال ہونے کے بعد یہ خبر تھی کہ حضرت مولانا محمد معراج الحق صاحبؒ کی خواہش ہے کہ یعقوب حضرت درس وتدریس کے لئے دارالعلوم تشریف لائیں۔

سن چوراسی میں جب ہم لوگوں نے انجمن خدام القرآن وانمباڑی کی جانب سے دارالعلوم کے ارکان شوریٰ کو دعوت دی کہ وہ اپنا ایک اجلاس یہاں مدراس میں منعقد کریں تاکہ یہاں کی غلط فہمیاں دور ہوں تو اسی سال اواخر کے اجلاس شوریٰ میں مدعو خصوصی کی حیثیت سے ہمیں شرکت کی دعوت دی گئی۔تاکہ ہماری غرض وغایت کو وہ لوگ روبرو معلوم کرسکیں، اسی اجلاس میں شوریٰ کی رکنیت کے لئے حضرتؒ کا نام نامی حضرت مولانا معراج الحق صاحب نے پیش فرمایا جو خود حضرتؒ کے استاد محترم تھے حضرتؒ کی گوشہ نشینی اور گمنامی تو مشہور رہے ہے، اصحاب شوری نے چونکہ ہم ٹمل ناڈو کے تھے اس لئے ہم سے یہ معلوم کرنا چاہا، ہم تو عقیدت مند تھے ہی پھر کیا تھا؟ طے ہو گیا۔الحمدللہ

سن اسی اور نوے کی دہائیوں میں مختلف پروگراموں کے سلسلے میں مشورہ ورہنمائی، اور سرپرستی کے لئے بندہ عزیز مکرم مولوی محمد اقبال قاسمیؒ کے ساتھ حاضر خدمت ہوتا تو بڑے ہی پرتپاک استقبال کے ساتھ بہت خوشدلی سے ہمارے پروگراموں کو سراہتے اور سرپرستی فرماتے اور بنفس نفیس اپنے رفقائے کار کی کثیر جماعت کے ساتھ شرکت فرماتے تھے۔

مثلاً دارالعلوم دیوبند کی شوری کے وفد کا جنوب کا دورہ مقالات، تفسیری پروگرام، تیسرا فقہی اجتماع مدراس، رد قادیانیت تربیتی کیمپ مدراس، محاکم شرعیہ تربیتی پروگرام مدراس، اساتذہ حفظ کے مدارس کے لئے تربیتی پروگرام وانمباڑی

وغیرہ وغیرہ ٹمل ناڈو امارت شرعیہ کے قیام کے سلسلہ میں سن 1985 اور پھر 1988 میں پورا تعاون فرمایا، حضرت مفتی پٹیل عبدالوہاب صاحبؒ کی وفات پر جب حضرت فدائے ملت اور ٹمل ناڈو امارت شرعیہ کے شوریٰ کا نظر انتخاب جناب کی طرف ہوا تو اس وقت سے تاحیات اس عظیم ذمہ داری کو پورے وقار سے نبھایا۔

حضرتؒ کی سرپرستی ہی میں تحفظ ختم نبوت ٹمل ناڈو کا قیام عمل میں آیا اور کھل کر میدان عمل میں تشریف لائے حضرت مولانا علاؤ الدین صاحب اور شہر کے مقرر علماء حضرتؒ کے توجہ دلانے سے فعال اور متحرک ہوئے خود حضرتؒ بھی حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب کٹکیؒ شہر اڑیسہ کی معیت میں کیرلا، ترنل ویلی، میل پالیم، مدورائی وغیرکا سفر فرمایا اور کئی ایک علمائے کرام کے لئے معلوماتی کیمپ لگوائے، جب بھی ان بیس سالوں کے عرصے میں کسی بھی پروگرام چاہے ہمارے مدارس کے اجلاس دستار بندی ہو یا تحفظ ختم نبوت کے پروگرام، حضرتؒ کی پوری سرپرستی ہمیں حاصل رہی۔ حضرتؒ کے ضعف کی وجہ سے جب اسفار آپ نے کم کر لئے تو ہم لوگ عزیزم مولوی محمد اقبال صاحب قاسمی کی معیت میں یا پھر عزیزم مفتی محمد سہیل صاحب کے ساتھ اکابر دیوبند وغیرہ کی ٹمل ناڈ تشریف آوری کے مواقع پر ان مہمانان عظام کے ساتھ یا ویسے بھی حضرتؒ سے استفادہ کی غرض سے برابر خدمت عالی میں حاضری دیتے اور وہی کیفیت وہی بشاشت، وہی خوشی کا اظہار، وہی ہم لوگوں کی دینی سرگرمیوں کا مذاکرہ اور حضرتؒ کے مشورے تاآخر برقرار تھے، اب تو بس یہی کیفیت ہے کہ ہم یتیم ہو گئے۔

(تأثرات فضلاء مدرسہ کاشف الہدیٰ)

ایک عہد کا خاتمہ

حضرت مولانا عبدالکریم صاحب کاشفی
امام وخطیب مسجد تنعیم، میل وشارم

حجۃ الوداع کے موقع پر یہ آیت اتری **الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا** آج تمہارے لئے تمہارے دین کو کامل ومکمل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر مکمل کر دی اور تمہارے لئے اسلام کو بطور مذہب پسند کر لیا، اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ کرام تابعین کرام اور محدثین وفقہاء کے ذریعے اس دین کی حفاظت کی، ہندوستان میں اکابر علمائے دیوبند کے ذریعے حفاظت دین کا کام لیا، اپنے اکابر دیوبند سے بڑے حضرتؒ نے تعلیم حاصل کیا اور مقدس معتبر فقیہ اور محافظ دین بنے، بندہ نے میل وشارم کے معتمد لوگوں سے سنا ہے کہ بڑے حضرتؒ بچپن سے ورع تقوی والی زندگی گزارنے والے تھے حضرتؒ سے میں نے سنا ہے کہ میں جب ابتدائی تعلیم حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب دامت برکاتہم سے حاصل کرتا تھا تو ہفتے میں ایک بار اکابر دیوبند کے ورع وتقویٰ خلوص اور للّٰہیت کے واقعات سناتے جس کی بنا پر اکابر دیوبند سے والہانہ محبت ہوگئی

اور دیوبند جانے کا ارادہ بھی بنا ہمارے ہفتم کے سال میں اور میرے رفقائے درس نے مدرسے کے مہتمم صاحب مولانا عبدالمجید دامت برکاتہم سے معلوم کیا کہ ہمارے دستار بندی میں دیوبند سے کوئی بزرگ تشریف لا رہے ہیں؟ کچھ دیر خاموشی کے بعد مہتمم صاحب دامت برکاتہم نے فرمایا ہمارے بڑے حضرتؒ اکابر دیوبند کے تمام صفات کے حامل ہیں تھانویؒ کی ذہانت، رشید احمد گنگوہیؒ کی فقاہت، مدنیؒ کی جرات ان میں موجود ہے۔

عموما مدارس عربیہ میں ہر ہفتہ طلبہ کے لیے نصیحت کا پروگرام ہوتا ہے ہمارے بڑے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا معمول مدرسے میں نصیحت کرنے کا نہیں تھا۔ ان کی نظر ہی تربیت کے لئے کافی تھی اسی نظر سے ہزاروں علمائے کرام، حفاظ اور قراء کرام تیار ہوئے ان کی نظر ہی سے ان سب کی تربیت ہو جاتی تھی۔ یہی ان کی مقبولیت کا راز ہے ایک موقع پر بڑے حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ علماء کو عوام سے شکایت ہے کہ عوام علماء کی قدر نہیں کرتے جب ہم دین کے سچے خادم بنیں گے تو پھر دیکھیے کہ وہ عوام ہماری کیسی قدر کرے گی، ہمارے جوانوں کو سروں پر رکھلے گی۔

آپ اپنے خدام کو نصیحت فرماتے تھے کہ تم لوگ میرے احباب ہو، تہجد کا اہتمام کرو جتنے اولیاء اللہ گزرے ہیں انہیں یہ مقام تہجد سے ہی حاصل ہوا، مولوی صاحب! جب پوری دنیا سورہی ہو تو اللہ کو راضی کرنے کے لیے دو رکعت تہجد کی نماز اللہ کو بہت پسند ہے اس کی لذت تہجد گزاروں کو نصیب ہوتی ہے پھر ہمارے اکابر دیوبند، شیخ الحدیثؒ اور حضرت عبد القادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کے واقعات

سناتے، ایک موقع پر فرمایا کہ گنگوہ کے دھوبی لوگ تہجد کے وقت جب نہر کے کنارے کپڑے دھوتے وقت کپڑوں کو چٹان پر مارتے تھے تو لا الہ الا اللہ کہہ کر مار تے تھے۔ پورے کے پورے گنگوہ میں ذکر کی آواز گونجتی تھی، گنگوہ کے دھوبی لوگ بھی ولی تھے، جب حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے میل وشارم خدمت کے لیے بھیجا تو دو نصیحت کی (1) اخلاص کے ساتھ خدمت کرنا (2) استغنائیت کے ساتھ خدمت کرنا۔ جب ان دو صفات کے ساتھ خدمت کریں گے تو اللہ تعالی مقبولیت عطا فرمایں گے جمعہ کے روز جب حضرت میل وشارم میں ہوتے تو بعد عصر پاکتنی مسجد میں بستی کے بڑے علماء ملاقات کے لیے آجاتے، بندہ بھی حاضر ہوتا، مغرب تک نصیحت اور اکابر دیوبند کے واقعات کی مجلس ہوتی نیز فرماتے بستی میں ہونے والے منکرات کو ختم کرنے کے لیے اصلاح معاشرت کے نام سے بیانات کا سلسلہ جاری رکھیں، ہمارے حضرتؒ جہاں ایک طرف روحانی باپ تھے وہیں قوم کے لئے مصلح بھی تھے، ہمارے حضرتؒ کے جنازے میں ان کے استاد مولانا محمد ابراہیم صاحب دامت برکاتہم پہلی صف میں کھڑے تھے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے فرزند مولانا اسماعیل ذبیح اللہ قاسمی نے جب ان سے مصافحہ کیا، تو حضرت نے فرمایا کہ تمہارے والد تو فاز فوزا عظیما (بڑی کامیابی پالی) کے مصداق تھے، تم سعادت مند ہو، ولی کے فرزند ہو، یہ سن کر اطراف میں کھڑے ہوئے حضرات نے خوشی سے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔ اللہ تعالی ہمارے حضرتؒ کے درجات بلند فرمائے اور ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

تم کیا گئے کہ رونقِ ہستی چلی گئی

حضرت مولانا مفتی احمد اللہ صاحب کاشفی

استاذ مدرسہ مفتاح العلوم، میل وشارم

کاش یہ مصرعہ نقش بر در و دیوار ہو جائے
جسے جینا ہے وہ مرنے کے لئے تیار ہو جائے

آہ! وہ صبح جب یہ جانکاہ خبر دلوں پر صاعقہ بن کر گری کہ ہمارے بڑے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد یعقوب صاحب وشارمی قدس سرہ رحلت فرما گئے۔ نہ جانے یہ ٹھیس کب تک دلوں میں تازہ رہے گی۔ حضرت ان بے مثال ہستیوں میں سے تھے جنکا نفس وجود ہی امت کے لئے رحمتوں کا باعث تھا، یہ صرف ایک ذات کی وفات نہیں بلکہ پورے جنوب وشمال ہند کے لئے ایک المناک سانحہ اور نا قابل تلافی نقصان ہے۔ وہ ان اہل اللہ میں تھے جن کو دنیا کی محبت چھو کر بھی نہیں گذری، جن کا لمحہ لمحہ رضائے الٰہی کا پابند ہو کر آخرت کی تیاری میں گذرا تھا، وہ اپنے علم وفضل، زہد وتقوی، سادگی اور تواضع میں سلف کی یادگار تھے ان کی ذات مرجع اہل علم تھی۔

دفتر ہستی میں تھی زریں ورق تیری حیات
تھی سراپا دین ودنیا کا سبق تیری حیات

پہلی ملاقات:

راقم السطور کے والد محترم حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب باقوی دامت برکاتہم (مدرس مدرسہ سراج المنیر تریپور) کو باقیات صالحات ویلور میں اپنے زمانہ تعلیم ہی سے بڑے حضرتؒ سے والہانہ عقیدت ومحبت تھی، اس بناء پر والد محترم نے بندے کا داخلہ مدرسہ کاشف الہدی میں جماعت فارسی میں کروایا اور میرے بقیہ چار بھائیوں کا داخلہ بھی شعبہ حفظ میں اسی مدرسہ کی شاخ میں کروایا، داخلہ فارم لیتے وقت والد صاحب نے بڑے حضرتؒ سے فرمایا میں بھی آپ سے پڑھا ہوں۔ میری خواہش ہے کہ میرا بچہ بھی آپ سے پڑھے اور اسکے بچے بھی آپ سے پڑھیں۔ بندہ اس وقت تک اکابر علماء دیوبند سے نابلد ونا آشنا تھا اور نہ ہی انکا نام سنا تھا لیکن بڑے حضرتؒ سے پہلی ملاقات کے وقت ہی عقیدت پیدا ہوگئی پھر رفتہ رفتہ حضرت والا کی یکسوئی اور مزاج کی سادگی البذاذۃ من الایمان کے مصداق تھی، لیکن مسلک کی پختگی، اتباع، سنت کا اہتمام، پنجوقتہ نمازوں میں صف اولیٰ، تکبیر تحریمہ کا اہتمام **من صلی للہ أربعین یوما فی جماعۃ بدرک التکبیرۃ الأولی کتبت لہ براءتان: برائۃ من النار وبراءۃ من النفاق** (ترمذی) کے کامل مصداق تھا۔ بندہ نے اپنی تعلیمی آٹھ سالہ دور میں کبھی بھی حضرت والاؒ کی تکبیر تحریمہ تو کجا صف اولی چھوٹتے ہوئے بھی نہیں دیکھا، اطمینان کے ساتھ مسجد تشریف لاتے سنت پڑھتے پھر فرض کے بعد کی سنتیں اطمینان سے ادا کرتے بعد مغرب اوابین بھی مسجد میں ہی پڑھتے پھر دعا

کے بعد تشریف لے جاتے و با لاسحار ھم یستغفرون کے بموجب: تہجد کی پابندی ،ما النجاۃ یا رسول اللہ پر فرمان نبوی املک علیک لسانک پر عمل پیرا ہوتے ہوئے خاموش مزاجی اختیار فرماتے ۔ یومیہ معمولات میں ترتیب اوقات اتنی معروف تھی کہ ہر طالب علم کو معلوم تھا کہ فلاں وقت بڑے حضرتؒ کے مطالعہ کا وقت ہے اور فلاں وقت حضرتؒ سے مل سکتے ہیں اور فلاں وقت اذکار و ظائف میں مشغول رہیں گے لایعنی باتوں سے اجتناب اتنا تھا کہ آپ من حسن اسلام المرء ترکہ ما لا یعنیہ (ترمذی) کے کامل مصداق تھے ۔ عاجزی و مسکنت اتنی تھی کہ ہمیشہ ہر مجلس میں گمنامی چاہتے تھے علم و عمل میں یگانگی تھی، ان بے شمار خوبیوں کی بناء پر بڑے حضرتؒ سے طبعی محبت ہوگئی ۔

درس کا نرالا انداز:

جب راقم السطور کا جماعت اول کا سال ختم ہوا تو رمضان المبارک میں بندہ نے بڑے حضرتؒ کو خط لکھا کہ آپکے پاس ہمارا کوئی سبق رہے تو بڑی سعادت ہوگی ، اگرچہ طلباء کی بڑی تعداد اسی غرض سے ہر سال بڑے حضرتؒ کو خط لکھا کرتی تھی ۔ پہلی مرتبہ بڑے حضرتؒ سے جماعت دوم میں القراءۃ الراشدۃ جزء ثانی پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی ہفتہ میں تین دن سبق ہوتا تھا الحمد للہ بندہ حسب معمول بڑے حضرتؒ کے سبق کو اہتمام سے لکھا کرتا تھا، درس کا طرز یہ تھا کہ پہلے اہتمام سے جہاں تک سبق پڑھانا ہوتا وہاں تک سبق کی عبارت باری باری پڑھواتے ، پھر نئے

الفاظ کے معانی اور ان کے واحد و جمع کے صیغے بتاتے پھر سبق کا با محاورہ ترجمہ فرماتے دورانِ درس علمی نکات بیان فرماتے کسرۃ من الخبز کا جب سبق آیا تو بڑے حضرتؒ نے پوچھا کہ روٹی بھی کہیں بولتی ہے؟ اگر نہیں بولتی تو پھر کیسے مصنفؒ نے ''فقالت'' کہا؟ ہماری خاموشی پر بڑے حضرتؒ نے خود فرمایا لسان دو طرح کی ہیں؟ لسان قال، لسان حال یہ لسانِ حال ہے۔ سوم کے سال بڑے حضرتؒ سے ترجمۃ القرآن (شروع کے ۵ پارے آخر کے ۵ پارے) کل دس پارے پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی، تمام اسباق پابندی سے پڑھاتے تھے شاذ و نادر ہی اسباق ناغہ ہوتے، سبق میں بڑا لطف آتا تھا، بڑے حضرتؒ کا معمول تھا کہ پہلے سبق کے بقدر کلام اللہ کی آیات کی تلاوت پھر حل لغات پھر آسان فہم ترجمہ پھر شانِ نزول اور تفسیری باتیں بتلاتے ، اسی ترتیب کے ساتھ راقم السطور نے ترجمہ قرآن کریم کے تمام اسباق میں من و عن نقل کئے ہیں دورانِ درس اکابر دیوبند کے واقعات، ملفوظات حب الٰہی و عشق نبوی ﷺ کے قصے بڑے مزے سے بیان فرماتے ، بارہا حضرتؒ سے راقم السطور نے سنا ہے کہ ہم اپنے زمانہ میں اکابر ثلاثہ کی اصطلاح سنتے تھے حضرت مولانا سید حسن احمد مدنیؒ ،حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ ، شیخ عبد القادر رائپوریؒ ، بڑے حضرتؒ نے ان تینوں کو دیکھا ہے ،ثانی الذکر سے بڑے حضرتؒ نے خوب استفادہ کیا ہے شیخ الحدیثؒ کا مقولہ بارہا نقل فرماتے کہ اپنے کاموں کا نظام الاوقات بناؤ، اس سے وقت میں بڑی برکت ہوتی ہے، درس وقت پر شروع ہوتا، وقت سے پانچ منٹ پہلے ختم ہوجاتا، تاخیر سے

آنے والا طالب علم درس سے محروم رہتا ،کبھی کبھار دورانِ درس عارفانہ اشعار اپنے خاص انداز میں پڑھتے ، جب **والمستغفرین بالاسحار** کی تفسیر بیان کی تو بڑے دل سوز انداز میں علامہ اقبال کا یہ شعر پڑھا۔

عطار ہو رومی ہو رازی ہو کہ غزالی　　کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہ سحر گاہی

کچھ اشعار تو بڑے حضرتؒ سے بار بار سن کر دل میں نقش ہو گئے ، جو تصوف وتزکیہ کی اہمیت پر مشتمل ہیں۔

قال را بگذار مردِ حال شو　　پیش مرد کاملے پامال شو
مولوی ہر گز نشد مولائے روم　　تا غلام شمس تبریزی نشد

آئین جواں مرداں حق گوئی و بے باکی　　اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

ایک مرتبہ بڑے حضرتؒ سے دوران درس پوچھا کہ شیعہ لوگ تو کافر ہیں پھر کیسے ان کے لئے برائے حج مکہ میں داخلہ کی اجازت ہے؟ تو حضرتؒ نے فرمایا: انکا کافر ہونا مختلف فیہ مسئلہ ہے، اسی اختلاف کی وجہ سے انھیں حج کی گنجائش دے دی گئی ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے انکے کافر ہونے کا فتوی دیا ہے اور ان کے معاصر علامہ شامیؒ انکے ضال اور مضل ہونے کے قائل ہیں، حضرت مولانا منظور نعمانیؒ نے اپنی کتاب ''ایرانی انقلاب اور شیعیت'' میں انکے ضال ہونے کو انہی کی کتابوں کے ذریعہ ثابت کیا ہے اور ہر جگہ سے انکے سلسلہ میں فتوی طلب کیا تھا، ہر جگہ سے انکے کافر ہونے کا فتوی آیا، لیکن چونکہ متقدمین کے زمانے

ہی سے ان کے کافر ہونے میں اختلاف چلا آرہا ہے، اس وجہ سے انھیں حج کی اجازت دے دی جاتی ہے، لیکن قادیانی کے لئے بالکل داخلہ ممنوع ہے۔ نیز اسکے علاوہ دوران درس فرقہ کافرہ وضالہ کی نشاندہی فرما کر انکی خوب تردید فرماتے۔

جہاں تک بندے کا علم ہے تعلیم وتربیت کی خاطر کبھی کسی طالب علم کو بڑے حضرتؒ نے نہیں مارا، ڈانٹ ڈپٹ اور ناراضگی کے موقع پر زیادہ سے زیادہ ''بدو'' کا لفظ استعمال فرماتے، زجر وتوبیخ کے لئے نظر ہی کافی تھی وہ کیمیائی نظر تھی جسکے اندر نیک وصالح بنانے کی فولادی طاقت تھی، ہماری جماعت شعبہ اردو کے اعتبار سے پہلی جماعت تھی جو فراغت تک پہنچی اس لئے جماعت ششم کے بعد ہفتم کے لئے جب راقم السطور نے بذریعۂ خط دارالعلوم دیوبند جانے کا ارادہ ظاہر کیا تو بڑے حضرتؒ نے جو جوابی خط تحریر فرمایا اس سے ناراضگی جھلک رہی تھی۔ بڑے حضرتؒ کی مزید ایک خوبی یہ تھی کہ طلبہ کے خطوط کا بھی اہتمام سے جواب عنایت فرماتے تھے۔ راقم السطور نے درمیان رمضان اپنے رفیق درس کے ساتھ میل وشارم سفر کیا۔ قبل از ظہر گھر پر بڑے حضرتؒ سے ملاقات ہوئی تو غصہ سے فرمایا مدرسہ کے ذمہ داروں کو میں کیا جواب دوں؟ بیج بونے اور پودے بڑھنے کے بعد جب پھل پکنے کا وقت آئے تو دوسرے توڑلیں؟ بندے نے معافی مانگی اس کے بعد جو جوابی خط آیا تو محبت بھرے الفاظ تھے عزیزم سلمہ خیر وعافیت مطلوب۔ درس بخاری جمعرات کے علاوہ باقی دنوں میں بزبان تمل ہوتا تھا راقم السطور نے بخاری کی پوری تقریر من وعن نقل کی ہے تقریبا چودہ پندرہ کاپیاں بن

گئیں ہیں ۔ بڑے حضرتؒ کا درس بخاری محدثانہ شان کے ساتھ فقاہت سے لبریز ،حکمت آمیز،عشق نبوی سے سرشار ہوتا تھا،مختلف فیہ مسائل میں سیر حاصل بحث فریق مخالف کے دلائل اور ان کے جوابات اپنے مسلک کی وجوہ ترجیح ،الفاظ حدیث کے واضح عام فہم ترجمے دارالعلوم دیوبند کے مسندِ حدیث پر فائز تمام اساتذہ کرام کے طرز پر ہوتا تھا۔

فراغت کے بعد جب خدمت کے متعلق خط لکھا تو اپنے اساتذہ سے رجوع کرنے کا مشورہ دیا اسکے علاوہ دوران تعلیم بار بار کئی امور انجمن دیواری پرچہ تربیت سے متعلقہ امور، گھریلو معاملات ،مسائل فقہیہ وغیرہ میں اپنے اساتذہ کرام بالخصوص حضرت مولانا مفتی ابوالحسن یعقوب صاحب دامت برکاتہم سے مشورہ کرنے کا حکم دیتے اس سے ہم لوگوں کو یہی رہنمائی ملتی ہے کہ طلبہ فراغت کے بعد بھی اپنے خدمت سے متعلقہ امور اور آئے دن سر اٹھانے والے فتنہ کے حل میں بھی اپنے اساتذہ سے رجوع کرتے رہیں ورنہ گمراہی کا اندیشہ ہے،اساتذہ کرام ہمارے روحانی باپ اور مشعلِ راہ ہیں ان سے کبھی بھی مستغنی نہیں ہو سکتے ،اسکی ایک تازہ مثال ہمارے مدرسہ کے نو فارغ خام خیال عالم کی بھی ہے جن کا ایک کتابچہ غلط نظریے کی تائید میں ماضی قریب میں نظر سے گذرا۔

بڑے حضرتؒ کی ایک خاص خوبی یہ تھی کہ از خود کسی کو بلا کر خدمت نہیں لیتے تھے بلکہ طلبہ خود شوق سے خدمت کی درخواست کرتے تھے۔اگر توفیق مل جاتی ہے تو بڑی سعادت ہوتی ، ہر منگل بعد عشاء بڑے حضرتؒ کے کمرے کو خدام نصیحت

کے خاطر جاتے ۵، ۶ منٹ نصیحت ہوتی بار ہا فرماتے تھے کہ تم لوگوں کو مدرسہ میں مثالی طلبہ بن کر رہنا ہے حضرتؒ کے اس دنیا سے رحلت فرمانے بعد انکی بہت ساری خوبیوں کا علم ہو رہا ہے کہ اپنی تعلیمی دور میں تقوی وطہارت ،علم وعمل میں فائق تھے واقعی قابل اتباع قابل رشک زندگی گذاری ہے دنیا سے رخصت ہو کر اپنے گہرے نقوش کے ذریعہ زندہ وتابندہ ہیں۔

بڑی مدت سے ساقی بھیجتا ہے ایسا مستانہ
بدل دیتا ہے جو بگڑا ہوا دستور میخانہ
تواضع ،سادگی ،مردانگی ،زہد وفاکشی
محمدﷺ کے مشن کا ترجمہ تھی تیری پالیسی

بڑے حضرتؒ کے انتقال سے ایک طرف غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا ہے تو دوسری طرف بڑے حضرتؒ مادر علمی مدرسہ کاشف الھدی کی چہار دیواری میں تعلیم وتربیت ،اتباع سنت ،مسلک دیوبند کی پختگی ، باطل فرقوں کے خلاف محاذ آرائی ،حق گوئی وبے باکی ، استغنائیت وللّٰہیت ،خشیت الٰہی ،تزکیہ نفوس ،خاموشی وکم گوئی ،اوقاتِ مدرسہ کی پابندی ، باہمی اتحاد واتفاق کے ایسے گہرے نقوش چھوڑ گئے ہیں جو قیامت تک دینِ حق صحیح مسلک کی ترجمانی کرے گی۔

اولئک آبائی فجئنی بمثلھم اذا جمعتنا یا جریر المجامع

آہ! حضرت اقدسؒ

مولانا عظیم اللہ صاحب کاشفی، مدراس

دیدارمی نمائی و پرہیزمی کنی — بازارخویش آتش ماتیزمی کنی

اللہ تعالی نے اپنے فضل وکرم سے اس بندۂ ناچیز کو عرصۂ دراز تک حضرتؒ کا تقرب عطا فرمایا۔ آٹھ سال زمانہ طالب علمی اور پھر مدرسہ کاشف الہدی کی شاخ میں تدریسی ایام میں حضرت کی خدمت کے بہت زیادہ مواقع عطا فرمائے۔ اس عرصہ دراز میں حضرتؒ کے بے شمار اوصاف وکمالات کو بہت ہی قریب سے دیکھنے کا موقع نصیب ہوا۔ حضرتؒ کے تقوی و پرہیزگاری، اتباع شریعت وسنت اور بدعات وخرافات سے نفرت کے بہت سے واقعات کو میں نے دیکھا ہے۔ بطور نمونہ کے چند ایسے واقعات میرے لئے بہت ہی حیران کن اور اثر انگیز ہیں قلمبند کرنا چاہتا ہوں۔

جب حضرت والا کو طبیعت ناساز ہونے کی وجہ سے اپولو ہسپتال میں داخل کیا گیا اور حضرت والا کو آنجوگراف کیا گیا تو رات کے گیارہ بجے C.C.U. سے فون آیا کہ حضرت والا فون پر خدام کو بلا رہے ہیں جا کر پتہ لگایا تو معلوم ہوا کہ حضرت عشاء کی نماز کی ادائیگی کے لئے بے تاب ہیں اور حیرانی و پریشانی سے پوچھا کہ کیا میں نے عشاء کی نماز ادا کر لی تو بتایا گیا کہ ابھی نہیں۔ تو حضرت والا نے فرمایا کہ

مجھے فوری طور پر نماز کی تیاری کرائیں کہ مجھے نماز ادا کرنی ہے۔ جبکہ ڈاکٹر نے کہا کہ C.C.U. میں کسی کو اندر جانے اور خدمت وغیرہ کی بالکل اجازت نہیں ہے باوجود یہ کہ داخلہ کی اجازت بدونِ سر کی ٹوپی، ہاتھ پیر کے موزے اور دستانہ کے بمشکل ہوتی ہے، ان سخت حالات کے باوجود حضرت والا کی نماز کی پابندی بندہ نے خود دیکھی ہے۔ حضرتؒ کی زندگی میں پاکدامنی اور پرہیزگاری تو اظہر من الشّمس ہے لیکن اس قدر علالت وکمزوری ناتوانی اور بے کسی کی حالت میں بھی حضرتؒ والا کی پاکدامنی اور اس سخت تکلیف کی حالت میں بھی حضرت کی نماز کی پابندی کو بندہ نے خود دیکھا ہے۔ بندہ اس پر چشم دید شاید ہے۔ ایک مرتبہ اپولو ہسپتال C.C.U. سے فون کے ذریعہ بلایا گیا۔ ہم خدام نے وہاں پہنچ کر معلوم کیا تو بتایا گیا کہ حضرت والا نہ تو دوا لے رہے ہیں اور نہ کچھ کھا پی رہے ہیں اور نہ ہی ان سے کچھ بتا رہے ہیں تو ہمیں معلوم ہوا کہ وہاں کے خدام نامحرم عورت ہونے کی وجہ سے ان کے ہاتھوں سے دوا وغیرہ لینے کو ناپسند فرماتے ہیں۔ جب ہم نے حضرت والا کو دوا پلائی اور کھانا کھلایا تو حضرت والا نے بخوشی نوش فرمالیا۔

عبادت وریاضت:

نیز حضرت والا کی عبادت وریاضت اور اخلاص وللّٰہیت سب پر عیاں ہے بلکہ حضرت والا اپنے شاگردوں اور متعلقین کو بھی عبادت وریاضت پر پابندی کرانے کی حد درجہ کوشش وکاوش فرمائے اور اس کے لئے ترغیب وہمت افزائی کا طریقہ اختیار

کرتے اوران کی نگرانی کرتے ہوئے ان کی ہمت افزائی کی خاطر انعام واکرام سے نوازا کرتے تھے۔ بندہ کے ساتھ بھی طالب علمی کے زمانہ اس طرح واقعہ اس بات پر شاہد ہے حضرتؒ کی عادت تھی کہ جو طلبہ نماز تہجد کے لئے اٹھتے تھے اور پابندی کرتے تھے ان کی نگرانی کی ذمہ داری حضرت مولانا عبدالکریم صاحب دامت برکاتہم کے سپرد تھی۔ سال کے اخیر میں ان طلبہ کو اپنے حجرہ میں بلا کر بطور ہمت افزائی کے انعام واکرام سے نوازتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ اللہ کے نزدیک دو قطروں کی قدر و قیمت ہے، ایک تہجد کے وقت میں آنسوؤں کا قطرہ اور حصول علم کی خاطر مجاہدہ کے وقت پسینہ کا قطرہ نیز نماز تہجد کی پابندی پر ہمارے حق میں دعا بھی کرتے تھے اللہ ہم سب کو نماز تہجد کی پابند کرنے کی توفیق عطا فرمائے (آمین ثم آمین)

جود وسخا:

حضرتؒ استغنائیت اور کفایت شعاری کے اعلی درجہ پر فائز تھے نیز حضرت جود وسخا کی صفت سے بھی متصف تھے۔ حضرتؒ کی عادت میں سے ایک یہ بھی ہے کہ بعض طلبہ کو درسی کتابیں وغیرہ خود اپنے پیسے سے خرید کر اپنے دست مبارک سے طلبہ کا نام لکھ کر نوازتے تھے۔ بندہ کو بھی اس شرف سے مشرف ہونے کی توفیق نصیب ہوئی بحمد اللہ ومنہ وکرمہ۔

اللہ تعالی سے دعا ہے کہ اللہ تعالی ہم سب کو حضرت ولا کی زندگی کو نمونہ بنا کر حضرت کے نقش قدم پر چلنے کی طاقت وتوفیق نصیب فرمائے۔ (آمین)

آہ! یادگارِ سلف جاتے رہے

حضرت مولانا رفیق صاحب، کاشفی، کڈپہ

استاذ الاساتذہ حضرت اقدس علیہ الرحمہ اپنے علم وفضل زہد وتقوی سادگی اور تواضع میں اکابر دیوبند کے یادگار تھے جن کا لمحہ لمحہ رضائے الٰہی کا پابند ہوکر آخرت کی تیاری میں گزرتا تھا اور جن کی دعاؤں کا بہترین سایہ پوری امت مسلمہ کے لئے رحمت خداوندی کا باعث تھا، جن کا نفسِ وجود ہی امت کے لئے خیر وبرکات کا وسیلہ تھا اور جن کی ذات مشکلات میں بڑے بڑے علماء اور مدارس اسلامیہ کے طلبہ کے لئے مرجع بنی ہوئی تھی آج پوری علمی ودینی برادری اس عظیم سائے سے محروم ہوگئی۔ ع

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

حضرتؒ کی پہلی زیارت:

یہ ناکارہ حضرتؒ کو آج سے تقریبا 20 سال قبل پہلی مرتبہ مدرسے نورالاسلام (ونٹی منٹہ) ضلع کڈپہ میں اس وقت دیکھا جب کہ حضرت والا مدرسہ کے جلسہ دستار بندی میں اپنے متعلقین کے ہمراہ تشریف لائے، جلسہ کے ختم ہونے کے بعد حضرت والا نے خصوصی مجلس میں طلباء کو بلوا کر امتحان لیا، جن میں ناکارہ بھی

تھا حضرت والا نے سورہ حشر کی آخری آیات پڑھنے کے لئے کہا الحمد للہ بندے نے ان آیات کی تلاوت کی۔

احقر کا کاشف الہدیٰ میں داخلہ:

اس کے اگلے سال بھی شعبۂ عالمیت میں داخلہ کے لئے اللہ تعالیٰ نے بندہ مدرسہ کاشف الہدیٰ، مدراس حضرت والا کی خدمت اقدس میں پہنچا، احقر کو حضرتؒ سے ترجمہ القرآن، سراجی، شرح عقائد اور بخاری شریف پڑھنے کی توفیق ملی۔شعبان 27 میں بندہ عشرہ کی جماعت میں کوڈور پہنچا اور جماعت کی مختصر کارگزاری لکھی تو حضرت والا نے اس کا جواب تحریر فرمایا:

عزیز گرامی قدر سلمہ۔ بعد سلام مسنون! خیر و عافیت کا طالب کوڈور سے لکھا ہوا تمہارا مکتوب موصول ہوا، جماعت کی مختصر کارگزاری معلوم ہو کر مسرت ہوئی، مدرسے کے ظاہری علوم کے ساتھ دعوت کی لائن سے عملی ربط ان شاء اللہ قلب کی باطنی صفات اور آہ سحر گاہی کا دروازہ کھلنے کا باعث بن سکتا ہے، بشرطیکہ یہ عملی ربط و شرکت اصول کے ساتھ ہو، اس دروازے کا کھلنا اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو آگے کسی مرد کامل کی خدمت میں پہنچنے اور ان کی تربیت سے صفت احسان تک کے حصول کا ذریعہ بن سکتا ہے اللہ تعالیٰ اس دولت کو تمہیں بھی نصیب کرے اور اس ناکارہ کو بھی۔

بعد ازاں کاشف الھدی مدراس میں چھ سال تک حضرت اقدس الرحمہ کی زیر نگرانی خدمت کی توفیق ملی وللہ الحمد والمنہ۔ بہرحال اس کے باوجود یہ ناکارہ

اپنی کوتاہی عمل، بے بضاعتی، کم مائیگی اور نااہلی کی وجہ سے حضرت والا کے فیوض و برکات سے کما حقہ فیض یاب نہ ہوسکا، دریا کے پاس پہنچ کر بھی پیاسے کا پیاسا ہی رہ گیا، رات دن حضرت والا کی یاد پریشان کر رہی ہے اور دل اندر سے روتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس عارف باللہ کے اتنا طویل تعلق نصیب کیا لیکن بندہ نے حضرت والا سے کیا حاصل کیا؟ سچ ہے کسی نے خوب کہا ہے۔ ؎

تہی دستانِ قسمت را چہ سود از رہبر کامل — خضر از آب حیواں تشنہ می آرد سکندر را

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اہل اللہ کی صحبت فی نفسہ کامیاب اثر رکھتی ہے نیز حسب بشارت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم **هم قوم لا یشقى جليسهم** اس نعمت پر اللہ رب العزت کا ہزار ہزار شکر ادا کرتا ہوں کہ آپ نے مجھے حضرتؒ کا جلیس ہونے کی دولت بے بہا سے نوازا ہے اور آپ کی مبارک مجالس میں باریابی کے شرف سے مجھے مشرف فرمایا ہے۔ میخانہ کا محروم بھی محروم نہیں ہے۔قوی امید ہے کہ ان شاء اللہ ثم ان شاء اللہ اس دولت سے محرومی نہیں رہے گی **وما ذالک علی اللہ بعزیز** اللہ تعالیٰ اس تعلق کی لاج رکھلے اور اس ناکارہ کی بضاعت مزجات کو شرف قبولیت عطا فرمائے اور اللہ تعالیٰ حضرتؒ کو مقامات عالیہ سے نوازے ان کی قبر کو نور سے منور فرمادیں۔

تم کیا گئے کہ روٹھ گئے دن بہار کے

مولانا محمد عمیر صاحب کاشفی، مدراسی

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پر روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

اللہ رب العزت نے لوگوں کے درمیان نسبتیں قائم کی ہیں۔عزیز و اقارب، والدین، بھائی، بہن اور دوست واحباب وغیرہ۔انہیں تعلقات میں سے ایک اہم اور روحانی رشتہ استاد وشاگرد کا ہے۔اور جب ان قریبی تعلق والوں میں سے کوئی دنیا سے رخصت ہوجاتا ہے تو لوگوں کے دل متاثر اور غمگین ہوجاتے ہیں اور انسان پر رنج وغم کا پہاڑ ٹوٹ جاتا ہے۔اسلام کے اندر رنج وغم کی اس کیفیت کو قدر کی نگاہ سے دیکھا گیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے کے انتقال پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں میں جب صحابہ کرام نے آنسو دیکھا تو پوچھا: یہ رونا کیسا ہے؟ آپ نے فرمایا: **ان هذه رحمة جعلها رفقا لعباده**۔ یہ رحمت کے آنسو ہیں جو ہمدردی اور تعلق کی بنیاد پر بہتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دلوں میں پیدا کیا ہے۔

اسی طرح کی ایک اندوہناک خبر نے بندہ کو غمزدہ کر دیا۔ ۳رفروری بروز

اتوار بعد نماز فجر یہ افسوس ناک خبر ملی کہ استاذ محترم امیر شریعت تمل ناڈو حضرت مولانا یعقوب صاحب دنیا بھر میں بکھرے اپنے ہزاروں محبین ومعتقدین کو روتا بلکتا اور کف افسوس ملتا چھوڑ کر ہمیشہ ہمیش کے لیے اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔انا للہ وانا الیہ راجعون۔حضرت والاؒ کا وصال موت العالم **موت العالم** یعنی عالم کا انتقال عالم کے ختم ہوجانے کے مترادف ہے۔اس دنیاء آب وگل میں جس نے بھی آنکھیں کھولیں ہیں اسے ایک نہ ایک دن یہ دنیا چھوڑ کر جانا ہے۔کسی شاعر نے کہا۔ ؎

ولو كانت الدنيا تدوم لاهلها لكان رسول الله فيها مخلدا

اگر دنیا میں کوئی ہمیشہ ہمیش رہتا، تو ہمارے آقا حضرت محمد صلی اللہ وسلم اس بات کے زیادہ مستحق تھے کہ وہ ہمیشہ رہتے۔لیکن جب ہمارے نبی نہیں رہے تو پھر دنیا میں کون رہ سکتا ہے۔

موت سے کس کو ہے رستگاری آج وہ تو کل ہے ہماری باری

نبی کریم ﷺ نے قبرستان میں جانے کے لیے یہ دعا سکھلائی: **السلام علیکم یااھل القبور، انتم لنا سلف ونحن لکم خلف وانا انشاء اللہ بکم لاحقون**۔اے قبر میں رہنے والو! تم آگے چلے گئے ہم پیچھے آنے والے ہیں، ان شاء اللہ ہم بھی آکر تم سے ملنے والے ہیں۔

بہرکیف موت ایک اٹل حقیقت ہے جس سے کسی کو انکار نہیں، لیکن کچھ لوگوں کی موت ایسی ہوتی ہے جس کا غم صدیوں تک باقی رہتا ہے اور ان کی موت مشعل راہ بن جاتی ہے۔ وہ اپنی زندگی کے کچھ ایسے نقوش چھوڑ کر جاتے ہیں جس سے دنیا والے ہمیشہ مستفید ہوتے ہیں اور انہیں یاد کرتے رہتے ہیں۔عربی کا مقولہ ہے:

الانسان حدیث بعدہ فکن حدیثا حسنا۔ انسان دنیا سے جانے کے بعد ایک کہانی بن کر رہ جاتا ہے، لہذا تم دنیا سے جاؤ تو اچھی چیزیں چھوڑ کر جاؤ تا کہ آنے والی نسلیں تمہارا ذکر خیر کریں۔

حضرت والا بھی انہیں اہم ترین شخصیات میں سے تھے جن کے انتقال سے پورا ملک خصوصاً جنوب ہند اپنے عظیم رہنما اور قائد سے محروم ہو گیا ہے جس کا پر ہونا ایک عرصہ دراز تک ناممکن ہے۔ لیکن حضرت والا کی گراں قدر خدمات ایسی ہیں جسے ایک طویل زمانہ تک یاد کیا جاتا رہے گا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انسان جب دنیا سے چلا جاتا ہے تو سارے اعمال کا سلسلہ بند ہو جاتا ہے لیکن تین کام اگر دنیا میں کئے ہیں تو اس کا ثواب تا قیامت ملتا رہتا ہے۔ (۱) صدقہ جاریہ (۲) علم نافع (۳) نیک اولاد۔ فرمان نبوی کے مطابق اللہ تعالیٰ نے حضرتؒ کے لیے یہ تینوں ذرائع کو جاری وساری رکھنے کا انتظام فرمایا ہے۔

حضرت والا ایک کامیاب مربی اور مشفق سرپرست تھے۔ آپ نے اپنی حیات میں ریاست کے مختلف اداروں کی سرپرستی کا فریضہ انجام دیا اور اپنی ذمہ داری کو بحسن وخوبی ادا کرتے ہوئے ان اداروں کو مفید مشوروں سے نوازا اور انہیں صحیح نہج اور اکابر کے مسلک پر قائم رہنے کی ترغیب دی۔ جن میں قابل ذکر صوبہ تمل ناڈو کا مشہور ومعروف قدیم ادارہ جامعہ باقیات الصالحات، مدرسہ مفتاح العلوم میل وشارم، مدرسہ رفیق العلوم آمبور اور مدرسہ کاشف الہدیٰ وغیرہ ہیں نیز آپ تاحیات دارالعلوم دیوبند کے رکن مجلس شوریٰ، صوبائی مجلس تحفظ ختم نبوت اور مجلس تحفظ شریعت

کے صدر رہ کر شریعت مطہرہ کی حفاظت، معاشرہ کی اصلاح، فرق باطلہ کی تردید اور مسلک حقہ کی اشاعت میں سرگرم عمل رہے۔ جب تک یہ ادارے دین کی خدمت انجام دیتے رہیں گے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو اس کا صلہ ملتا رہے گا۔

علم نافع کی شکل میں جامعہ باقیات الصالحات، دارالعلوم سبیل الرشاد اور اخیر عمر تک تقریباً ۳۵ سال مدرسہ کاشف الہدیٰ مدراس میں تدریسی خدمات کے ساتھ ساتھ تعلیمی وانتظامی امور کو بھی بحسن وخوبی ادا کیا۔ ان اداروں سے سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں شاگردوں نے آپ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کر کے اپنی علمی پیاس بجھائی اور دنیا جہاں کے اندر علمی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

الحمدللہ اس بندہ عاجز کو حضرت والا سے دوران تعلیم تقریباً دوسال پڑھنے کی سعادت ملی، جس کو اپنی زندگی کے لیے ایک بیش بہا قیمتی سرمایہ سمجھتا ہے۔ ان دوسالوں میں حضرتؒ سے ترجمہ قرآن پاک نصف اول اور آخری سال جماعت ہفتم میں بخاری شریف پڑھنے کا اتفاق ہوا اور ان کے درس سے مستفید ہونے کا موقع ملا۔ حضرت والا کے درس کا اسلوب نہایت ہی صاف اور شستہ ہوتا تھا، غبی سے غبی طالب علم بھی آپ کا درس بڑی آسانی سے سمجھ لیتا تھا۔ آپ کے درس میں طلبہ کو علمی، عملی اور روحانی غذا فراہم ہوتی۔ آپ کے درس کی سب بڑی خصوصیت یہ تھی کہ آپ خشک سے خشک موضوع کو بھی دلچسپ بنا کر پڑھاتے اور اسے طلبہ کے ذہن ودماغ میں اتار دیتے تھے۔ آپ اکثر دوران درس بزرگوں کے نصیحت آموز واقعات اور مزاح کی باتیں طلبہ کو سنایا کرتے۔ مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ حضرت والا سال کے آغاز میں ترتیب وار طلبہ سے نام، نسبت اور وطن پوچھ رہے

تھے، جب بندے کی باری آئی تو میں نے اپنا نام محمد عمیر مدراسی بتایا۔ تو حضرت نے مسکراتے ہوئے میری طرف دیکھا اور اپنے انداز میں فرمایا: ''مولوی صاحب تم تو آمبوری ہو، مدراسی کب سے ہوگئے؟'' میں نے ادباً جواب دیا کہ آمبور تو ہمارے آباء و اجداد کا وطن تھا لیکن اب ہم مدراس میں مستقل طور پر مقیم ہوگئے ہیں۔ تو حضرت نے جواب دیا کہ تم کو آمبوری ثم مدراسی یا مہاجر الی مدراس کہنا چاہیے۔ پھر حضرت نے بطور نصیحت یہ فرمایا کہ کہ انسان خواہ کہیں بھی آباد ہو، اپنا آبائی وطن نہیں بھولنا چاہیے۔ ہمارے اکابر کی یہ عادت شریفہ تھی کہ اگر وہ اپنے وطن سے کہیں دور دوسری جگہ مقیم ہوتے تو اپنے نام کے ساتھ مہاجر لکھا کرتے تھے۔ جیسے مولانا امداد اللہ مہاجر مکیؒ، مولانا حسین احمد مدنیؒ وغیرہ کے نام ہیں۔ حضرت کا مزاج بھی اپنے بزرگوں کی پاکیزہ تذکرہ سے خالی نہ تھا۔

نیک صالح اولاد بھی انسان کے دنیا سے جانے کے بعد ذخیرہ آخرت ہیں۔ اللہ نے حضرتؒ کو یہ سلسلہ بھی عطا فرمایا۔ آپؒ نے اپنے بعد اپنی علمی، عملی اور روحانی وراثت کو باقی رکھنے کے لیے دو لائق و فائق اولاد چھوڑی ہیں، جنہیں حضرت نے صلاح و تقوی کے راستے گامزن کیا اور علم دین و قرآن پاک کی تعلیم سے آراستہ کرکے دین کی خدمت پر مامور کر دیا۔ جن میں حضرتؒ کے بڑے فرزند میرے مشفق و مہربان استاذ حضرت مولانا اسماعیل ذبیح اللہ صاحب مفتاحی وقاسمی دامت برکاتہم اور دوسرے مولانا حسین احمد مفتاحی وقاسمی دامت برکاتہم ہیں۔ بڑے فرزند مولانا اسماعیل ذبیح اللہ مفتاحی وقاسمی حضرت کے نقش قدم پر مدرسہ کاشف الہدیٰ میں دینی وعلمی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ اور دوسرے فرزند

حضرت مولانا حسین احمد مفتاحی وقاسمی مدرسہ مفتاح العلوم میل وشارم میں درس وتدریس کا فریضہ انجام دے رہے ہیں۔

جب سے حضرت نے داغ مفارقت دی، کہیں سکون نہیں، کاشف الہدیٰ کی پرکیف فضا میں اداسی چھائی ہوئی ہے اور در و دیوار بھی حضرت کی جدائی پر ماتم کناں ہیں۔ بقول فیض احمد فیضؔ

ویراں ہے مے کدہ خم و ساغر اداس ہیں
تم کیا گئے کہ روٹھ گئے دن بہار کے

آپ کی وفات سے نہ صرف کاشف الہدیٰ بلکہ پورے تمل ناڈو کے علمی حلقہ میں ایک خلا پیدا ہو گیا، کاشف الہدیٰ اپنے گھنے اور ٹھنڈے شجر سایہ دار سے محروم ہو گیا۔ آپ اس دار فانی کو الوداع کہہ کر چلے گئے مگر اپنے پیچھے اپنے شاگردوں کی اتنی بڑی تعداد کو چھوڑ گئے ہیں کہ دنیا ایک طویل عرصے تک بھلا نہ پائے گی۔

اللہ تعالی آپ کی بال بال مغفرت فرمائے، آپ کا حشر انبیاء کے ساتھ کرے، اپنی رؤیت سے آپ کو سیراب کرے اور **وسقاهم ربهم شرابا طهورا** کی شکل میں آپ کو بہترین بدلہ عطا فرمائے، پسماندگان کو صبر جمیل کی دولت سے نوازے اور ہم طلبہ وخدام کو حضرت کے نقش قدم پر تا حیات چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آسماں تیری لحد پہ شبنم افشانی کرے   سبزہ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

ستارہ جو ٹوٹ گیا

مولانا محمد عمران صاحب کاشفی، اونگول

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم امابعد

الٰہی ہی تیری قدرت عجیب ہے، کیسی کیسی ہستیوں کو عدم سے وجود میں لاتا ہے، پھر انہیں وجود سے پردۂ اختفاء میں چھپاتا ہے، کیسے کیسے روشن ستارے پیدا ہوئے، اور اپنی چمک دمک دکھلا کر تیری قدرت کی وسعتوں میں غروب ہو گئے، انہیں میں سے ایک عظیم ستارہ امیر شریعت حضرت مولانا یعقوب صاحبؒ قدس اللہ سرہ کی ذات اقدس ہے، بچپن میں بڑوں سے سنا تھا اور زمانہ جاہلیت کی کہاوت بھی تھی کہ جب کوئی ستارہ ٹوٹتا تو لوگ کہا کرتے تھے کہ آج کسی عظیم انسان کی موت واقع ہوگئی لیکن رسول اللہ ﷺ نے اس کہاوت کی اپنے قول **لایرمی بہ لموت احد و لالحیاتہ**، سے تردید فرمائی، ہاں البتہ حضرتؒ کے بارے میں اتنا ضرور کہا جاسکتا ہے کہ کروڑوں انسانوں کو صحیح راہ دکھانے والے نجوم ھدایت میں سے ایک عظیم ستارہ غروب ہوگیا مجھ جیسے چھوٹوں کا حضرتؒ جیسی ہستیوں کی شان میں تعریف بھی بے ادبی سے خالی نہ ہوگی اللہ معاف فرمائے مگر حضور ﷺ کے ارشاد

اذکرو محاسن موتاکم اور اساتذہ کرام ادام اللہ فیوضہم کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے چند باتیں جو زمانۂ طالب علمی میں حضرتؒ کی ذات میں دیکھنے کو ملیں وہ عرض کرتا ہوں، وہ یہ کہ حضرت امیر شریعتؒ سنت نبویؐ کے پیکر تھے، یوں کہا جاسکتا ہے کہ آپؒ کو کرامت معنوی حاصل تھی وہی اصل ہے کیوں کہ اہل نظر اور اہل بصیرت کے نزدیک بڑا کمال یہی کرامت معنوی ہے جس کا حاصل شریعت پر مستقیم ہونا، مکارم اخلاق، اعمال صالح کا پابند ہونا، اخلاق رزیلہ کبر، حسد، ریا، کینہ، حب جاہ، حب مال، حب دنیا، حرص، طمع، غیض وغضب، اور تمام صفات مذمومہ سے پاک ہونا ہے، یہ وہ کرامات ہیں جسمیں استدراج کا احتمال نہیں، حضرتؒ کو یہی کرامت معنوی حاصل تھی جس نے بھی حضرتؒ کی زندگی کو دیکھا، وہ اسکا بخوبی اندازہ لگا سکتا ہے، حضرتؒ کا ایک ایک جزء بے ارادہ اتباع سنت کا عادی تھا، آپ کی آنکھیں **غضو ابصار کم** کا نمونہ تھی، اور امیر شریعتؒ کی زبان پر **من صمت نجا** کا تالا لگا ہوا تھا، آپؒ بہت کم گو تھے، فضول باتوں میں ہرگز نہیں لگتے تھے لیکن حضرتؒ کے یہاں ہٹو بچو والی بات بھی نہیں تھی جب بھی کوئی ملاقات کے لئے آتا آپؒ بڑی خندہ پیشانی سے اس سے ملاقات فرماتے تھے، لیکن فطری رعب اتنا ہوتا تھا کہ خود ملنے والے کو یہ ہمت نہیں ہوتی تھی کہ حضرتؒ کے سامنے کوئی فضول گفتگو کرے جو بھی بات آپؒ کرتے وہ **لاتقل الاخیرا** ہی میں سے ہوتی تھی حضرتؒ کے ہاتھ، پیر اور دیگر اعضاء **سارعوا الی مغفرۃ** کے شوقین تھے، اسلیئے حضرتؒ

نے ہر نیک کام میں حصہ لیا تصنیف و تالیف ،تقریر و تبلیغ ، تدریس و تعلیم غرض ہر چیز میں آپؒ نے حصہ لیا، اور حضرتؒ کئی مدارس کے سرپرست بھی تھے، آپؒ ایک شفیق باپ کی طرح ان مدارس کی سرپرستی فرماتے تھے اب حضرتؒ کی انتقال کے بعد ان مدارس کی حالت اس معصوم بچہ کی سی ہوگئی ہے، جسکا باپ اسکے بچپن ہی میں انتقال کرگیا ہو، یقینا حضرتؒ کی ذات ان مدارس کے لئے خیر و برکت کا ذریعہ تھی ، اور فتنوں کے وجود میں آنے سے آپؒ کی مبارک ہستی سد باب کی طور پر تھی ، اب اللہ ہی ان مدارس کی حفاظت فرمائے اور حضرتؒ کا نعم البدل نصیب فرمائے۔

غرض حضرتؒ اپنی پوری زندگی اپنے مولائے حقیقی کی مرضیات کے مطابق گزار کر اس دار فانی کو چھوڑ کر اپنے ٹھکانہ جنت میں چلے گئے ، اللہ حضرتؒ کی جنت کو وسیع فرما کر ہر طرح کی راحت نصیب فرمائے ، اور روز قیامت حضرتؒ سے خوش ہوکر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جنت الفردوس نصیب فرمائے۔ آمین

بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

مولانا محمد محبوب علی صاحب کاشفی قاسمی

امام و خطیب مسجد زکریا رائچور

اللہ جل جلالہ وعم نوالہ نے اس کائنات کو مختلف قسم کی مخلوقات سے مزین فرمایا ہر دور میں چند ایسی عظیم قابل تقلید شخصیات کو وجود بخشا، جن کی موجودگی پر دنیا کی بقا منحصر ہے، ایسی عظیم ترین مقرب ترین لوگ جو مجموعہ کمالات ہوتے ہیں ،استقامت و استقلال کے علمبردار ہوتے ہیں، زہد و تقوی عاجزی وانکساری استغنائیت وخشیت الٰہی کے پیکر ہوتے ہیں، مسکنت خلوص وللّٰہیت سے سرشار ہوتے ہیں، شریف النفس حلیم الطبع باوقار بااثر بافیض بابرکت جفاکشی حسن اخلاق بلند کردار کے حامل ہوتے ہیں، قائم اللیل اور صائم النہار عبادت و ریاضت کی نورانیت سے لبریز روشن چہرے والے ہوتے ہیں، اخلاق حسنہ اوصاف حمیدہ علم وعرفان کے شمع ترک دنیا والے اوصاف سے متصف ہوتے ہیں، جن کو زمانہ رہتی دنیا تک یاد رکھتا ہے، یہ وہی متبرک مقرب برگزیدہ لوگ ہیں، جن کے متعلق حدیث میں فرمایا الذین اذا رؤوا ذکر اللہ جب ان کے چہروں کو دیکھو تو اللہ کی یاد آجائے مزید فرمایا گیا، مقام ومرتبہ کو اجاگر کیا گیا، موت

العالم موت العالم ایک عالم کی موت ہے جہاں کی موت کے مترادف ہے، انہیں مبارک ہستیوں کے بارے میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **العلماء ورثة الانبیاء** علماء انبیاء کے وارث ہیں، قرآن مجید میں اللہ نے فرمایا۔ **الاان اولیاء اللہ لاخوف علیھم ولاھم یحزنون** قیامت کے دن نہ ان کو ڈر ہوگا نہ ہی وہ غمگین ہوں گے، کسی شاعر نے کیا ہی خوب کہا ہے۔ ؎

یک زمانہ صحبتے با اولیا — از صد صد سالہ طاعت بے ریا
نگاہ ولی میں وہ تاثیر دیکھی — بدلتی ہزاروں کی تقدیر دیکھی

ان ہی متبرک اور باکمال شخصیات و باخدا اہل دل اور قابل تقلید علماء ربانیین میں سے یہ ایک ہم سب کے مشفق و مربی رہنماء و رہبر استاذ الاساتذہ صدر المدرسین مدرسہ کاشف الھدی مصلح اعظم حضرت اقدس مولانا محمد یعقوب صاحب وشارمیؒ تھے، جو بیک وقت کئی اوصاف حمیدہ وکمالات عجیبہ کے متحمل تھے، کئی مدارس اسلامیہ اور علمی اداروں دینی تحریکات کے سرپرست اعلی تھے، ہر طبقے میں منظور ومقبول تھے عوام و خواص کے دلوں میں آپ کے لیے بے پناہ محبت والفت تھی، مسلک دیوبند کے عظیم ترجمان تھے، رکن رکین تھے، جب بھی اکابرین دیوبند جنوبی ہند کا سفر کرتے تو حضرت والا سے ملاقات کئے بغیر واپس نہ ہوتے، خاموش مزاج گمنام شخصیت کے مالک تھے، شہرت اور دکھلاوے سے کوسوں دور اخلاص وللّٰہیت تقوی و پرہیزگاری تواضع وانکساری آپ کا وصف خاص تھا، استغنائیت وخودداری غیرتمندی وجرات مندی آپ کا جزو

لاینفک تھا، طلبہ وخدام کو اسی کی تعلیم فرماتے تھے، آپ کے حلقہ ارادت میں وقت کے بڑے بڑے اہل ثروت حاضر رہتے تھے، مگر آپ کبھی کسی سے مرعوب نہیں ہوئے بلکہ وقتاً فوقتاً ان کی اصلاح کی کوشش فرماتے تھے حسن تدبیر اور حکمت عملی دور بینی و دوراندیشی آپ کی صفت خاصہ تھی حق گوئی و بے باکی افراط وتفریط سے خود بھی دور تھے، اوروں کو بھی تعلیم فرماتے متعلقین اور متعلمین کو ہمیشہ راہ اعتدال کی تلقین فرماتے تھے، معمولات یومیہ کی پابندی اذکار صباحیہ ومسائیہ میں استقامت تھی، اصلاح معاشرہ کی فکر میں اکابر واسلاف کے بہترین نمونہ تھے، واردین وصادرین کے ساتھ آپ کا سلوک انتہائی محبتانہ ومشفقانہ تھا مدرسہ کے طلباء اور اساتذہ کے ساتھ آپ کا رویہ انتہائی عاجزانہ خیر خانہ تھا، آپ زمانہ کے درفرید تھے، وقت کے عظیم خطیب بھی تھے، نایاب جوہر تھے، آپ کے درس وتدریس کا نرالا انداز تھا آپ کی خطابت ونصیحت کا طرز ایمان افروز تھا مشکل مسائل اتنے سہل انداز سے سمجھاتے کہ ہر طالب علم با آسانی سمجھ جاتا افہام وتفہیم کا طریقہ بہت ہی عجیب تھا، دوران درس عجیب وغریب تاریخی واقعات کے علاوہ اللہ والوں کے حالات خصوصا اکابرین دیوبند کے دلچسپ اور سبق آموز قصے سناتے جب کبھی طلباء کی اکتاہٹ محسوس کرتے تو چستی و پھرتی کے لئے علمی اور روحانی لطائف بیان کرتے تاکہ قلبی بشاشت کے ساتھ سبق سنیں الحمدللہ بندے کو اللہ نے یہ سعادت بخشی کے دوسال سے سبق پڑھنے کا موقع عنایت ہوا، جماعت سوم میں ترجمہ قرآن دوسرا حصہ جماعت ہفتم میں بخاری شریف ہر سال یہی تمنا ہوتی تھی کہ حضرت

علیہ الرحمہ کے پاس کوئی کتاب پڑھنے کا موقع ملے چوں کہ حضرت کے سبق پڑھانے کے بعد اس طرح شرح صدر ہوجاتا کہ دوبارہ اس کی شرح کی ضرورت ہی نہیں پڑتی تھی، حضرت کے درس میں اللہ پاک نے ایسی جاذبیت وتاثیر رکھی تھی کہ فطرت خود وقت سے پہلے کمرے تک جسم کو پہنچا دیتی حضرت علیہ الرحمہ کی یہ عادت شریفہ تھی کہ جو طالب علم حضرت کی کتاب میں امتحان میں 80 سے زائد نمبرات حاصل کرتا آپ اسے انعام سے نوازتے بندہ کو یہ سعادت تین مرتبہ نصیب ہوئی زہے قسمت حضرت والا علیہ الرحمہ کے خدام میں اس حقیر فقیر بندہ پر تقصیر کا نام بھی شامل تھا، روزانہ کی چائے کے علاوہ توشہ خدمت بھی بندے کے حصے میں نعمت غیر مترقبہ بن کر آئی تھی، اور میں ہر منگل بعد عشاء تھوڑی دیر حضرت والا اپنے خدام کو نصیحت فرماتے اسرار ورموز بیان فرماتے ہیں، ایک سے انفرادی طور پر نظر کرم فرماتے ہوئے توجہ کے ساتھ بات کرتے، اسی دوران ایک دفعہ بندے سے سوال کیا کیا تم اس سال تراویح میں قرآن سنایا بندہ حیرانی وپریشانی کے عالم میں نفی میں جواب دیا تو سخت ناراضگی کا اظہار فرمایا، پھر نصیحتانہ انداز میں بڑی شفقت کے ساتھ فرمایا، مولوی صاحب زندگی بھر کبھی اس غلطی کو مت دوہراؤ جہاں بھی قرآن سنانے کا موقع ملے خدا کی نعمت سمجھ کر خدمت کرو بندے کو اس بات کا اتنا گہرا اثر ہوا کہ دل میں عزم مصمم کرلیا کہ آئندہ کبھی ایسی غلطی نہیں کرونگا، حضرت علیہ الرحمہ طلبہ سے بے تکلف گفتگو فرماتے بندہ کا پہلا سال تھا جماعت فارسی کا پہلا امتحان تھا، دیگر طلباء کے ساتھ بندہ بھی التماس دعا کی خاطر حاضر خدمت ہوا، تو حضرت نے

استفسار فرمایا کون سی کتاب کا امتحان ہے، بندے نے کہا چہل سبق کا، پھر فرمایا کون سے استاد کے پاس بندے نے عرض کیا محبوب حضرت کے پاس تو حضرت کے چہرے پر فرحت وانبساط کے آثار نمودار ہوئے فرمایا اچھا محبوب کا امتحان محبوب کے پاس ہے، بعد ازاں فرمایا مولوی صاحب تمہاری محنت آگے آگے ہماری دعا پیچھے پیچھے جب آپ کی خوب محنت ہوگی تو ہماری دعا آسمان سے چپک جائے گی حضرت علیہ الرحمہ کی یاد بہت تڑپائے گی، جب بھی حضرت والا کے پاس ملاقات کی غرض سے حاضری ہوتی، بڑے اہتمام کے ساتھ توجہ کے ساتھ حضرت استفسار فرماتے بستی کے احوال دریافت فرماتے چند نامور علماء ودانشوروں کو یاد فرماتے ہمیشہ یہی فرماتے تھے رائچور آنے کا ارادہ ہے، لیکن حالات اجازت نہیں دیتے دعا فرمائیں، یہی فرماتے رہے مگر وہ سعادت ہمارے شہر کو میسر نہ ہوئی کہ حضرت وصال فرماگئے، تمام ابنائے کاشفیہ کو یتیم کر گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا، اللہ پاک آپ کے درجات کو بلند فرمائے، پوری امت کو خصوصاً کاشف الہدیٰ کو نعم البدل سے نوازے باطنی وروحانی فرزندان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

آمین یارب العالمین

ایک عبقری شخصیت

مولانا محمد صدیق صاحب کاشفی

استاذ مدرسۂ مفتاح العلوم میل وشارم

۳؍فروری کی صبح غیر متوقع طور پر ملنے والی اس خبر نے ''جس کا دھڑکا تھا وہ آ ہی گیا'' نہ جانے کتنوں پر غم کے پہاڑ توڑ دیئے، کتنوں کے ہوش وحواس گم کردیئے ، کتنوں کے ارادے اور حوصلے پست کردیئے، کتنے اداروں کو سرپرستی سے محروم کردیا، اور نہ جانے کیا کیا حالات پیدا کئے، زبان وقلم اس کے اظہار سے عاجز ہیں۔ ؎

ڈھونڈو گے اگر ملکوں ملکوں ملنے کے نہیں نایاب ہیں ہم
تعبیر ہو جس کی حسرت وغم اے ہم نفسو! وہ خواب ہیں ہم

آپ کیا تھے؟ کن کن کمالات وخوبیوں کے مالک تھے؟ کیا کیا اوصاف وخصائل آپ کی ذات گرامی میں دیعت کئے گئے تھے؟ اس کے متعلق زبان وقلم یہ کہنے اور لکھنے پر مجبور ہے ؎

بسیار خوباں دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری

مختصراً یوں کہا جاسکتا ہے کہ آپ کی پاکیزہ زندگی ایک کھلی ہوئی روشن کتاب کی

طرح تھی، اگر کوئی دعوت فکر وعمل دینے والی ایک ایسی جامع ومنفرد کتاب کا پتہ پوچھے، جس کے مطالعہ سے علم وعرفان کی روشنی بڑھے، صلاح وتقوی کی دولت ملے، تسلیم ورضا کی نعمت ملے، صبر وشکر کی تلقین ملے، عبادت وریاضت کا حوصلہ ملے، قناعت واستغنائیت کا شوق ملے، خلوص وللّٰہیت کا ذوق ملے، اکابر دیوبند کی کامل ترجمانی کا ایک مکمل نمونہ ملے، مسلکی تصلب اور قدم بہ قدم اکابر دیوبند کے مسلک ومزاج کی دعوت ملے، خصوصاً خانوادۂ مدنی وکاندھلوی سے ارادت وعقیدت کا پیغام ملے، مدارس عربیہ ومکاتب دینیہ کے قیام وبقا کی تڑپ ملے، دعوت وتبلیغ کی ذمہ داری کا احساس ملے، نت نئے باطل فرقوں اور طاقتوں کے مقابلہ کی جرأت ملے، بدعات وخرافات اور تمام خلاف شرع امور سے حد درجہ محتاط رہنے کا سبق ملے، اوقات کے تحفظ اور اس کے نظم وضبط کا سلیقہ ملے، اور سب سے بڑھ کر ''اینقص الدین وانا حی'' کا ایک مثالی جذبہ ملے، تو وہ حضرتؒ کی قابل رشک اور مثالی زندگی کا مطالعہ کرلے، جو یقیناً مذکورہ ستودہ صفات وخصوصیات کا ایک حسین گلدستہ ہے۔

میری خوش قسمتی کہ مجھے بھی حضرتؒ کے شاگردوں کی صف آخر میں جگہ ملی، اور حضرتؒ سے کتاب اللہ اور اصح الکتب بعد کتاب اللہ (صحیح البخاری) پڑھنے کا شرف ملا۔ علاوہ ازیں خارجی اوقات میں بھی حضرتؒ سے استفادہ کا سنہرا موقع ملا، اس جگہ زمانہ طالب علمی کے ان ہی چند یادوں سے ملاقات کرانا مقصود ہے۔

جماعت فارسی میں سہ ماہی امتحان کے موقع پر جب امتیازی نمبرات سے

کامیاب ہوا تو حضرتؒ کو نمبرات کی اطلاع دینے کے لئے ایک کاغذ میں ترتیب وار کتابوں کے نام اور نمبرات لکھ کر حضرتؒ کی خدمت میں پیش کیا، حضرت نے پوچھا: جماعتی ترتیب میں کتنے نمبر پر آئے ہو؟ میں نے کہا چاروان نمبر پر آیا ہوں، حضرتؒ نے فرمایا: چاروان نہیں چوتھا نمبر ہے۔ پھر فرمایا ہمیشہ اس کو قائم رکھنا اور یہیں پڑھ کر مدرسہ کا نام روشن کرنا، ایک اور موقع پر فرمایا: اچھی طرح پڑھنا، اور صف اولی میں رہنا، وقت کی پابندی کرنا، اچھے اخلاق والا، پڑھنے والا اور اپنی ہم عمر کوئی ملے تو اس سے دوستی رکھو، جب تک ایسا نہ ملے کسی سے بھی دوستی نہ کرنا۔ جماعت فارسی کے سال ہی میں جب کئی دن بعد ملاقات کے لئے حاضر ہوا تو فرمایا: اتنے دنوں سے نظر نہیں آئے، پھر فرمایا میں جب بھی بستی جا کر آتا ہوں تو بہت سے ایسے طلبہ جن کو میں جانتا پہچانتا نہیں، ملاقات کے لئے آتے ہیں اس وقت تم کو دیکھنے کا موقع نہ ہوتا۔ حضرت کے اس شفقت بھرے جملے کو سن کر پانی پانی ہو گیا اور کوئی عذر بھی نہ تھا، بس شرمندگی سے سر جھکا لیا، جماعت سوم کے سال جب اذان کی خدمت سپرد ہوئی تو حضرتؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر بڑے مہذب انداز میں یوں عرض کیا: مدرسہ والے مؤذن کی خدمت لینا چاہتے ہیں، کیا کروں؟ جوں ہی یہ جملہ سنا تو حضرتؒ ہنس پڑے اور فرمایا: بھائی مدرسہ والے اگر اذان کی خدمت لے تو کرو، اگر مؤذن کی خدمت لینا چاہتے ہیں تو منع کر دو۔ غالبا سوم کا سال ہی ہوگا، حضرت کے خادم خاص نے مجھ سے کہا: حضرتؒ نے فلاں وقت آپ کو طلب فرمایا ہے، حاضر خدمت ہونے پر اپنی ایک بیگ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ اس کو درست کرنا ہے، چنانچہ عصر کے بعد بیگ سینے کے لئے دوکان گیا اور دوکاندار سے کہا: یہ

بڑے حضرتؒ کی بیگ ہے، اچھی طرح سی کر دو، دوکاندار نے جوں ہی حضرتؒ کا نام سنا، تو مزدوری لینے سے انکار کر دیا، واپسی پر حضرتؒ سے صورت واقعہ بتادی کہ دوکاندار نے اس کی قیمت نہیں لی، حضرتؒ نے ناراض ہو کر فرمایا: جاؤ رقم ادا کر کے آؤ، اگر وہ نہ لیں تو اس کی طرف پھینک آؤ۔

آہ! ایک ایسی عظیم اور جامع الکمالات ہستی اب ہمارے درمیان نہ رہی۔ اللہ تعالی حضرتؒ کو غریق رحمت کرے۔ آمین

زمانہ بڑے شوق سے سن رہا تھا تم ہی سو گئے داستاں کہتے کہتے

آپ کے نمایاں اوصاف وکمالات

مولوی عبد المجید کاشفی قاسمی
امام وخطیب، مسجدِ عیدگاہ، میل وشارم

فخر جنوب نمونۂ اسلاف استاذ الاساتذہ مولانا محمد یعقوب صاحب وشارمی رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ رب العزت نے بے شمار خوبیوں اور کمالات سے نوازا تھا۔ آپ میں بے پناہ علمی صلاحیت، بہادرانہ عزم وحوصلہ، خلوص وللّٰہیت، تقویٰ وطہارت، سنجیدگی وشرافت اور دوراندیشی وذہانت بدرجۂ اتم موجود تھی سادگی اور کفایت شعاری آپ کی زندگی میں رچ بس گئی تھی، فرط تواضع آپ کا حسن اور انکار ذات آپ کی آتش خودی تھی، اتباع سنت اور اسوۂ رسول اکرم کی پیروی کے شدید اہتمام میں آپ مشہور ومعروف تھے۔

بزرگ بہت دیکھے اور سنے! لیکن سیرت رسول کا ایسا مجسمہ میری آنکھوں نے نہیں دیکھا، آپ گفتار کے نہیں کردار کے غازی تھے، خلوت نشینی اور نمود و نمائش سے دوری کی وجہ سے بہت کم لوگ آپ کے مقام ومرتبہ سے واقف تھے، آپ نے اپنی حیات مستعار کے ہر حرکت وسکون سے اسلامی زندگی کا صحیح عملی نمونہ پیش فرمایا، الغرض آپ کی زندگی قابل دید اور لائق تقلید تھی ذیل میں راقم آپ کے

چند اوصاف وکمالات ذکر کرنا چاہتا ہے تاکہ ایک طرف آپؒ جیسی نابغۂ روزگار شخصیت کا سوانحی خاکہ بھی تیار ہوجائے اور دوسری طرف وہ آپ کے تلامذہ، مریدین ومتوسلین اور نئی نسل کے لئے مشعل راہ بھی ثابت ہو۔

اتباع سنت:

آپ رحمۃ اللہ علیہ ہمیشہ اتباع شریعت اور اتباع سنت کا اہتمام فرماتے تھے، آپ اپنے معاصرین میں اتباع سنت میں بالکل نمایاں اور بے مثال تھے، آپ نے اپنی مجالس میں ارشاد فرمایا کہ بھائی سنت وشریعت کی اتباع سے ہٹ کر کسی کی ولایت کا بھی اعتبار نہیں ہے، امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مکتوبات جلد نمبر ۱ صفحہ ۱۴۱ میں تحریر فرمایا ہے کہ ’’تصوف کے مقامات قیام سنت اور پیروی سنت کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں ہے۔‘‘

چنانچہ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے لباس، وضع قطع، معاشرتی زندگی اور معاملات وغیرہ تمام امور میں سنت کی پیروی کی، مگر تیامن والی سنت (ہر نیک کام کو داہنی طرف سے کرنا) پر عمل آپ کی بہت نمایاں تھی۔ مسجد میں داخل ہونے، چپل پہننے، سواری پر سوار ہونے اور کپڑے پہننے وغیرہ میں تیامن کی سنت شاید ہی آپ سے چھوٹی ہو۔

آپ کا اس سنت پر عمل کرنا اتنا معروف تھا کہ یکم جنوری ۱۹۹۶ء کو مسجد تنعیم کا افتتاح تھا، راقم کی عمر اس وقت تقریباً گیارہ سال کی تھی، مغرب میں آپ کی امامت سے مسجد کی افتتاح عمل میں آئی، پروگرام کے درمیان آپ استنجاء کے لیے

تشریف لے گئے، استنجے سے فراغت کے بعد واپس مسجد کی طرف تشریف لائے تو بائیں جانب جولوگ کھڑے ہوئے تھے آپؒ کو آتے دیکھ کر لوگوں نے ہٹ کر مسجد کے بائیں جانب آپ کو جگہ دی، مجھے یاد پڑتا ہے اس وقت جو صاحب پاس میں کھڑے تھے انہوں نے کہا کہ ''یہاں سے ہٹنے کی ضرورت نہیں ہے، حضرت ادھر سے داخل نہیں ہونگے بلکہ حضرت کا مسجد میں داخلے کا معمول بھی دائیں جانب سے ہے'' چنانچہ اسی وقت سے آپ رحمۃ اللہ علیہ کی اتباع سنت اور اس پر آپ کا اہتمام اور مداومت میرے دل میں گھر کرگئی، اسی ''عمل بالسنۃ'' کا نتیجہ تھا کہ اللہ تبارک و تعالی نے آپ کو بے پناہ محبوبیت اور مقبولیت سے نوازا تھا۔

بے مثال استغنائیت

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے جہاں بہت سارے امتیازات اور خصوصیات ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آپ نے ہمیشہ دنیا سے بے رغبتی اختیار کی یہی وجہ ہے کہ دنیا آپ کے قدموں میں پڑی رہی، بڑے بڑے اہل ثروت آپ کی خدمت میں نیازمندانہ حاضر رہتے تھے، مگر آپ کی بے نیاز شخصیت نے کبھی انہیں طلب کی نگاہ سے نہیں دیکھا، یہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا ایک ایسا امتیازی وصف تھا جو ضرب المثل تھا۔

مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے علماء و دانشوروں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ میں صاف صاف یہ کہوں گا کہ کوئی بوریا

نشین ہو تو وہ زیادہ کام کرسکتا ہے، میں یہ نہیں کہتا کہ کوئی بتکلف بوریا نشین بن جائے ،لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ طبقہ اسی کے سامنے جھکتا ہے اور مانتا ہے، جسکو سب سے زیادہ بے نیاز دیکھتا ہے حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے وقت کے شہنشاہ کیوں جھکے؟ اس لئے کہ یہ اللہ کا بندہ نہ کبھی کسی کی سفارش کرتا اور نہ کبھی دربار میں آتا ہے، بس بیٹھا بیٹھا اللہ اللہ کرتا رہتا ہے۔ (دعوت فکر و عمل صفحہ ۹۰)

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی یہی شان رہی مالی تعاون لینا تو درکنار روپیوں کی شکل میں ہدیہ بھی قبول نہیں فرماتے تھے، حتیٰ کہ آپ کسی سے قرض بھی نہیں لیتے تھے، بلکہ طبقہ علماء کو اس بات کی سخت تاکید فرماتے تھے کہ علماء کو اپنے قلیل آمدنی میں سے کم از کم اتنا تو جمع کر کے رہنا چاہیے کے وقت ضرورت کام آسکے۔

اس سلسلہ میں آپ نے اپنا تجربہ بھی پیش فرمایا کہ مجھے ایک ادارہ میں خدمت کرتے ہوئے ادارے کی کچھ حالات کی وجہ سے ملازمین کی دو ماہ کی تنخواہ موقوف ہوگئی تھی تو میں نے اپنی اسی جمع شدہ رقم سے کام چلایا تھا۔

آپ کے خلفِ رشید حضرت مولانا محمد اسماعیل ذبیح اللہ صاحب زید مجدہم نے فرمایا کہ والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو ہمشیرہ کی شادی کے موقع پر کچھ مالی پریشانی ہونے کا اندیشہ تھا، تو بہت سے اہل ثروت نے آپ کی خدمت میں رقومات کی پیشکش کی بعض نے کم از کم بطور قرض قبول کر لینے کی درخواست کی تو آپ نے یہ کہہ کر معذرت کردی کہ اگر مجھے قرضہ کی ضرورت پڑے گی تو میں اپنے بھائیوں سے

لے لوں گا مگر حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی رجوع الی اللہ کا نتیجہ تھا کہ قرضہ لینے کی بھی نوبت نہیں آئی۔

اکابر دیوبند سے محبت وعقیدت

آپ رحمۃ اللہ علیہ بچپن ہی سے اکابر دیوبند کے عاشق تھے،عصری تعلیم کے دوران ہی آپ کے اساتذہ کرام نے آپ کی پیشانی پر آثار بزرگی نمایاں دیکھ کر آپ کی خصوصی تربیت فرمائی، اسکول پڑھنے کے دور میں جب آخری گھنٹہ خالی ہوتا تھا تو آپ بہلول زمانہ حضرت اقدس مولانا محمد ابراہیم صاحب بلنجپوری دامت برکاتہم کے پاس تشریف لے جاتے تھے،(ان دنوں حضرت موصوف کا قیام مدرسہ تبلیغ میل وشارم میں تھا) اور حضرت مولانا ابراہیم صاحب زید مجدہم کی نگرانی میں کمالات اشرفیہ اور دیگر اکابرین دیوبند کی سوانح کا مطالعہ فرماتے، اسی وقت سے آپ کے دل میں اکابرینِ دیوبند کی محبت راسخ ہوچکی تھی، پھر آگے چل کر جب آپ نے چار ماہ کی جماعت کے دوران حضرت شیخ سے ملاقات کی اور پھر باقاعدہ مراسلات وخط وکتابت کا سلسلہ جاری فرمایا،تو اس میں اور اضافہ ہوتا چلا گیا چنانچہ آپ رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ’’جنوبی ہند میں مسلک کے دیوبند کا تعارف کرانے والے اولین شخص حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب بلنجپوری دامت برکاتہم ہیں‘‘ قابل ذکر ہے کہ مسلک کا تعارف اگرچہ مولانا محمد ابراہیم صاحب بلنجپوری سے ہوا مگر اس کی ترویج واشاعت کا سہرا حضرتؒ کے سر ہی رہا۔

آپ کا کوئی بیان اکابر دیوبند کے تذکرہ سے خالی نہ ہوتا تھا آپ کے خطبات کے مجموعے سے اس کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے، اکابرین سے والہانہ محبت کی بڑی دلیل یہ ہے کہ آپ کے متعلقین میں کسی کے ہاں کوئی بچہ پیدا ہوتا اور وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوکر نام کے سلسلے میں مشورہ طلب کرتے تو آپ کی رائے اکابر دیوبند کی نام سے ہوتی تھی، یہی وجہ ہے کہ آپ کے متعلقین میں سے تقریباً تمام کے گھروں میں حسین احمد، رشید احمد، خلیل احمد اور اشرف علی ضرور ملیں گے نیز آپ کی اپنی نصیحتوں میں اکابرین کے اسی حسین تذکرہ کا نتیجہ تھا کہ آپ کے تلمیذ رشید حضرت اقدس قاری محمد ہدایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ مدرسہ کے مختلف جلسوں میں مدرسہ کاشف الھدی کو جنوب کا دار العلوم دیوبند کہتے ہوئے پھولے نہ سماتے تھے۔اللہ تعالی ہمیں حضرتؒ کی تعلیمات کے مطابق عمل کرنے کی توفیق بخشے۔آمین۔

باصلاحیّت مدرس

الحمدللہ! اللہ تبارک وتعالی نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو ساٹھ سال کا طویل عرصہ درس وتدریس میں لگے رہنے کا موقع عنایت فرمایا، جس میں آپ نے ہزارہا طالبانِ علوم نبوت کی تشنگی بجھائی، جب سے آپ نے پڑھنے پڑھانے کا سلسلہ شروع فرمایا، اسی وقت سے آپ کے تلامذہ آپ کی تبحّر علمی اور غیر معمولی تدریسی صلاحیت کے معترف ہیں آپ شروع ہی سے پیشگی مطالعہ کے عادی تھے، اور تاحین حیات اس پر کاربند رہے آپ کا طویل درسی تجربہ اس کے لئے مانع نہ بن سکا،

چنانچہ پیشگی مطالعہ کا بہت اہتمام فرماتے تھے حتیٰ کہ اپنے زمانے طالب علمی کی کاپیاں تک آپ کے پاس محفوظ تھیں، ان کا بھی مطالعہ فرماتے اور دیگر شروحات بھی دیکھتے دوران مطالعہ کسی قسم کی غیر درسی مصروفیت کو پسند نہیں فرماتے تھے اور اسقدر انہماک کے ساتھ مطالعہ فرماتے تھے کہ گویا آپ کو کسی ممتحن کے سامنے حاضر ہوکر امتحان دینا ہو، آپ کا درس نہایت جامع ہوتا تھا، پہلے طالب علم عبارت پڑھتا تھا دوران عبارت خوانی جب حضرت کے رعب وجلال کی وجہ سے لڑکھڑاتا تو حضرت اسے 'ہوں' 'ہوں' کہہ کر حوصلہ دیتے، گویا آپ کسی گرتے کو سہارا دے رہے ہوں، اگر رک جاتا تو لقمہ بھی دیتے مگر جب اندازہ ہوتا کہ موصوف عبارت دیکھ کر نہیں آئے ہیں تو گرجدار آواز میں فرماتے مولوی صاحب! جب پڑھنا ہو تو ایک مرتبہ عبارت دیکھ کے آجاتے؟ کبھی آپ نے ناراضگی میں کسی کو نہ کوئی فحش گالی دی، نہ کوئی ناروا جملہ کہا، انتہائی ناراضگی میں آپ کی زبان سے نکلنے والا سب سے بڑا جملہ بدوّ ہوتا تھا۔

سبق کی تشریح کرتے ہوئے تمام طلبہ کی طرف متوجہ ہوتے اور ہر درجے میں جو ذی استعداد طلباء ہوتے ان کی طرف خصوصی توجہ مبذول فرماتے، آپ کے ہاں با صلاحیت طلبہ کی بڑی قدر تھی۔ سبق کی نہایت جامع تشریح فرماتے تھے، کوئی مسئلہ یا جملہ تشنہ نہ چھوڑتے تھے، طالبعلم کی عبارت خوانی کے بعد تشریح فرماتے پھر خود عبارت پڑھتے اور لفظی اور مرادی ترجمہ کرتے، لغات حل کرتے، سبق کی تشریح

میں اس عبارت سے متعلق تمام چیزیں ہوتی تھی، عبارت سے متعلق کوئی قصہ یا کوئی شعر چاہے وہ اردو کا ہو یا فارسی یا پھر عربی کا سب کا احاطہ کرنے کے ساتھ ائمہ کرام کے اختلاف کو پورے احترام کے ساتھ ذکر کرتے ہوئے مدمقابل کی رائے کو ہلکا سا طنز کے ذریعے زیر کرتے ہوئے آگے بڑھ جاتے تھے، جب کوئی مشکل اور پیچیدہ مسئلہ ہوتا تھا، تو سیر حاصل گفتگو فرماتے۔

سبق کے اختتام پر پانچ منٹ کا وقفہ دیا کرتے تھے، جس میں طلباء کو سبق سے متعلق سوال کرنے کی اجازت تھی، درمیان سبق کوئی شعر اردو یا فارسی کا آتا تھا تو ترنم کے ساتھ نرالے انداز میں جھوم کر پڑھتے تھے، ایک مرتبہ بخاری شریف کے سبق میں ''ضب'' کا تذکرہ آگیا تو آپ نے اس کی پوری تشریح فرمائی کہ اردو میں گوہ، فارسی میں سوسمار، اور تامل زبان میں ''اُڑمبُو'' کہتے ہیں، پھر فارسی میں اس کے متعلق مشہور شاعر فردوسی کا شعر (جو اس کے شہرہ آفاق کتاب شاہنامہ میں موجود ہے) سنایا ؎

زشیر شتر خوردن و سوسمار عرب را بجائے رسیدست کار

الغرض دوران درس بر موقع و برمحل اشعار اور عبرت انگیز قصے سنا کر بوریت دور فرماتے تھے، جب جمعرات کا دن آتا تھا تو آپ میں عجیب وغریب قسم کے سرور و انبساط کی کیفیت محسوس کی جاتی تھی اور فرمایا کرتے تھے کہ مولوی صاحب! جوانی ختم ہوگئی، بڑھاپا آگیا، ہرطرح کی لذتیں ختم ہوگئی مگر جمعرات کا

مزا ابھی ختم نہیں ہوا کہ جمعرات کے دن کا احساس سبق پڑھانے نہیں دیتا، اور اس پر حافظ شیرازی کا شعر

الا یا ایہا الساقی ادر کاسا و ناولہا
کہ عشق آساں نمود اول ولے افتاد مشکلہا

کو ترمیم کے ساتھ ساتھ یوں پڑھتے تھے۔

الا یا ایہا الساقی چوں پنجشنبہ بما آید
سبق آسان نمود اول ولے افتاد مشکلہا

دوران درس جب کوئی پیچیدہ عبارت یا مشکل مسئلہ در پیش ہوتا، تو بہت اہمیت کے ساتھ اسے سمجھاتے تھے اور کبھی کبھار کہہ بھی دیتے تھے کہ خوب سمجھ لیں مشکل مسئلہ ہے، سمجھ میں نہ آئے تو پوچھ لینا، پھر فرماتے ہوسکتا ہے، امتحان میں بھی آجائے آپ سبق بڑی محنت اور تحقیق کے ساتھ پڑھاتے تھے مگر امتحان آپ کے ہاں نہایت آسان ہوتا تھا۔ عموماً آپ کے پرچہ میں ایک سوال ایسا ضرور ہوتا تھا، جسے ہر کوئی لکھ سکتا تھا گویا یہ کوشش ہوتی تھی کہ غبی اور کند ذہن طالبعلم بھی کامیاب ہونے سے نہ رہ جائے اور امتحان کے قریب اعلان فرما دیتے تھے کہ مولوی صاحب! جو طالبعلم میری کتاب میں ۸۰ سے زائد نمبر حاصل کرے گا، اسے خصوصی انعام سے نوازا جائے گا اور جب نتائج نکلتے تو بڑے اہتمام کے ساتھ خود اس وعدے کو یاد دلاتے اور ضمنی انعامی جلسہ قائم فرماتے اور زائد نمبرات حاصل کرنے والے طلباء کو

حسب وعدہ انعام سے نوازتے اور جن طلبہ کے نمبرات کم ہوتے ان پر ہلکی سی ناراضگی کا اظہار بھی فرماتے مگر اس دن کے بعد پھر کبھی اس کا تذکرہ نہ کرتے۔

باکمال منتظم

اللہ رب العزت نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو نا گوں اوصاف سے نوازا تھا آپ کمال درجہ کے مدرس ہونے کے ساتھ انتظامی امور کی انجام دہی میں ید طولیٰ رکھتے تھے، آپ جس ادارہ یا شعبہ کے نگرانِ اعلیٰ یا سرپرست رہے، اس کی ہر چیز پر آپ کی بڑی گہری نظر ہوتی تھی مدرسہ کاشف الہدیٰ کے آپ سرپرست اور صدر المدرسین تھے، تو آپ اس کے تمام شعبہ جات کی نگرانی فرماتے تھے تعلیم، تربیت، نشر واشاعت، صفائی اور چمن بندی، مالیات اور مطبخ غرض ہر چیز پر بڑی باریک اور کڑی نظر تھی۔

شعبہ تعلیمات میں معیار تعلیم، افہام وتفہیم، عربیت اور اوقات درس کی پابندی وغیرہ چیزوں پر گہری نظر تھی۔ پیشگی مطالعہ کے خود بھی عادی تھے اور بندہ نے اپنے اساتذہ سے سنا کہ اساتذہ کرام کو بھی اس کی سخت تاکید فرماتے تھے، مجوزہ نصاب کی تکمیل میں کمیت وکیفیت دونوں کا لحاظ ضروری سمجھتے تھے۔ راقم کو حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے فقہ کی مشہور کتاب مختصر القدوری پڑھنے کا شرف حاصل ہے دورانِ درس جب اجرت کی بحث آئی تو آپ نے اجرت کی دونوں قسمیں بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ ''مدارس اسلامیہ کے اساتذہ اجیر وقت بھی ہیں اور اجیر عمل بھی''۔

حضرتؒ طلباء کرام میں عربی زبان سے مناسبت پیدا کرنے کے بہت

کوشاں رہتے تھے اور اس کی ہر ممکن کوشش فرماتے امتحانات میں جوابات عربی میں لکھنے پر زیادہ نمبرات سے نوازنے کا وعدہ فرماتے تھے۔ جماعت ہفتم کے لیے توعربی میں لکھنا لازم کر دیا تھا ایک مرتبہ اس کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا کہ مولوی صاحب! حضرت علی میاں ندوی رحمۃ اللہ علیہ کو عالم عرب میں جس چیز نے مقبولیت عطاء کی تھی وہ ان کی عربی دانی تھی اور اس پر حضرت علی میاں کا قصہ سنایا کہ ایک مرتبہ ملک عرب میں کوئی خاص پروگرام طے پایا حضرت علی میاں اس پروگرام کے مدعوِ خصوصی تھے، مگر طبیعت کی ناسازگی کی وجہ سے معذرت کر دی تو اس وقت کے بڑوں نے حضرت کی شرکت کو باعث فخر سمجھتے ہوئے خصوصی طیارے کا انتظام کیا پھر آپ نے اس پروگرام میں شرکت فرمائی۔۔۔ یہ کہہ کر حضرتؒ فرماتے تھے ''دیکھا مولوی صاحب! عربی میں مہارت کی وجہ سے اللہ نے کتنا اعزاز بخشا'۔

عمومی تعطیلات کے بعد پہلے دن کی حاضری کو ضروری قرار دیتے تھے طلباء، اساتذہ اور دیگر خدام بھی اس قانون میں یکساں سمجھے جاتے تھے اور خود بھی اس کا بڑا اہتمام فرماتے تھے، اس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوتا تھا کہ عمومی تعطیلات کے بعد پہلے ہی دن سے اسباق شروع ہو جایا کرتے تھے، علاوہ ازیں اساتذہ اور خدام سب کے لئے بلا وجہ چھٹی لینا آسان نہیں تھا اور جب تک کی رخصت دی گئی ہے۔ اس کے مطابق بروقت حاضری ضروری ہوتی تاخیر ہونے پر ذمہ دار استاد کے ہاں بھیج دیتے تھے۔

آپ جہاں اپنے ماتحتوں کو ان سے متعلقہ امور کی انجام دہی پر پابند

کرتے تھے وہیں ان کی ضروریات کا بھی خوب خیال رکھتے تھے طلباء کی صحت ،خوراک اور ہر طرح کی راحت رسانی کا خیال رکھتے تھے۔ مسجد میں اگر طلباء کو کھانستے ہوئے دیکھتے تو فوراً متعلقہ استاد کو بلا کر دوائی کا انتظام فرماتے، پھر ان استاد کی جانب سے کھانسنے والے طلبہ کی خانہ تلاشی ہوتی اور پولیو کے ٹیکے کی طرح ڈھونڈ ڈھونڈ کر کھانسی کی ٹانک پلائی جاتی۔

ایک مرتبہ طباخ نے آپ کے توشے میں ضرورت سے کم مقدار سالن بھیجدیا تھا، جو بالکل ناکافی تھا تو حضرت نے طباخ کو بلا بھیجا اور ڈانٹ پلائی، اگلے دن پھر ان صاحب کو بلایا اور متعلقہ امور کی فہمائش کی، پھر دلی کدورت دور کرنے کے لیے انہیں کچھ تحفہ بھی عنایت فرمایا۔ متعلقہ استاد سے فرمایا کہ مولوی صاحب مجھے ان سے اس لیے ناراضگی ہوگئی جب یہ ہمارے کھانے میں گڑبڑ کر سکتے ہیں، تو طلباء کے کھانے کے سلسلے میں کتنی خیانت کرتے ہوں گے؟ اسی طرح خدام مدرسہ اور اساتذہ کے ساتھ بھی آپ کا یہی رویہ تھا اساتذہ کرام کے معاملے میں آپ بہت حساس تھے ان کے قیام وطعام اور دیگر ضروریات حتیٰ کہ چائے وائے کے بارے میں پوچھ تاچھ کرتے تھے اگر کسی استاذ کے ساتھ کوئی گستاخی ہو جاتی تو اس پر اس طرح کارروائی کرتے جیسے یہ معاملہ خود آپ کے ساتھ پیش آگیا ہو۔

بے مثال تربیت

آپ رحمۃ اللہ علیہ کی تربیت کا انداز بہت نرالا تھا آپ کا سب سے بڑا ہتھیار آپ کی نگاہ تھی، جب نماز سے فارغ ہو کر آپ مسجد سے باہر نکلتے اور پیچھے

طلبہ کا شور سنائی دیتا تو فوراً گھوم کر ایک نظر طلبہ پر ڈالتے ، اسی وقت بالکل ایک دم خاموشی چھا جاتی ۔ امتحان گاہ میں آپ تشریف لاتے اور چکر لگاتے ہوئے کسی طالب علم کی تپائی کے پاس رک جاتے تو اس کی حالت خراب ہو جاتی ، حالانکہ کچھ کرتے نہ تھے، بلکہ آپ رک کر کے طالب علم کے سوال کے پرچے کو دیکھتے تھے،تو طالب علم پریشان ہو جاتا تھا۔

مدرسہ حاضری کے موقع پر وضع قطع کی طرف خصوصی توجہ دیتے وضع قطع میں کسی قسم کی بے قاعدگی محسوس کرتے تو فوراً باز پرس فرماتے ،کبھی آپ نے اپنے تلامذہ میں سے کسی کو لکڑی سے نہیں پیٹا، نہ سخت سست کہا، بلکہ ہمیشہ مولوی صاحب! جیسے باعزت لفظ ہی سے خطاب فرماتے تھے۔

ہمارے دور میں تو آپ بلاضرورت کمرے سے نہیں نکلتے تھے، بندہ نے ابتدائی دور کے بعد مدرسے کے قدیم طلباء سے سنی ہے کہ جب مدرسے کے عمارت بالکل چھوٹی تھی ،اور اکثر و بیشتر حضرت کی نگاہ طلبہ پر پڑتی رہتی تھی، اس زمانے میں مدرسہ میں کھیتی تھی، طلبہ کھیتی سے مونگ پھلی کے پودے نکالتے اور کمروں میں لے جا کر کھاتے ، بارہا طلباء کو اس طرح کی چھوٹی موٹی حرکتیں کرتے ہوئے آپ دیکھتے تھے،مگر ہمیشہ نظر انداز کر دیتے تھے اور اس طرح گزر جاتے تھے جیسے آپ نے ان کو دیکھا ہی نہیں۔

راقم کو مکمل دس سال مدرسہ کاشف الہدیٰ میں تعلیم حاصل کرنے کا موقع ملا، اس پورے عرصے میں کبھی کسی طالب علم کو سزا ہوتے ہوئے سزا دیتے ہوئے نہیں

دیکھا،صرف ایک مرتبہ فجر کی نماز میں تاخیر سے آنے والے طلباء کی آپ نگرانی فرما رہے تھے، کہ تاخیر سے آنے والا ایک طالبعلم مسجد میں داخل ہوا اور بغیر سنت ادا کئے بیٹھ گیا تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے کان پکڑ کر اٹھایا اور کہا ''سنت چھوڑ کر بیٹھ گئے'' بس یہی ایک واقعہ تھا، جو پورے دس سال کے عرصے میں اس عاجز کو دیکھنے کا اتفاق ہوا۔

ظرافت طبعی

حضرتؒ کی طبیعت میں سنجیدگی اور ظرافت دونوں اوصاف پائے جاتے تھے آپ انتہائی سنجیدہ بھی تھے اور نہایت خوش مزاج بھی ان دونوں اوصاف میں آپؒ کے ہاں غضب کا توازن تھا جس کی وجہ سے آپ کا وقار کبھی مجروح نہیں ہوا اور نہ آپ کے رعب و جلال میں کمی آئی، جن لوگوں کو آپؒ سے شرف تلمذ حاصل ہے یا جن سعادت مندوں کو خدمت کے ذریعہ آپ سے تقرب حاصل ہے وہ آپ کی خوش مزاجی اور ظرافت طبعی سے خوب واقف ہیں۔

دوران درس اور نجی مجالس میں اس کا خوب اظہار ہوتا تھا ؎

کہیں سرمایہ محفل تھی میری گرم گفتاری
کہیں سب کو پریشاں کر گئی میری کم آمیزی

دوران درس جب بھی کوئی موقع میسر ہوتا ضرور کوئی واقعہ سناتے اور کبھی وقت کی تنگی ہوتی تھی تو فرصت میں سنانے کا وعدہ فرماتے تھے اور پھر جب ہم طلباء یاددہانی کرتے تو ضرور بلاتکلف ارشاد فرماتے تھے۔ اور جب کوئی واقعہ بیان

فرماتے تو ایسی منظر کشی کرتے گویا وہ آپ کا چشم دید واقعہ ہو اور سننے والے کو ایسا محسوس ہوتا تھا کہ گویا مشاہدہ ہو رہا ہے۔

دوران درس کسی طالب علم کو اونگ آجاتی اور اس پر حضرتؒ کی نگاہ پڑ جاتی تو آگ بگولہ ہونے کے بجائے اکتاہٹ دور کرنے کے لئے کوئی لطیفہ سناتے تھے، ایک مرتبہ کسی طالب علم کو آپ نے اونگتا دیکھ لیا تو فرمایا کہ منشی اللہ دتّا صاحب رحمۃ اللہ علیہ جب کوئی تعلیم کے دوران سوتا تھا یہ فرمایا کرتے تھے۔ ''جو جاگت ہے سو پاوت ہے، جو سووت ہے وہ کھووت ہے،'' پھر ارشاد فرماتے نیند ختم ہوگئی؟ ہاں جاگ جاؤ! ورنہ سر بلند کردئے جاؤ گے۔ جانتے ہو سر بلند کرنا کیا ہے؟ مراد کھڑا کردینا ہوتا تھا۔

سبق کے دوران کبھی کبھار پوچھتے تھے کہ سمجھ میں آیا کہ نہیں؟ جب طلباء کہتے کہ ہاں سمجھ گئے تو فرماتے ٹھیک ہے سمجھ گئے تو اچھا ہے اور اگر کوئی نہیں سمجھا تو بہت اچھا۔۔۔! مطلب یہ ہوتا تھا کہ اگر سمجھ میں آگیا تو مقصد حاصل ہوگیا اسلئے اچھا، اگر سمجھ میں نہیں آیا تو بہت اچھا اس معنیٰ کر کہ اب اسے دیکھنے اور یاد کرنے کی زحمت بھی گوارا نہ کرنی ہوگی۔

اولئک ابائی فجئنی بمثلھم   اذا جمعتنا یا جریر المجامع

عصر حاضر کی جامع کمالات شخصیت

مولانا محمد عمران صاحب کاشفی، کولاری

ابتدائے دنیا سے آج تک بے شمار انسان اس سرزمین پر پیدا ہوئے اور اپنی مقررہ مدت اس دنیا میں گزار کر سفر آخرت کی طرف کوچ کر گئے، یہی ضابطہ خداوندی بھی ہے کہ رب کائنات نے دنیوی زندگی کو انسانوں کے لئے ابدی اور دائمی حیات نہیں بنائی بلکہ نسل انسانی کے حق میں دنیوی زندگی کو ایک وقتی اور عارضی زندگی اس لیے عطا فرمائی تاکہ اس مختصر سی زندگی میں اس کی آزمائش اور امتحان ہو، جیسا کہ فرمان خداوندی ہے **الذی خلق الموت والحیوۃ لیبلوکم ایکم احسن عملا** چنانچہ بعض لوگ اللہ تعالی کے اس فرمان کو نظر انداز کر کے دنیاوی رنگ رنگیلیوں میں پڑ کر اپنی آخرت کا بڑا نقصان کر بیٹھتے ہیں اور بعض بندگان خدا کی نظر وفکر میں ہمیشہ اللہ تعالی کا یہ فرمان گردش کرتا رہتا ہے، جس کے نتیجے میں ایک طرف ان کی نجی زندگی اللہ تعالی کے احکامات سے معمور ہوتی ہے، تو دوسری طرف ان کی ساری زندگی کی انسانیت کو جہالت ومعصیت سے نکال کر سنت وشریعت پر لانے کے لیے کوشاں نظر آتی ہے اور اس مقصد کی تکمیل کے لیے وہ اپنی زندگی قربانیوں اور مجاہدوں میں جھونک کرامت میں ایسے رجال کار اور عملہ کو تشکیل دیتے

ہیں جن کے دنیا سے چلے جانے کے بعد بھی ان کی مبارک فکریں اور محبت زندہ و تابندہ رہتی ہیں، انہیں پاک طینت اور عبقری الدہر شخصیتوں میں سے میرے شیخ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمہ اللہ بھی ہیں، جنکی حیات طیبہ کے انمٹ نقوش تا قیامت اس سرزمین پر باقی رہیں گے، چونکہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے جہاں مدارس ومساجد اور ملی سماجی تنظیموں کے سرپرست ورہبر رہ کر جو خدمات جلیلہ انجام دی ہیں، ان کو ہم پوری ملت اسلامیہ اور خصوصا جنوبی ہند کے لوگ کبھی فراموش نہیں کرسکتے، تو دوسری طرف حضرت تمام دینی جماعتوں اور تحریکوں کے محرک اور حامی ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے متعلقین اور تلامذہ کو تمام جماعتوں سے منسلک ہو کر اپنی بے لوث خدمات انجام دینے کی ترغیب دیا کرتے تھے۔

اکابرین دیوبند کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میں نے چار اکابر کا زمانہ پایا ہے، مولانا حسین احمد مدنی ؒ مولانا زکریا ؒ شاہ عبدالقادر رائپوری ؒ، حضرت جی مولانا یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا جذبۂ جہاد اور ملک کو آزاد کرانے اور اس کے بعد ملت کی شیرازہ بندی میں ان کی خدمات کو اس طور پر بیان فرماتے کہ سامعین ملک وملت کی حفاظت اور تعمیر نو کیلئے کمربستہ ہوجاتے، حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کے توحید وتبلیغ دین سے معمور بیانات کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے کہ ایسا محسوس ہوتا تھا گویا کہ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کی مجلس میں ہم بیٹھے ہوئے ہیں۔

ایک دفعہ دوران درس فرمایا کہ تمل ناڈو میں جو سب سے پہلی نظام الدین کی جماعت آئی تھی، ان کے ساتھ میں نے دس دن لگائے ہیں، جبکہ میں اسکول میں زیر تعلیم تھا، تبلیغی جماعت کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں، اللہ نے قرن اول کا ہیرا ہندستان کے علماء کو عطا فرمایا ہے، اگر علماء ہند اس کی قدر کریں گے، تو اللہ ان کی قربانیوں کے ذریعے پورے عالم میں ہدایت کی فضائیں عام فرمائیں گے، ورنہ دوسرے ممالک سے جس طرح یہ محنت منتقل ہوتے ہوتے یہاں تک آئی ہے، اسی طرح اللہ الصمد اس کو چھین کر دوسروں کی طرف منتقل فرمادیں گے۔

خطوط

حضرتؒ نے اپنے شیخ ومرشد حضرت شیخ الحدیث زکریاؒ کے نام کئے خطوط لکھے ہیں یہاں بطورِ نمونہ کے چند خطوط اوراس کے جوابات نقل کئے جاتے ہیں، واضح ہوکہ حضرت شیخ ؒ کے جوابات جلی حروف میں لکھے گئے ہیں.

از مدرسہ باقیات الصالحات، ویلور ۲ دسمبر ۵۳ء

حضرت مرشدی ومولائی! مدظلکم العالی!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بحمد اللہ احقر محمد یعقوب بخیر وعافیت ہے، چار ماہ پیشتر ایک خط لکھا تھا، جس کے جواب میں ارشاد عالی کے مطابق احقر حتی الوسع معمولات پر عمل کرتا آرہا ہے امتحانات اور کچھ دن بخار میں مبتلا رہنے کی وجہ سے حالات لکھنے میں بہت تاخیر ہوئی، جن معمولات پر عمل ہورہا ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ روزانہ بعد نماز فجر ایک پارہ تلاوت کرتا ہوں، اسی وقت سورہ یٰسین بھی پڑھ کر ایصال ثواب کرتا ہوں ان سے فارغ ہوکر مناجات مقبول کی ایک منزل روزانہ پڑھتا ہوں، اسباق کے مطالعہ اور تکرار کے بعد سونے سے قبل تہجد کی نماز پڑھتا ہوں، جمعہ کے روز سورہ کہف پڑھتا ہوں اور جمعہ کے دن اکثر صلاۃ الضحٰی اور صلوۃ الاوابین پڑھتا ہوں، حکایات صحابہ زیر مطالعہ ہے تسبیحات تو پوری طرح پڑھنے کے لئے وقت نہیں ملتا، گاہے گاہے جو فرصت ہوتی ہے اور تفریح میں جانے کا اتفاق ہوتا ہے تو پڑھ لیتا ہوں، فی الحال اسی پر عمل ہورہا ہے معمولات کا پرچہ اگلا خط اور جوابی لفافہ اس خط میں رکھے ہوئے ہیں اس پر عمل کروں گا انشاء اللہ

جواب از : حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ عنایت نامہ پہنچا، احوال سے بے حد مسرت ہوئی،

اس پر تعجب ہے کہ آپ نے اپنے لفافے پر ارمزید ٹکٹ لگایا جوابی لفافے میں اس کی ضرورت کیوں نہ سمجھی، یہ معمولات مناسب ہیں، اور طالب علم کے لئے کافی ہیں البتہ اس کا ارادہ ضرور رکھا جائے کہ فراغت کے اوقات میں بقیہ پر بھی عمل کرنا ہے معمولات کا پرچہ میں نے طبع کرالیا ہے۔ جوابی خط کے ہمراہ ارسال ہے وہ مفصل ہے پہلے وقتی طور پر لکھا کرتا تھا وہ مختصر ہوتا تھا۔

چار دن پیشتر حضرت مولانا محمد طیب صاحب مدظلہ مہتمم دارالعلوم دیوبند وطن میل وشارم تشریف لائے تھے اور کوئی ڈھائی دن تک قیام رہا احقر بھی ان ایام میں وطن گیا تھا، اور مولانا موصوف کے قیام تک ان کی خدمت میں رہا، ''بہت اچھا کیا''، قلبی کیفیات میں کچھ تغیر بھی محسوس کیا یہاں اس قسم کی کوئی صحبت نہیں نظر آتی جس سے کچھ فیض حاصل ہو ایسی صحبتوں کے لیے دل بیتاب رہتا ہے احقر کے لئے اس بارے میں کوئی تجویز ارشاد فرمائیں، یہی ہوسکتا ہے کہ جب تعطیل وغیرہ کے ایام ہوں تو انھیں ان کو ایسے ماحول میں گزارا جائے بالخصوص نظام الدین کا قیام زیادہ ضروری اور زیادہ مفید ہے، تعلیمی سلسلے میں یہ عرض خدمت ہے کہ احقر جو کچھ پڑھتا اور سنتا ہے بفضل خدا اسے ایک حد تک اخذ کر لیتا ہے مگر کچھ ہی دنوں میں اکثر چیزیں ذہن سے نکل جاتی ہیں قوت حافظہ کے لئے دعا فرمائیں اور کوئی تکبیر ارشاد فرمائیں، دل سے دعا کرتا ہوں اللہ جل شانہ اپنے فضل وکرم سے ترقی عطا فرمائے فضائل قرآن کی چہل حدیث کے خاتمے پر ایک نہایت مجرب عمل حضرت

علی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا گیا ہے اس زمانے میں بھی متعدد احباب نے اپنے تجربے سے زیادہ نافع بتایا ہے۔ کیمیائے سعادت حتی الامکان عمل کے ساتھ پڑھنے کا ارادہ ہو رہا ہے، امید ہے کہ اجازت مرحمت فرمائیں گے، سنا تھا کہ محمد اسماعیل صاحب مدراسی حضرت رائے پوری مدظلہ کے ساتھ لکھنؤ گئے ہوئے ہیں، بیمار ہونے کی وجہ سے اب تک زیر علاج ہوں صحت کے لئے فرمائیں اللہ جل شانہ اپنے فضل وکرم سے صحت عاجالہ، کاملہ مستمرہ دائمہ اعطا فرمائے، تعلیم کے ساتھ عمل اور خدمت کے دین کے لیے توفیق کی دعاؤں کا محتاج ہوں۔ دعا گو ہوں اس کے لئے نظام الدین کا سفر کبھی کبھی کرتے رہنا ضروری ہے انشاء اللہ بہت مفید ہوگا امید یہ کہ حضرت والا بھی بخیر وعافیت ہونگے۔

فقط والسلام

خادم ازلی محمد یعقوب عفی عنہ

از مدرسہ باقیات صالحات ویلور ۲۱/جون/۵۴ء

جواب از حضرت شیخ الحدیث (وعلیکم السلام بندہ کو بلا مجبوری انگریزی تاریخ پسند نہیں)

حضرت مرشدی ومولائی دام ظلکم العالی!

السلام علیکم رحمۃ اللہ وبرکاتہ

الحمد للہ احقر خیر وعافیت سے ہے بہت نادم ہوں کہ بہت دنوں بعد خط لکھ

رہا ہوں، **کچھ مضائقہ نہیں بندہ تو خود بھی بہت مشغول رہتا ہے۔ جواب میں بھی تاخیر ہو جاتی ہے جس کا قلق رہتا ہے**، شعبان میں سالانہ امتحان کے ختم ہونے پر مصمم ارادہ تھا کہ رمضان المبارک سے پیشتر خط لکھو اور حضرت والا سے رمضان کے معمولات دریافت کرلوں۔ **ماہ رمضان کے مستقل معمولات، تلاوت کی کثرت جتنی ہوسکے اور اس سے جو وقت بچے وہ کلمہ طیبہ، سوم کلمہ، استغفار، درود شریف میں خرچ کیا جائے اس کی ہمیشہ کوشش ہونی چاہیے کہ اس مبارک مہینہ کا کوئی منٹ ضائع نہ ہو،** مگر بدقسمتی یا کاہلی سے یہ بھی نہ ہوسکا، سالانہ امتحان کی تیاریوں میں اور امتحان کے بعد رمضان تک معمولات پر بہت کم عمل ہو رہا تھا، اصل میں اسی وجہ سے خط نہ لکھ سکا کہ ایسی حالت میں کیسے خط لکھوں؟ اور کیا لکھوں؟ **امتحان کی مجبوری تو قابل لحاظ تھی لیکن اس سے فراغت پر معمولات کا اہتمام ہونا چاہیے تھا،** رمضان المبارک میں بفضلِ خدا اکثر معمولات پر حتی الامکان پابندی سے عمل کرتا رہا، **(اللہ کا شکر ہے)** پانچ قرآن شریف ختم کر کے سلسلے کے جملہ مشائخ کو ہر ختم پر ایصال ثواب کرتا رہا، **(بہت اچھا کیا)** تسبیحات تہجد اور اوابین کی بھی حتی الوسع پابندی کی، اشراق اور چاشت کی نمازیں اکثر چھوٹ جایا کرتی تھیں، مناجات مقبول کی ایک ایک منزل بھی روزانہ پڑھتا تھا ۲۸ ویں رات سے ختم رمضان تک اعتکاف کیا تھا اور سورۂ یٰسین اور سورۂ کہف کا بھی اہتمام رکھتا تھا۔ **(اللہ مبارک کرے اور عشرہ اخیرہ کا اعتکاف ہوتا تو بہت اچھا تھا)**

حضرت دل کی حالت کیا لکھوں؟ کہ کچھ عجیب سی ہوگئی ہے قلب ایک حالت پر نہیں رہتا ہے، بدلتا رہتا ہے ہائی اسکول کی زندگی میں اور پھر مدرسہ کی دیڑھ سالہ زندگی میں قلب کے کئی دور دیکھے، **(قلب کا معنی ہی لغت میں بدلنے کے ہیں)** بعض وقت تو حالت اس قدر اچھی رہتی ہے کہ تعلیم میں خوب جی لگتا ہے تحقیق کا بڑا شوق لگ جاتا ہے، حصول علم میں اسلاف کی جدوجہد پر غور کرتا ہوں، تو ایک ولولہ سا پیدا ہو جاتا ہے، کہ ہمیں بھی انھیں کے نقش قدم پر چلنا چاہیے، کچھ ہی دنوں میں تغیر ہو جاتا ہے۔ **(اس تغیر کا فکر نہ کریں ایسا ہوا ہی کرتا ہے ایک حالت ہمیشہ کسی کی نہیں رہتی)**

اب نہ وہ ذوق ہے اور نہ وہ شوق ہے خاص کر ماہ میں ایک مرتبہ جو وطن میل شارم جا کر آتا ہوں تو اس تبدیلی کا خاص احساس ہوتا ہے۔ اگرچہ کچھ ہی دنوں میں حالت انبساط کی بعض حالتیں عود کر آتی ہیں۔ مگر بار بار کی اس تبدیلی اور تغیر سے بعض وقت جی اس قدر گھبرا اٹھتا ہے کہ زندگی میں ایک قسم کی بے لطفی محسوس ہوتی ہے، سالانہ امتحان کے وقت تو حالت ناگفتہ بہ ہوگئی تھی۔ عین امتحان کی راتوں میں کتاب اٹھاتا تو پڑھا نہیں جاتا تھا۔ خلاف معمول اور خلاف عادت نیند کا غلبہ ہوتا اور بڑی حسرت و یاس کے ساتھ سوجاتا تھا۔ **(یہ اکثر طلبہ کو پیش آیا کرتا ہے کوئی قابل فکر بات نہیں بلکہ بعض مدرسین تو امتحان کی شب میں جلد سو جانے کی تاکید کرتے ہیں)**

ابتداء سے احقر تعلیمی سلسلے میں ایک غلط روش پر کاربند تھا، یعنی تعلیمی جدوجہد میں میرا مطمح نظر صرف امتحان اور امتحان کی کامیابی تھا، مگر بعض حضرات سے سن کر سال گذشتہ کے اواخر سے میں نے یہ اپنا اصول ٹھہرالیا تھا کہ تعلیمی جدوجہد میں ہمارا مقصود صرف حصول علم دین اور رضائے حق ہو، احقر کے خیال میں اسی نظریہ کی تبدیلی کی بنا پر زمانے امتحان میں یہ حالت پیش آئی تھی، اب حضور جو ارشاد فرمائیں تو انشاء اللہ اسی سے تسکین ہوجائے گی۔ **(ان دونوں میں منافات نہیں اصل مقصود اور دائمی چیز۔۔۔۔۔۔امتحان کی کامیابی کی جدوجہد وقتی چیز ہے جو ضرور ہونا چاہیے)**

نماز کا بھی کچھ ایسا ہی حال ہے برسوں سے یہ حالت ہے کہ باوجود کوشش اور عزم کے نماز میں یکسوئی حاصل نہیں ہوتی، کوئی نہ کوئی مضمون دماغ میں آتا رہتا ہے **(بلا ارادہ آجائے تو مضائقہ نہیں بالقصد آنا نہ چاہیے)**

کبھی علمی مضمون، کبھی بول چال کا مضمون، کہیں نہ کہیں کے تصور میں دماغ سرگردان رہتا ہے، کوشش کرتا ہوں تو ایک دو نماز اچھی ادا ہوجاتی ہیں، باقی کا تو پھر وہی حال رہتا ہے، نظام الدین کے دورے کے آخر زمانے میں اور دورے کے بعد کچھ دنوں تک تو نمازیں سکون کے ساتھ ادا ہوتی رہیں، پھر وہی حال شروع ہوگیا۔ **(نظام الدین کے سفر کا بہت اہتمام چاہیے، بہت مفید ہے)** اب امتحان کے دو تین ماہ پیشتر سے نمازوں میں خوب خوب سکون حاصل رہا، چھٹی پر وطن جانے کے بعد تو اس میں بھی بہت کچھ کمی آگئی ہے بعض اوقات بہت خوف ہوتا ہے کہ آخر ان

نمازوں کا کیا حشر ہوگا اب حضور ہی کچھ تجویز ارشاد فرمائیں۔ **(اپنی سی کوشش کرتے رہیں)** رمضان میں ہر وقت قلبی سکون حاصل رہا طبیعت اس قدر تنہا پسند ہو گئی تھی کہ خاص خاص احباب سے ملنے سے جی بہت گھبراتا تھا دوستوں کو دیکھ کر کترا کر نکل جاتا تھا **(یہ مبارک حالت ہے ماہ مبارک میں ایسا ہی ہونا چاہیے تھا)** عید کے بعد احباب سے زیادہ اختلاط کی وجہ سے وہ سکون اور دلجمعی بالکل ٹوٹ گئی ہے، نہ مطالعہ کو جی چاہتا ہے نہ معمولات پورا کرنے کو، بہت دنوں سے تہجد بھی چھوٹا ہوا ہے حالانکہ روز پڑھنے کا ارادہ لے کر سوتا ہوں۔ **(بلا خواہش پورا کرنے کی سعی کی جائے گو دل نہ لگے)**

بفضل خدا اس سال امتحان میں کامیاب رہا، **(اللہ کا شکر ہے)** اب سال چہارم میں داخل ہورہا ہوں کل ہی مدرسہ پہنچا، تفسیر جلالین مشکوۃ شریف، مختصر المعانی، اور نخبۃ الفکر ہمارے نصاب کی اہم کتابیں ہیں۔ **(یہ دونوں کتابیں بلکہ چاروں ہی اہم ہیں، اللہ تعالی مدد فرمائے)** اپنے اندر تفسیر وحدیث کا خاص ذوق محسوس کرتا ہوں، **(اللہ کا شکر ہے)** مناسبت تامہ کے لئے دعا فرمائیں۔ **(دل سے دعا گو ہوں)** حفظ قرآن کا زمانے سے شوق تھا لیکن اس رمضان المبارک میں تو حفظ کا مصمم ارادہ ہوچکا ہے، اب حضرت والا کی اجازت کے بعد حفظ شروع کردینے کا ارادہ ہے **(بشرطیکہ تعلیم میں حرج نہ ہو ورنہ اسباق اس وقت اہم ہیں)** زیادت حفظ

کیلئے فضائل قرآن میں نقل شدہ جس نماز کو پڑھنے کا حضور نے ارشاد فرمایا تھا بعض سورت کے یاد نہ ہونے پر افسوس میں نے بہت دیر کر دی، اب سورہ یاد ہو گئے ہیں اسی ہفتہ سے شروع کر دوں گا نظام الدین یا کہیں دور کے سفر کے لیے فی الوقت والدین اجازت نہیں دے رہے ہیں اس لئے مجبور ہو، یوں تو ہر وقت وہیں کا خیال رہتا ہے (**بغیر اجازت سفر نہ کریں اجازت کی کوشش کرتے رہیں**)

آخر گزارش خدمت یہ ہے کہ رمضان سے احقر کو بواسیر خونی کی شکایت پیدا ہو گئی ہے، زیر علاج ہوں، حضرت والا کی دعاؤں اور توجہات کا سخت محتاج ہوں۔

فقط والسلام

خادم ازلی احقر محمد یعقوب عفی عنہ

(دعا کرتا ہوں اللہ تعالی اپنے فضل وکرم سے صحت کاملہ عاجلہ مستمرہ عطا فرمائے۔
زکریا ۶/۱۱/۷۳ھ)

جوابی خطوط از: حضرت شیخ الحدیثؒ

معمولات شروع کرنے کے بعد ان کا ترک مناسب نہیں

مکرم محترم مد فیوضکم ! بعد سلام مسنون، بندہ تبلیغی سلسلے میں اوّل نظام الدین، پھر وہاں سے میوات ''نوح'' کے جلسے میں چلا گیا تھا، ایک ہفتہ اس سفر میں لگ گیا، واپسی پر گرامی نامہ رکھا ہوا ملا، اس لیے جواب میں تاخیر ہوئی اس لفافے میں چونکہ کوئی دوسرا کاغذ نہیں رکھا جاتا اس لئے معمولات کا پرچہ ارسال نہیں کر سکا۔

تعلیم کے ساتھ اور اوراد و نوافل وغیرہ کا اہتمام مشکل ہوتا ہے، لیکن معمولات شروع کرنے کے بعد ان کا ترک مناسب نہیں، اس لئے لیے جن امور کو آپ شروع کر چکے ہیں، ان سب کو پورا کرنے کی اول تو حتی الوسع سعی کریں، اگر نہ ہو سکے تو پھر کسی ایک کو مستقل ترک کر دینے سے اچھا ہے کہ حسب ضرورت جس وقت جو نہ ہو سکے اس کو ترک کر دیں، کہ علمی مشغلہ بہرحال مقدم ہے۔

اگر اسباق کے حرج کی وجہ سے نوافل نہ ہو سکیں تو مضائقہ نہیں، لیکن جمعہ کو تو ہو سکیں گے، تہجد کا اس عذر سے کہ علمی مشاغل کی وجہ سے سونے میں دیر ہوتی ہے، سونے سے قبل پڑھ لینے میں مضائقہ نہیں ابھی اسماعیل صاحب کو بندے نے ایک دو ماہ کے لئے رائے پور بھیج رکھا ہے آج کل وہ وہیں مقیم ہیں۔

فقط والسلام زکریا، مظاہر علوم ۴/ذیقعدہ ۷۴ھ

(۲) اختلاج قلب کا علاج

عنایت فرمایم سلمہ! بعد سلام مسنون ،عنایت نامہ پہنچا، مجھے تقریباً ایک عشرے سے آنکھوں کی شکایت ہے، جس کی وجہ سے ڈاک کا پڑھنا اور لکھنا بھی دشوار ہے، اکثر دوسرے ہی سناتے ہیں اور لکھتے ہیں، سبق بھی بغیر دیکھے ہی اکثر پڑھانے کی نوبت آئی ،تمہاری بیماری اور دماغ کی خشکی سے قلق ہوا،حق تعالی شانہ صحت کاملہ عاجلہ مستمرہ عطا فرمائے ،ایسی حالت میں ذکر بالجہر اچھا کیا چھوڑ دیا،

دونوں اسٹرائیکوں میں تمہاری عدم شرکت سے مسرت ہوئی ،حق تعالی شانہ آئندہ بھی تمہیں شرور وفتن سے محفوظ رکھے،تمہارا یہ نظریہ لیڈروں کی نظر میں اگر کھٹکا ہے تو کچھ قابل التفات نہیں ،اس کی ذرہ برابر پرواہ نہ کرو، اختلاج قلب کی شکایت سے اور بھی زیادہ قلق ہے اس کے لئے خالی اوقات میں جہاں تک دماغ پر بار نہ ہو، درود شریف کی کثرت مفید ہے، یہ ناکارہ دعا کرتا ہے،حق تعالیٰ شانہ اس مرض سے بھی جلد از جلد شفا عطا فرمائے ۔

سوتے وقت آیت الکرسی (۳ مرتبہ) سورۂ فاتحہ ایک مرتبہ معوذتین بسم اللہ سمیت پڑھ کر بغیر بولے سونے کا اہتمام کریں ،انشاء اللہ مفید ہوگا۔تم نے آنے کی اجازت مانگی ،شوق سے جب چاہو آجاؤ، اجازت کی کیا ضرورت ہے، جب آؤ خط لیتے آنا اور مجھے دکھلا دینا تاکہ مجھے تفصیلی حالات کے استفسار میں سہولت رہے۔

فقط والسلام محمد زکریا بقلم محمد احسان ۱۷ / ربیع ۲ / ۸۰ ھ

(۳) درود شریف کی کثرت مفید ہے

عنایت فرمائم سلمہ! بعد سلام مسنون عنایت نامہ پہنچا، آپ نے لکھا ہے کہ مشاغل کے ہجوم کی وجہ سے خط لکھنے میں تاخیر ہوئی، کچھ مضائقہ نہیں، یہ ناکارہ تو خود اس کا شکار ہے، تم نے لکھا ہے کہ انقباض اکثر رہتا ہے، لیکن اس کی وجہ سے معمولات میں کوتاہی نہیں ہونی چاہیے، دل لگے یا نہ لگے انشاء اللہ مفید ہوگا درود شریف کی کثرت بلا لحاظِ مقدار انقباض کا بہترین علاج ہے۔

آپ کے مدرسے کی تعمیر کے لیے بھی یہ ناکارہ دل سے دعا کرتا ہے، اللہ جل شانہ نہایت سہولت کے ساتھ تکمیل کو پہنچائے۔

فقط والسلام حضرت شیخ الحدیث بقلم ۔۔۔۔۔۔ ۲۱ / ۲ / ۸۳ ھ

(۴) تعلیمی سلسلہ چھوٹنا علوم کو ضائع کرنا ہے

عنایت فرمایم سلمہ! بعد سلام مسنون، اس وقت عنایت نامہ پہنچا، ''الخیر فیما بقی'' خالی، مکان پر رہنے کی تو میری رائے نہیں ہے، البتہ اگر قرب وجوار میں کوئی تعلیمی سلسلہ مل جائے تو مضائقہ نہیں، اگر وہاں قریب میں کوئی جگہ نہ ہو تو والد صاحب سے درخواست کریں کہ تعلیمی سلسلہ چھوٹنا علوم کو ضائع کرنا ہے، جب تک کوئی قریب میں علمی سلسلہ نہ ملے اس وقت تک کے لئے دور کی اجازت فرمادیں، اور تلاش جاری رکھیں، جب کوئی قریب میں جگہ مل جائے تو وہاں منتقل ہو جائیں، والد صاحب کی خدمت میں بندہ کا بھی سلام مسنون۔

ہندوستان میں ہوائی جہاز سے ڈاک منگوانے میں کوئی فائدہ نہیں بیرون ممالک میں البتہ فائدہ ہوتا ہے۔

فقط والسلام حضرت شیخ الحدیث بقلم عبد الرحیم ۲۰/شوال ۸۴ھ

(۵) حضرت جی مولانا یوسف صاحبؒ کا حادثۂ وفات

عنایت فرمایم سلمہ! بعد سلام مسنون عنایت نامہ پہنچا، حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کے حادثۂ انتقال پر، جتنا بھی رنج وغم ہو، فطری چیز ہے، لیکن اس سے نہ تو جانے والے کو کوئی فائدہ ہوگا، نہ پسماندگان کو، تعلق کو محبت کی بات تو یہ ہے کہ جو اہم دینی کام مرحوم نے شروع کر رکھا ہے اس میں جتنی بھی مدد زیادہ ہوسکتی ہو، اس سے مرحوم کی روح کو بھی ثواب ہوگا، اور پسماندگان کے لئے بھی مسرت کا سبب ہوگا، اور ان کے اس میں اعانت بھی ہوگی، اس لئے کہ اس وقت ان لوگوں پر کام کا بہت بوجھ پڑھ گیا ہے۔

فقط والسلام حضرت شیخ الحدیث بقلم عبد الرحیم۔ ۱۰/۱۲/۸۴ھ

(۶) حضرت جی مولانا یوسف صاحبؒ کے نہ ہونے کا احساس

عنایت فرمایم سلمہ! بعد سلام مسنون، اسی وقت عنایت نامہ پہنچا، اس سے مسرت ہوئی کہ آپ ڈنڈیکل کے اجتماع میں شریک ہوئے بہت اچھا، تم نے مولانا یوسف صاحب کے نہ ہونے کا احساس لکھا، یہ تو ظاہر بات ہے وہ نور ایمانی جو اللہ نے مرحوم کو عطا فرمایا تھا موجودین میں مشکل ہے۔ اللہ تعالی کسی کو خوش

نصیب فرمادے تو اس کا کرم ہے، یہ صحیح ہے کہ مولانا عمر صاحب کی تقریر میں مولانا مرحوم کے ارشادات بہت کثرت سے آتے ہیں، اس ناکارہ نے بھی سنی ہے، آپ نے دوبارہ کام کے اجرا کا اہتمام کیا، بہت اچھا کیا، اللہ تعالی مبارک کرے۔ ضرور اہتمام فرماویں۔

فقط والسلام حضرت شیخ الحدیث بقلم عبد الرحیم ۹/۱/۸۵ھ

(۷) صحت یابی کے لئے ایک مفید عمل

عنایت فرمایم سلمہ! بعد سلام مسنون اسی وقت عنایت نامہ پہنچا، مژدۂ عافیت سے مسرت ہوئی، آپ کے یہاں کے ماہانہ اجتماع کی کیفیت سے مزید مسرت ہوئی، یہ ناکارہ دعا کرتا ہے، اللہ جل شانہ مبارک فرمائے ترقیات سے نوازے، والد صاحب کے آپریشن کی خبر سے فکر ہے یہ ناکارہ دعا کرتا ہے اللہ تعالی کامیاب فرمائے، صحت کاملہ عاجلہ مستمرہ عطا فرمائے۔ آپریشن کی جگہ پر صبح شام بسم اللہ سمیت الحمد شریف (7) مرتبہ اول وآخر درود شریف سات سات مرتبہ پڑھ کر ایسی طرح دم کیا جائے کہ لب کا کچھ حصہ اس پر گرے۔

فقط والسلام حضرت شیخ الحدیث بقلم غلام محمد۔ ۷/ج ۱/۸۱ھ

(۸) ایک مبارک خواب

عنایت فرمایم سلمہ! بعد سلام مسنون عنایت نامہ پہنچا، ہمارے یہاں روزہ جمعہ سے شروع ہوا تھا، اور بہت شہادتوں کے بعد شنبہ کو عید ہوئی، اس سے

مسرت ہوئی کے ماہ مبارک میں آپ دوستوں کی گفتگو، اور اخبار بینی وغیرہ سے احتراز کرتے رہے، اللہ تعالی مبارک فرمائے، اس سے بھی مسرت ہوئی کہ رمضان میں گریہ بھی رہا، اس سے بھی مسرت ہوئی کہ حفظ قرآن پر محنت کر رہے ہیں، امت کے منکرات پر غصہ تو نہیں کرنا چاہیے، اللہ تعالی اپنے کو محفوظ رکھے، لیکن دعا ضرور کرنا چاہیے، اللہ تعالی ہمیں بھی اور تمہیں بھی محفوظ رکھے، تمہارا خواب حضرت رائے پوریؒ کے متعلق بہت مبارک ہے۔ ان شاء اللہ حضرت رائے پوری کے برکات سے حصہ ملے گا، یہ ناکارہ آپ کے لیے دعا کرتا ہے، اللہ تعالی استقامت و ترقیات سے نوازے، مرضی و محبت نصیب فرمائے، نامرضیات سے حفاظت فرمائے۔

فقط والسلام حضرت شیخ الحدیث بقلم ۔۔۔۔

جواب از حضرت اقدس مولانا معراج الحق صاحب رحمت اللہ علیہ

دارالعلوم دیوبند ۲۳/رمضان المبارک ۸۰ھ

عزیز مکرم زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا گرامی نامہ لاہور ہوتا ہوا دیوبند پہنچا، اس وجہ سے جواب میں کافی تاخیر ہوئی، اور آپ خیال فرما رہے ہونگے کہ جواب نہیں دیا، آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ میں نے آپ کے ساتھ غیر معمولی شفقت کا برتاؤ کیا، اس سلسلے میں اولاً یہ عرض

ہے کہ یہ شفقت وغیرہ کے معاملات بزرگوں سے متعلق ہوتے ہیں میں ناکارہ اور بے مصرف انسان اس قابل کہاں کہ میرا کوئی معاملہ شفقت قرار دیا جاسکے ثانیاً اگر مان بھی لیا جائے کہ وہ معاملہ جس کا نام آپ کے ہاں شفقت ہے میری جانب سے آپ کے ساتھ رکھا گیا میں نے خود اختیاری طور پر آپ کے ساتھ برتا تو میرے خیال میں آپ نے صحیح نہیں سمجھا، اور نہ آپ کو سمجھنا چاہئے۔

میں درحقیقت ایسا طرز رکھنے پر اپنے آپ کو مجبور پاتا تھا اور پاتا ہوں، یعقوب ہو یا یوسف بن یعقوب جو بھی یعقوب کے اخلاق و اخلاص کے ساتھ آئے گا، انشااللہ اس کے ساتھ بھی یہی طرز اور معاملہ ہوگا، اللہ آپ کے علوم اور اعمال میں برکت عطا فرمائے۔

یہ بات میرے لیے واقعی ایک نیا انکشاف ہے کہ میری ذات میں کچھ ایسی امور مخفی ہیں جو دوسرا ہی محسوس کرسکتا ہے، خود مجھے بھی اس کی ہوا بھی نہ لگی ہو۔ کس قدر عجیب بات ہے کہ حضرت شیخ کے بعد نوبت مجھ تک آ گئی، اور وہ تمام اکابر یک قلم محو ہو گئے، جو بجا طور پر اس منصب کے مستحق ہیں، پھر اس تحریر کو قبول کسی ناگواری پر محمول نہ فرمائیں بلکہ اسی بے تکلف تعلق کی بنا پر یہ جملہ تحریر میں آ گئے جس پر آپ نے فخر کیا ہے۔ امید ہے کہ آئندہ پروگرام سے گاہ بہ گاہ اطلاع دیتے رہیں، تو مناسب ہوگا۔

دارلعلوم دیوبند

یکم رمضان المبارک ۱۳۸۸ھ

دارالعلوم دیوبند

عزیز مکرم مولانا محمد یعقوب زادہ اللہ بسطۃ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

آپ کے آنے کی خبر سے خوشی ہوئی، سبب آمد خواہ کچھ ہی ہو، حضرت شیخ کی خدمت میں حاضری خود ایک مقصد ہے آپ نے آنے کے سلسلے میں رکاوٹوں کا ذکر نہیں کیا کہ کس نوع سے پیش آئیں، اور یہ بھی نہیں لکھا کہ واپسی کب تک متوقع ہے۔

ایسے حضرات جو پرسکون رہنا چاہتے ہیں ان کو انتظامی معاملات اپنے ہاتھ میں نہیں رکھنا چاہئے، اور اگر آجائیں تو جو حالات پیش آئیں انہیں خدمت دین سمجھ کر انجام دینا چاہیے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خدمت دین کے ساتھ ساتھ کچھ ذاتی جذبات بھی شامل ہو جاتے ہیں جو کشمکش کا باعث ہوتے ہیں، یا پھر اخلاص کے ساتھ اصلاحی اقدامات کی ناکامی قلبی انقباض کا سبب بن جاتی ہیں۔

واللہ عندہ حقیقۃ الحال، اللہ والوں کے پاس ان شاء اللہ ذہنی سکون اور اطمینان قلب ضرور حاصل ہوگا، میں بھی دعا کرتا ہوں حضرت شیخ مدظلہ العالی کی خدمت میں میری جانب سے ہدیۂ سلام مسنون کے ساتھ دعا کی درخواست ہے، آپ بھی میرے حق میں دعا فرماتے رہیں حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب مدظلہ اور حضرت مولانا محمد صدیق صاحب زید مجدہم کی خدمات میں بھی اگر ہو سکے تو رمضان المبارک کی مبارک ساعت میں دعا کی درخواست پیش کردیں اور سلام مسنون عرض کردیں۔ فقط والسلام احقر معراج الحق غفرلہ

خط از: حضرت اقدس مولانا ابوالسعود احمد صاحبؒ

بنگلور ۲۱ر نومبر ۱۹۶۰ء

عزیزی مولوی محمد یعقوب صاحب۔ زیدت معالیکم وسلمہ اللہ تعالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

خیریت حاصل ومطلوب۔ عرصہ سے خط لکھنا چاہتا تھا، لیکن اب تک نہ لکھ سکا، حضرت جی مدظلہ العالی اور آپ کے رفقاء اجتماع ڈنڈیکل سے فارغ ہوکر احقر کی دعوت پر بنگلور تشریف لائے اور اپنی مبارک دعاؤں مدرسہ کا افتتاح فرمایا: چاونا عبد السلام صاحب وشارمی کی ٹیانری (Tannery) خریدی گئی (17500) سترہ ہزار پانچ سو روپئے میں اس کے بعد درسگاہ اور دارالاقامہ کی تعمیر کا کام شروع ہوا، اب تک بارہ ہزار روپئے اس پر خرچ ہوئے ہیں، دو درسگا ہیں، ایک نماز گاہ، اور طلبہ کے لئے آٹھ حجرے تعمیر ہوئے ہیں، ہر حجرے میں چار طلبہ ٹھہر سکتے ہیں اب تک سولہ 16 طلبہ داخل ہوئے ہیں تعلیم جاری ہے، تعلیم کا ذمہ اب تک احقر ہی ہے۔

تین طلبہ گلستان، دو طلبہ میزان الصرف، ایک طالب علم کافیہ القدوری، اور روضۃ الادب، باقی طلبہ چہل سبق، آمدسی لفظی، وغیرہ پڑھتے ہیں شعبان تک پچیس طلبہ کو داخل کرنے کا ارادہ ہے، شوال میں ان شاء اللہ پچاس طلبہ تک داخل کرنے کا ارادہ ہے، اللہ پاک اپنے فضل وکرم سے پورا فرمائیں، آپ کی آمد کا

انتظار ہے شوال سے آپ اور برادرم مولوی محمد اسماعیل صاحب ہی تعلیم کے ذمہ دار ہونگے گذشتہ ہفتہ نیر صاحب یہاں آئے تھے۔

فقط والسلام

محتاج دعا احقر ابوالسعود احمد

خط از: حضرت اقدس مولانا محمد شفیق خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ

۲ ر شعبان ر سیلم

مکرم ومحترم مدفیوضکم

بعدِ سلام مسنون عرض آنکہ آپ کو معلوم ہوگا سیلم میں ایک مدرسہ مظاہر العلوم کے نام سے کچھ خدمت کر رہا ہے اس میں آپ جیسے مخلصین حضرات کی ضرورت ہے، آپ آگر آجائیں تو امید ہے کہ جنوب میں ہمارے بزرگوں کی طرز کا کوئی مدرسہ قائم ہوجائے ورنہ اب تک میری نظر میں کوئی اس قسم کا مدرسہ نہیں بنا۔

تاہم دینی خدمت تو بہت کچھ ہورہی ہے، مگر مسلک کچھ نہیں، ابھی شیخ کی خدمت میں رہ کر آیا ہوں، وہاں پر جناب سے ملاقات نہ ہوسکی، آئیں یا نہ آئیں جواب ضرور تحریر کردیں تاکہ انتظار ختم ہوجائے۔ ماہ مبارک میں دعاؤں کا محتاج ہوں۔

فقط والسلام

خادم محمد شفیق دیوبندی

مقیم سیلم جامع مسجد:08.01.1965

عکس خطوط

عکس خط حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا علیہ الرحمہ

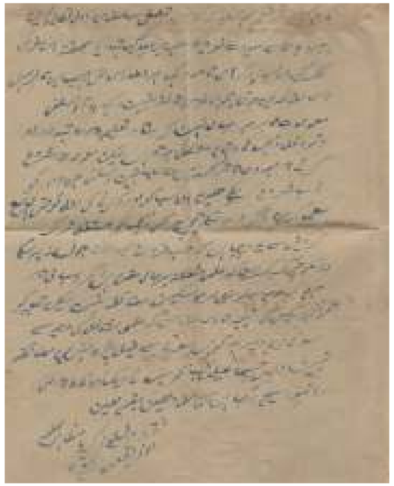

عکس خط حضرت مولانا معراج الحق علیہ الرحمہ

بیانات

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ

حضرتؒ نے اپنی زندگی میں بے شمار فکر انگیز بیانات فرمائے۔ ان میں سے تین بطورِ نمونہ کے یہاں نقل کئے جا رہے ہیں۔

جلسۂ دستار بندی میں فارغین علماء سے ایک اہم خطاب

مدرسۂ مفتاح العلوم، میل وشارم بعد نماز مغرب ۳۰/۱۰/۲۰۰۱ء

زیر صدارت: حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب بنارسی دامت برکاتہم

الحمد للہ و کفی و سلام علی عبادہ الذین اصطفی اما بعد!

اس وقت ہمارے سامنے طلباء عزیز کی جو جماعت بیٹھی ہوئی ہے وہ اپنا تعلیمی دور مکمل کر کے، فارغ ہو کر یہاں سے جا رہی ہے، اور دوسرے طلباء جو ابھی چند سال یہاں پر رہ کر ان شاء اللہ اپنی تعلیم کو ختم کریں گے۔ تمام عربی مدارس میں یہ موقع جو ہوتا ہے ایک عجیب متضاد کیفیات والا موقع ہوتا ہے، طلباء کے لئے یہ مسرت کا موقع ہے کہ انہوں نے اپنے تعلیمی سال کو مکمل کیا، کامیاب ہوئے، انعام حاصل کیا، اس اعتبار سے تو ایک مسرت کا موقع ہے، اس طرح فارغ ہو کر جانے والے طلباء انہوں نے یہاں پر آٹھ سال اپنے تعلیم کی تکمیل کی، کامیاب ہوئے، انعام پایا واقعی مسرت کا موقع ہے۔ اور یہ ہمارے عزیز طلباء مبارک بادی کے مستحق ہیں، لیکن اسی کے ساتھ ساتھ جو حساس طلبہ ہوتے ہیں وہ اس موقع پر ایک دوسری کیفیت بھی محسوس کرتے ہیں، وہ اساتذہ جن کے پاس سات آٹھ سال تک رہ کر تعلیم حاصل کرتے رہے ان کی شفقتیں ان کی توجہات ہماری رہنمائی کرتی رہیں، ان اساتذہ سے ہم چھوٹ کر جدا ہو کے جا رہے ہیں، اور یہ مدرسہ، اس کے

در و دیوار، اس کی درسگاہیں، اس کی فضائیں جس میں ہماری زندگی کے بہترین ایام، زندگی کے بہترین سال گذرے، مدرسہ کے اس ماحول سے، ان در و دیوار سے جو رخصت ہوتے ہیں اور جا رہے ہیں، یہ پہلو جب طلبہ سوچتے ہیں واقعی ان کا دل بھر آتا ہے، ان پر رقت طاری ہوتی ہے بعض کی تو چیخیں نکل جاتی ہیں، طلبہ کی یہ دو متضاد کیفیات ہیں، بالکل یہی حال اساتذۂ کرام کا بھی ہوتا ہے کہ انہوں نے محنت کی سال بھر سات آٹھ سال تک اس کا پھل اس کا ثمرہ آج وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں مسرت کا موقع ہے، اسی کے ساتھ ساتھ اپنے وہ عزیز طلبہ جو مثل اولاد کے ہوتے ہیں اور ان کے ساتھ اولاد جیسا معاملہ کیا جاتا رہا اب وہ طلبہ چھوٹ کر رخصت ہو کے ان سے جا رہے ہیں۔

میرے دوستو! عزیزو! اس وقت مجھے بیان کرنا نہیں ہے، میں آج کے دن کا بہت بڑا حصہ سفر میں گذار کے آیا ہوں طبیعت تھکی ہوئی ہے، ذہن منتشر ہے، مضمحل ہوں، ہمارے مہتمم صاحب حضرت مولانا ریاض احمد صاحب ان کے اصرار پر میں اس وقت آپ حضرات کے سامنے بیٹھ گیا ہوں مجھے اس وقت فارغ ہو کر جانے والے طلبہ ان سے ضروری چند باتیں عرض کرنی ہیں، باقی رہنے والے جو طلبہ ہیں موقع ہو تو ان کے لئے بھی کچھ کہیں گے ورنہ آئندہ ان کے لئے موقع باقی ہے۔

میرے عزیز دوستو! دیکھو یہ سات آٹھ سال ہم نے یہاں گذارا ہر سال تین تین امتحانات آتے ہیں ہم جب سوچتے ہیں کہ ہمارے سامنے طلبہ بیٹھے ہیں، فارغ ہو کر جانے والے ایک ایک طالب علم کے پیچھے محنت و کوشش کا پتہ نہیں

کتنا بڑا ذخیرہ ہے، شب بیداری، ذہن سوزی، دماغ سوزی، رات کے ایک ایک بجے تک، ڈیڑھ ڈیڑھ بجے تک ان کے لئے معمولی بات ہے اتنی ساری محنتیں ہم نے جو کیں ان کا حاصل کیا؟ مجھے معاف رکھیو! میں نے جو اپنے بڑوں سے سنا تم عزیزوں کے سامنے رکھتا ہوں یہ سات آٹھ سال کی محنت کر کے ہم نے جو کچھ حاصل کیا وہ چند الفاظ ہیں ان الفاظ کے کچھ ترجمے، ان الفاظ کے کچھ معانی اور مطلب بس یہ ہم نے حاصل کیا۔ ایمان و یقین، زہد و تقوی صبر و شکر، حب الٰہی، عشق رسول یہ ایمانی حقائق، یہ الفاظ ہم نے حاصل کئے اس کا کچھ مطلب اور اس کے کچھ معانی ہمارے پلے پڑے، لیکن میرے عزیزو! ابھی ایمان و یقین، صدق و اخلاص زہد و تقوی جن حقائق کی یہ تعبیریں ہیں، ان کے جو مصداقات ہیں ابھی وہ ہمیں حاصل نہیں ہوئے۔ ہمیں ماننا چاہئے ہمیں تسلیم کرنا چاہئے، ابھی اس کے مصداق ہمیں حاصل نہیں ہوئے اس کے حقائق ہم نے پائے نہیں وہ ابھی بہت دور ہیں، کچھ الفاظ ہمارے دامن میں آئے ہیں، ہمارے ذہنوں میں انہوں نے اپنی جگہ بنایا اور بس۔ ان الفاظ میں اور ان کے مصداق و حقائق میں کیا فرق ہے؟ آپ ایک مثال سے سمجھ سکتے ہیں نار، آگ جسے کہتے ہیں یہ لفظ ایک تو زبان سے ہم اس کا تلفظ کرتے ہیں جسے ہم کاغذ میں لکھتے ہیں اور ہمارے گھروں میں اگر اسکو لکھ کر آویزاں کیا جائے تو کچھ نہیں ہوتا یہ نار والا لفظ ہے لیکن اس نار کی جو حقیقت ہے اس نار کا جو مصداق ہے اللہ اکبر! اگر وہ زبان پر رکھ دیا جائے تو زبان کا کیا حال ہوگا؟ کاغذ پر، کتاب پر اسکو رکھ دیا جائے تو کتاب کی کیا گت بنے گی، گھر

کے چھپر پر رکھ دیا جائے تو پھر گھر کا کیا حال ہوگا؟ کتنا فرق ہے لفظ نار میں اور حقیقت نار میں۔

میرے عزیزو! اسی طرح بلکہ اس سے زیادہ فرق ہے لفظ ایمان اور حقیقت ایمان میں، لفظ یقین اور حقیقت یقین میں، لفظ تقوی اور حقیقت تقوی میں۔ تو جتنے ایمانیات ہیں اب ان کے حقائق کو اپنے اندر پیدا کرنیکی فکر کرنی چاہیئے، جہاں ہم نے رات دن محنت کر کے ان الفاظ کو حاصل کیا اب ایک اور محنت یہاں سے شروع ہوتی ہے۔ وہ محنت اس سے زیادہ کڑی محنت ہے اس سے زیادہ طویل محنت ہے زندگی بھر اگر محنت کر کے وہ حقائق ہمیں کچھ حاصل ہو جائیں تو سودا بڑا سستا ہے۔

متاع وصل جاناں بس اگرانست   گریں سودا بجاں بودے چہ بودے

تو میرے دوستو! اب وہ ایک محنت یہاں شروع ہو رہی ہے ان حقائق ومصداق کو اپنے اندر پیدا کریں اور یہ حقائق اور ان کے مصداقات مدرسوں کی چہاردیواری میں نصیب نہیں ہوتے، یہ واقعہ ہے یہ کتابوں سے حاصل نہیں ہوتے، یہ مطالعہ، مذاکرہ، تکرار سے پیدا نہیں ہوتے، یہ حاصل ہوتے ہیں کسی اللہ والے کی جوتیاں سیدھی کر کے ان کی خدمت میں جا کر پڑ کر اپنے آپ کو فنا کرنے سے۔

قال را بگذار مردِ حال شو   پیشِ مردِ کاملے پامال شو

یہ کیفیت پیدا ہو، ایک دور تھا ہم نے اپنے بڑوں سے سنا اسی شعبان کے اواخر میں دیوبند سے طلبہ سہارنپور جنگشن میں آ کر اتریں گے تعلیم کے ختم کے بعد کسی

اللہ والے سے تعلق پیدا کر کے ان کی صحبت میں رہ کر ان الفاظ کے حقائق کو اپنے اندر پیدا کرنے کی جو کوشش اسکی جو فکر اس کا جو اہتمام اس زمانہ میں اتنا عام تھا کہ قلی لوگ اسکو جانتے تھے یہ سہارنپور کا جو جنگشن ہے پورے ہندوستان میں عجیب انفرادی نوعیت کا جنگشن ہے ایسا جنگشن ہندوستان میں کہیں نہیں ہے، نہ پاکستان میں، نہ بنگلہ دیش میں، یہ سہارنپور والا جنگشن چاروں طرف سے اکابر کے مرکز سے گھرا ہوا، ایک طرف گنگوہ کا مرکز، ایک طرف تھانہ بھون کا مرکز، ایک طرف دیوبند والا مرکز، ایک طرف رائے پور والا مرکز، ان تمام مرکزوں کے بیچ میں ہے یہ جنگشن، اب طلبہ جو آتے ہیں دیوبند سے اُترتے ہیں سہارنپور کے جنگشن میں یہ قلی لوگ اس بات سے اتنے مانوس ہو چکے تھے کہ فوراً جاتے ہیں جا کر پوچھتے ہیں کہ مولوی صاحب کہاں جانا ہے؟ کیا گنگوہ جانا ہے؟ میں گنگوہ کے بس اڈے تک پہونچاؤں، تھانہ بھون جانا ہے؟ تو بھائی یہ چیز اب ختم ہوتی جا رہی ہے عالم، عالم ربانی بنا ہو، عالم، عالمِ حقانی بنا ہوا اور ایسا عالم جس سے امت کا فائدہ ہو وہ جہاں بیٹھے ایک انقلاب برپا کر دے۔

جہانے را دگرگوں کرد یک مردِ خود آگاہے

یہ کیفیت پیدا ہو، کہ بھائی اللہ والوں کی خدمت میں پڑے بغیر، ان کی جوتیاں سیدھی کئے بغیر یہ دولت حاصل نہیں ہوتی ہے۔

ہمارے بزرگوں کے یہاں تعلیم ختم ہوئی ادھر تدریس شروع ہوتی، تدریس کے ساتھ ساتھ کسی اللہ والے سے تعلق اور پھر سلوک وطریقت والا معمول

شروع ہوتا ہے میں بات لمبی نہیں کرنا چاہتا وقت بہت کم ہے، دو ایک مثال آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔

حضرت مولانا رومؒ آپ سب جانتے ہیں مثنوی شریف کے مصنف ہیں۔ ان کا شہر ہے ’’قونیہ‘‘ وہاں پر بہت اونچے گھرانہ کے بڑے عالم، مفتی بلکہ وہاں کے خانقاہ کے سجادہ نشین تھے۔ صرف معاملہ علوم ظاہری تک تھا۔ حضرت شمس تبریزؒ کو اشارہ ہوا کہ جاؤ قونیہ میں ہمارا ایک بندہ ہے جا کر اس کی تربیت کرو، حضرت شمس تبریزؒ آئے مرید کو تلاش کرتے ہوئے ادھر حضرت مولانا رومؒ گھوڑے پر سوار تشریف لے جارہے تھے۔ آس پاس تلامذہ کا مجمع، مریدوں کا مجمع رکاب تھامے ہوئے جارہے ہیں، بڑے کرّ وفر کے ساتھ۔ ایسے موقع پر حضرت شمس تبریزؒ ایک فقیرانہ حیثیت میں، ایک درویشی کی حالت میں گھوڑے کے سامنے آتے ہیں، رکاب تھام کے دریافت کرتے ہیں کہ علم کا مقصد کیا ہے؟ حضرت مولانا رومؒ نے جواب دیا علم کا مقصد یہ ہے، وہ ہے جو ان کی دانست میں تھا انہوں نے جواب دیا۔ حضرت شمس تبریزؒ نے فرمایا کہ ہم تو یہ سمجھے کہ علم کا مقصد یہ ہے کہ معلوم تک رسائی ہو جائے یہ کہہ کر انہوں نے ایک شعر پڑھا شعر کیا پڑھا مولانا رومؒ کے سینے میں ایک دم تیر پیوست کردیا ؎

علم کز تو ترا نہ بستاند   جہل ازاں بہ بود بسیار

وہ علم جو تجھے تجھ سے چھین نہ سکے ایسے علم سے جہالت بدرجہا ہزار درجہ بہتر ہے یہ شعر کیا انہوں نے پڑھا حضرت مولانا رومؒ کے اوپر بجلی بن کر یہ شعر گرا

ایک دم حالت بدلی، گھوڑے سے اتر گئے، اب ان کا دامن تھاما۔ اب ان کی خدمت میں رہ کر، ان کی صحبت میں، ان کی تربیت میں رہ کر اپنے کو فنا کیا، فنا کیا، فنا کیا اتنا فنا کیا کہ لوگ دیوانہ سمجھنے لگے وہ کہتے ہیں ؎

سجادہ نشینِ خانقاہے بودم   بازیچۂ کودکان کویم کردی

اپنے شیخ کی تعریف میں، توصیف میں اظہارِ تشکر میں کہہ رہے ہیں کہ میں تو ایک خانقاہ کا سجادہ نشین تھا بڑا اعزاز، میرا مرتبہ، آپ نے مجھے گلی کے بچوں کا کھلونا بنا دیا، بچے مجھے پاگل سمجھ کر، دیوانہ سمجھ کر تالیاں پیٹتے ہیں، ڈھیلے مارتے ہیں، ٹوپی اچھالتے ہیں پتہ نہیں کیا کیا کرتے ہیں۔ (بازیچۂ کودکان کویم کردی) یہ کہہ کر اپنے شیخ کی تعریف کررہے ہیں کہ میں تو ایسا تھا ایک خانقاہ کا سجادہ نشین آپ نے مجھے گلی کے بچوں کا کھلونا بنا کے چھوڑا۔ اعتراض نہیں اظہارِ تشکر ہے اللہ اللہ! وہ خود کہتے ہیں

مولوی ہرگز نہ شد مولائے روم   تا غلامِ شمس تبریزی نہ شد

یہ قونیہ کا مولوی مولائے روم نہ بن سکا اس وقت تک جب تک کہ شمس تبریزی کا وہ غلام نہیں بنا، علومِ ظاہری میں تو پہلے بہت اونچے تھے ہی، اب علومِ باطنی کا جو دروازہ ان پر کھلا حضرت شمس تبریزیؒ کی تربیت سے اس کے بعد انہوں نے وہ مثنوی شریف لکھی ؎

مثنوی مولوی معنوی   ہست قرآن در زبان پہلوی

کہنے والوں نے کہا کہ مثنوی شریف فارسی زبان میں قرآن کے مضامین کی حامل ہے اور خود ان کے بارے میں کہنے والوں نے کہا:

من چہ گویم وصف آں عالیجناب — نیست پیغمبر و لے دارد کتاب

میرے عزیز طلبہ! ساتھی سمجھتے ہیں ،نیست پیغمبر و لے دارد کتاب ،تو میرے دوستو! کچھ اپنے آپ کو یوں فنا کرنا ہے علم کے آنے کے بعد علمی غرور خدا نخواستہ آگیا ہم کسی کام کے نہیں رہیں گے، الفاظ ہم نے اتنی محنت سے ،مشقت سے حاصل کئے اب اس کے مصداق ،اس کے حقائق کو اپنے اندر پیدا کرنے کے لئے اب ایک اور محنت کا سلسلہ شروع ہو رہا ہے یہ تو ان کا واقعہ ہے ،مولانا رومؒ کا واقعہ جو انہوں نے اپنے آپ کو حضرت شمس تبریزؒ کی خدمت میں رہ کر فنا کیا۔ میں ایک اور واقعہ سنا کر بات ختم کرتا ہوں:

حضرت نظام الدین اولیاءؒ کا نام آپ لوگوں نے سنا ہی ہوگا ،تبلیغی مرکز نظام الدین بنگلہ والی مسجد کے بالکل پاس میں ان کا مزار ہے، زیارت گاہ عام وخاص، غیر مسلم بھی آتے رہتے ہیں۔ یہ اپنے پڑھنے کے زمانہ میں بڑے ذہین تھے، بڑے محنتی تھے، بڑے ذی استعداد تھے،''بحاّث'' نظام الدین ان کا لقب، نظام الدین محفل شکن، مناظرہ کرتے ہیں کسی سے تو محفل کو درہم برہم کر کے چھوڑتے ، محفل شکن ان کا لقب ایسے تھے اپنے پڑھنے کے زمانہ میں اور ظاہر حالات بتا رہے تھے کہ نظام الدین پڑھنے کے بعد کہیں کے صدر الصدور ہوں گے کہیں کے قاضی القضاۃ ہوں گے، بڑے اونچے عہدہ پر جائیں گے۔ اسلامی حکومت کا زمانہ تھا لیکن خدا کا کرنا انہوں نے تعلق قائم کیا ایک درویش سے حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ سے، انہوں نے اپنا تعلق جوڑا ان کے ہاتھ پر بیعت ہوئے۔

بس غلام بن کر اپنے آپ کو مٹا یا بالکل پھٹے پرانے کپڑے، بوسیدہ کپڑے، فقیرانہ حال حضرت کی خدمت میں وقت گذار رہے ہیں ، بہت سے حالات و واقعات پیش آئے مجھے اس میں جانا نہیں ، ان کے ایک ہم سبق قدیم ساتھی اتفاق سے وہ حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ کا مہمان بن کے آئے اور وہ دوسری جگہ ٹھہرے ہوئے تھے اب ان کے لئے کھانا پہنچانا تھا شیخ نے حکم کیا میاں نظام الدین جاؤ اپنے مہمان کو کھانا دے کر آؤ کھانا سر پر رکھ کے لے جا رہے ہیں، وہ ساتھی جو پڑھنے کے زمانے میں ان سے بہت ہی زیادہ فروتر بہت ہی زیادہ نچلے درجے میں تھے ان سے مرعوب تھے، ان کی عظمت کا ایک رعب ان پر قائم تھا اب ان کے سامنے یہ جا رہے ہیں فقیرانہ لباس میں، درویشانہ بھیس میں اس وقت ان کے ساتھی نے کچھ چوٹ کرتے ہوئے کہا ارے مولوی نظام الدین! یہ تم نے اپنا کیا حال بنا رکھا ہے؟ تم ایسے تھے، ویسے تھے پڑھنے کے دور میں، یہ تم نے کیا حال بنا رکھا ہے؟ خاموش رہے، کچھ نہیں بولے۔ کھانے کے بعد برتن لے کے جو واپس آ رہے ہیں شیخ گویا منتظر بیٹھے ہیں بابا فرید الدین گنج شکرؒ۔ سامنے آتے ہی حضرت شیخ پوچھ رہے ہیں میاں نظام الدین! اگر کوئی تمہارا ساتھی تم سے یہ پوچھے کہ تم نے اپنا یہ کیا حال بنا رکھا تو کیا جواب دو گے؟ حضرت خاموش ہیں ہائے ہائے تو اس وقت تلقین کر رہے ہیں شیخ کہ دیکھو اس کے بعد اگر کوئی تمہارا ساتھی یہ پوچھے کہ نظام الدین تم نے اپنا یہ کیا حال بنا رکھا ہے؟ تو ان کو یہ کہدوے

تو نہ ہمرہی مارہ خویش گیر و برو — ترا سعادت بادمرانگونساری

بھائی! تیرا راستہ الگ ہے میرا راستہ الگ ہے، تمام سعادتیں، تمام ترقیات، تمام بلندیاں، عظمتیں تمہارے لئے مبارک اور تمام نگونساری، تمام تنزل، تمام فقیری یہ میرے لئے مبارک۔ ترا سعادت بادمرا نگونساری وہاں اپنے ساتھی کے زبان سے انہوں چوٹ کے کلمات سنے بتقاضائے بشریت قلب میں کچھ بات پیدا ہوئی، قلب میں ایک کیفیت پیدا ہوئی تکدر کی، اب یہاں حضرت شیخ نے آتے ہیں فوراً دریافت کر کے یہ کہا کہ جواب یوں دے دو تو سینہ صاف ہو گیا۔

میرے عزیزو! یہ علمِ دین پڑھ کر پھر اس کے حقائق اپنے اندر پیدا کر کے دنیا میں چمکنا نہیں ہے زرق و برق لباس پہن کر اونچی پوزیشن میں جا کر، اپنا ایک رعب قائم کرنا ایک مقام قائم کرنا یہ نہیں ہے، سعادت اس میں ہے کہ اپنے آپ کو فنا کیا جائے دین کے لئے فنا کریں اور ایسا فنا کریں کہ آپ کو دیکھنے والوں کو ترس آئے۔

حضرت جی مولانا یوسف صاحبؒ انہوں نے اپنے جان پہچان کے ایک مولوی صاحب سے کہا کہ مولوی صاحب کیا آپ تبلیغ نہیں کرتے؟ وقت نہیں دیتے؟ تو ان مولوی صاحب پھٹ سے حدیث پڑھ دی **وان لنفسک علیک حقا وان لعینک علیک حقا وان لزوجک علیک حقا** تو آپ نے کہا کہ مولوی صاحب! حدیث کو تم نے الٹا پڑھ دیا معلوم بھی ہے؟ اس حدیث کا شان ورود کیا ہے؟ حضرت عثمان بن مظعونؓ اور انکے دو ساتھی جب انہوں نے جا کر آنحضرت ﷺ کے حالات و معمولات کو معلوم کئے اور پھر اس کو انہوں نے کم سمجھا اور آپس میں مشورہ کیا کہ بھائی حضور ﷺ تو بخشے بخشائے ہیں ان کی تو ساری مغفرت کا

وعدہ ہو چکا ہے، ہمارا حال تو ایسا نہیں ہے، ہمیں تو بہت کچھ کرنا ہے۔ چنانچہ ایک نے عہد کیا کہ دن بھر روزہ رکھوں گا اور ایک نے عہد کیا کہ رات بھر نفلیں پڑھوں گا، سوؤں گا نہیں اور ایک نے عہد کیا کہ میں بیوی کے پاس نہیں جاؤں گا، لگ گئے اپنے کام میں اس کی اطلاع جناب رسول ﷺ کو ہوئی تو آپ نے تینوں کو بلایا اور دریافت کیا کہ ایسی خبر مجھے پہونچی ہے، ٹھیک ہے؟ انہوں نے تسلیم کیا تو حضور ﷺ نے فرمایا دیکھو میں تم میں سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں اور اللہ کی معرفت رکھنے والا ہوں لیکن میں روزہ بھی رکھتا ہوں، افطار بھی کرتا ہوں روزہ چھوڑتا بھی ہوں، رات میں اللہ کی عبادت بھی کرتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور اپنی بیویوں کا حق بھی ادا کرتا ہوں۔ یہ میرا طریقہ ہے، یہ میری سنت ہے جو میری سنت سے روگردانی کرے گا وہ مجھ میں سے نہیں ہے ان لنفسک علیک حقا وان لعینک علیک حقا وان لزوجک علیک حقا حضور ﷺ نے پڑھ کر سنایا ان کو اس کا حوالہ دے کر مولانا یوسفؒ نے فرمایا مولوی صاحب تم دین کے کام، دعوت کے کام میں اتنا لگو، اتنا لگو کہ ہم لوگوں کو دیکھ کر ترس آئے ہم پڑھیں یہ حدیث تمہارے سامنے۔ یہ کیا بات ہے کہ کچھ کیا بھی نہیں اور پڑھنے لگے حدیث۔ اس لئے میں نے کہا کہ تم نے حدیث کو الٹا پڑھ دیا۔

تو بہرحال یہ چند باتیں میں نے عرض کیں آگے اللہ تعالیٰ جس کو توفیق دے آگے بڑھے، آگے بڑھے لیکن اتنا ضرور خیال رہے کہ علوم ظاہری پر اکتفا کر لینا بالکل ٹھیک نہیں ہے احیاء العلوم میں تم نے پڑھا ہوگا حضرت امام غزالیؒ فرما

تے ہیں علم مکاشفہ بھی ایک چیز ہے اور اس لائن کی سلوک وتصوف میں اپنے آپ کو مٹانے کے بعد وہ چیز حاصل ہوتی ہے۔تو فرماتے ہیں جسکو علم مکاشفہ کا کوئی حصہ نصیب نہیں ہے اس پر سوءِ خاتمہ کا اندیشہ ہے اور کم سے کم اسکا نصیب یہ ہے کہ علمِ مکاشفہ کو اسکے اہل کے لئے تسلیم کرے اور اس سے آگے بڑھ کر اپنے اندر بھی کچھ پیدا کرلے تو ''نور علی نور'' بہر حال میں انہی چند باتوں پر اپنی بات ختم کرتا ہوں اصل میں ہم منتظر ہیں حضرت مولانا کے بیان سننے کے میری یہ گفتگو جو کچھ ہے اسکی حیثیت ایسی ہے جیسے کہ ایک مداری کھیل دکھانے والا پہلے ڈگڈگی بجاتا ہے تاکہ لوگ جمع ہو جائیں سب متوجہ ہو جائیں اسکے بعد وہ اپنا کھیل شروع کرتا ہے۔ بھائی میرا یہ بیان، میری یہ گفتگو بس اس کی حیثیت ڈگڈگی کی ہے۔اب ڈگڈگی بجانے والا سامنے سے ہٹا جا رہا ہے اصل بیان اب شروع ہو رہا ہے۔

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

تعزیتی خطاب

مفکرِ اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی رحلت کے موقع پر
مسجدِ خضر، میل وشارم میں بروزِ شنبہ بوقت بعد تراویح
بتاریخ ۲۲ رمضان ۱۴۲۰ھ، امیر شریعت حضرتؒ کا یہ بیان ہوا

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

دو صد دانا دریں محفل سخن گفت — سخن نازک تر از برگ سمن گفت
ولے با من بگو آں دیدہ ور کیست — کہ خارے دیدہ و احوالِ چمن گفت

بزرگو دوستو بھائیو!

اس وقت ہم نے قرآن خوانی کی ہے۔سب جانتے ہیں کہ حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ اب اللہ کو پیارے ہو چکے۔یہ دنیا کا نظام ہے۔ایک عرب نے کہا ہے **"لدوا للموت وابنوا للخراب"** بچے جنو مرنے کے لئے ،عمارتیں بناؤ منہدم ہونے کے لئے۔ بچہ جب پیدا ہو گیا تو بہر حال موت اس کے لئے مقدر ہے۔ چاہے وہ سو سال جیئے، ڈیڑھ سو سال جیئے۔کوئی عمارت مضبوط سے مضبوط عمارت بنائی جائے تو اس کا انجام آخر کار منہدم ہونا ہے۔'' **لدوا للموت وابنوا للخراب**'' یہ قدرت کا اٹل نظام ہے۔

اس نظام کے تحت ہر آنے والا بہر حال جانے والا ہے۔اللہ تبارک وتعالی کا وجود دنیا کی سب سے بڑی حقیقت ہے۔اس کے منکر دنیا میں موجود ہیں' دھریئے''

لیکن موت اس کا منکر کوئی نہیں ہے ۔ ہر ایک جانتا ہے دیندار بھی ، دنیا دار بھی ، بے دین بھی ، دھریہ بھی ۔سب یہ جانتے ہیں کہ جو شخص یہاں آیا ہے وہ چاہے کتنا ہی صحت مند کیوں نہ ہو ایک دن یہاں سے جائے گا لیکن جانے والوں میں کس قدر فرق ہے ،کوئی اللہ کا بندہ جاتا ہے تو دنیا والوں کو پتہ بھی نہیں چلتا ۔کوئی تھا اور ختم ہو گیا ۔کوئی بیچارہ جاتا ہے بس اس کے گھر والے اس پر آنسو بہا دیتے ہیں ۔کوئی جاتا ہے تو کوئی ادارہ یا کوئی بستی اس کے لئے روتی ہے ۔لیکن بعض اللہ کے بندے ایسے بھی ہیں کہ جب وہ جاتے ہیں تو پورے ملک کو بلکہ عالم کو غمگین بنا کے چلے جاتے ہیں ۔حضرت مولانا کی شخصیت کچھ ایسی ہی تھی ۔ عالمی شخصیت تھی ۔ عالمی شخصیت کے مالک تھے ، اللہ تبارک وتعالی نے دو ایسی شخصیتیں ہندوستان کو عطا کی ہیں میں سمجھتا ہوں دو ڈھائی سو سال کے بعد ایک شخصیت ہندوستان میں پیدا ہوئی جس نے عرب کے علماء میں ، عالم عرب میں ، عالم اسلام میں ، اپنا لوہا منوایا ۔ان کے دلوں پر اپنا سکہ جمایا ۔اگر چہ ہندوستان میں علمی لائن میں حضرت مولانا سے زیادہ علمی محققین عالم حضرات گذرے ہیں اور روحانی لائن سے بھی حضرت مولانا سے زیادہ اونچے بعض ہندوستان میں گذرے ہیں اور اس کا خود مولانا کو بھی اعتراف ہے ۔ندوہ کے حضرات کو بھی اعتراف ہے لیکن یہ خداداد بات تھی کہ کوئی ہندی عالم جس نے عربوں کے اندر اپنا ایک ایسا مقام پیدا کیا ہو عالم اسلام کے اندر اپنا سکہ جمایا ہو ، حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ کے بعد ایسی شخصیت نظر نہیں آتی الا ماشاء اللہ ۔حضرت مولانا کا حال یہ تھا کہ رابطۂ عالم اسلامی کے اجلاس میں تشریف لے

جاتے تو علماء عرب کے صف اول میں آپ کو جگہ دی جاتی تھی ۔کوئی کانفرنس کوئی سمینار جو کسی اسلامی ملک میں یا عرب ملک میں ہوتا ہو تو گویا حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ اس کے صدر ہوتے تھے ، کبھی تو باقاعدہ قانونی طور پر کبھی معنوی طور پر اس کے صدر نشین ہوتے تھے اور عرب علماء کے اندر ، عالم اسلام کے فضلاء کے اندر ، حضرت مولانا کا جو مقام تھا ان کی جو عظمت تھی آپ اس کا اندازہ اس واقعہ سے لگا سکتے ہیں کہ پچھلے دنوں رابطۂ عالم اسلامی کی کسی اجلاس کے بعد طے ہوا کہ سارے رابطہ کے مندوبین اور مدعوئین آج کعبۃ اللہ کے اندر حاضر ہو کر اس کی زیارت کرینگے ۔ ہمارا مجمع جا رہا ہے حرمِ شریف کو ۔ جب کعبۃ اللہ کے قریب پہنچے تو اللہ ! اللہ ! اس بھرے مجمع میں دنیا کے چیدہ منتخب علماء فضلاء حرمین کے علماء ، عرب کے علماء ، عجم کے علماء ، اسلامی ممالک کے فضلاء سارے موجود ہیں خانہ کعبہ کو کھولنے کیلئے کنجی دی جا رہی ہے حضرت مولانا کے ہاتھ میں ۔ ایک ہندی عالم ، ایک عجمی عالم ، کسی عرب ملک کا نہیں کسی اسلامی ملک کا نہیں ، غیر اسلامی ملک کا وہ بھی مسلمانوں کے حق میں غلام ملک کا عالم ، اس کے ہاتھ میں کنجی دی جا رہی ہے ، انہوں نے خانۂ کعبہ کو کھولا اور سب کے بعد اندر گئے اور خانۂ کعبہ کی زیارت کی ۔ یہ مقام تھا حضرت مولانا کا ۔تو میرے دوستو ! یہ مقام اللہ نے آپ کو دیا اس کے کچھ ظاہری اسباب بھی تھے ۔

دوسری طرف آپ حضرات کو ذرا متوجہ کرنا چاہتا ہوں آپ نے اکبر الہ آبادی کا وہ شعر سنا ہوگا جس میں انہوں نے مسلمانوں کے تین تعلیمی اداروں کے

درمیان موازنہ کرکے ایک شعر کہا تھا اور میں نے بیان میں عرض بھی کیا تھا۔

ہے دل روشن مثال دیو بند — اور ندوہ ہے لسانِ ہوش مند
اب علیگڑھ کی بھی تم تمثیل لو — ایک معزز پیٹ بس اس کو کہو

اس وقت علی گڑھ کو تو ہٹائیے اس سے ہمیں کوئی بحث نہیں۔ یہاں پر اکبر الہ آبادی نے دارالعلوم دیوبند اور ندوۃ العلماء میں جو موازنہ کیا ہے دارالعلوم دیوبند کو دل روشن قرار دیا اور ندوہ کو لسانِ ہوشمند قرار دیا کہ ان کے اندر ادبی ذوق، تحریر وتقریر کا ملکہ اور ادب کے اندر انکی مہارت یہ بہت بڑھ چڑھ کر ہے۔اس کو لسانِ ہوشمند سے انہوں نے تعبیر کیا۔لیکن ہم نے سنا حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو یہ شعر بہت کھٹکتا تھا اور انہوں نے اپنے مخصوص طلبہ سے، احباب سے کہا کہ تمہیں چاہیئے کہ اپنے خون جگر سے اس مصرعہ کو ختم کردو کہ ندوہ صرف لسانِ ہو شمند ہے۔ندوہ فقط لسان ہوشمند ہے اس کو ختم کردو۔اپنے خونِ جگر سے ختم کردو۔ خدا کی شان اس کے بعد دلِ روشن کی جھلک بھی ندوہ میں پیدا ہوئی۔تین وجوہات سے ایک حضرت مولانا الیاس صاحبؒ کی اپنی تحریک تبلیغی جماعت کے ساتھ بعض وقت کے لئے ندوہ میں قیام کرتے تھے۔ان دنوں میں جبکہ ابھی دیوبند پوری طرح تبلیغ سے مانوس نہیں ہوا تھا تو تبلیغی فضاء ندوہ کے اندر قائم ہوئی، کچھ اس کا اثر اس کے بعد اسی ندوہ کے فضلاء میں گلِ سرسبد کے طور پر علامہ سید سلیمان ندویؒ اور اس کے بعد ہمارے حضرت محترم علی میاں صاحب یہ دونوں ایسے ابھرے کہ اب ان کو دیکھنے کے بعد ندوہ کے بارے میں دلِ روشن کہا جاسکتا ہے اور اکبر الہ آبادی

زندہ ہوتے تو شاید اپنے مصرعہ کو واپس لیتے اور اس میں کچھ تبدیلی کرتے کہ ندوہ فقط لسانِ ہوشمند نہیں ہے بلکہ دلِ روشن بھی ہے۔

لیکن ایک عجیب بات! ٹھیٹ ندویوں کے اندر ایک تعصب ہوتا تھا دیوبند سے بہت چڑتے تھے۔بعض ندوی فضلاء کی لکھی ہوئی ایک کتاب، اسے اپنی طالب علمی کے زمانہ میں جب میں نے مطالعہ کیا تھا تو ایک جملہ بہت کھٹکا مجھے ۔سابق ندوہ کے ایک ذمہ دار عالم ایک جگہ کہتے ہیں ندوہ کے فارغین کے تعلق سے قوم سے ہم نے اتنا کچھ وعدہ کیا، قوم کو جو ہم نے امیدیں دلائیں، اتنی توقعات پیدا کرکے کیا دیوبند جیسا گھٹیا مال پیش کرنا ہے۔نعوذ باللہ یہ جملہ پڑھ کر میں نے پنسل سے اس کتاب میں انڈر لین بھی کیا تھا۔

کہ قوم سے اتنا کچھ وعدہ کرکے قوم کو توقعات دلاکر کیا دیوبند جیسا گھٹیا مال پیش کرنا ہے۔قدرت کی ستم ظریفی دیکھئے دلِ روشن ندوہ کے اندر آنے کے لئے ایک ذریعہ علامہ سید سلیمان ندویؒ ہیں۔وہ اسی گھٹیا مال کے پاس تھانہ بھون پہنچتے ہیں اور اسی گھٹیا مال کی خدمت اور تربیت میں رہ کر بڑھیا بنتے ہیں۔حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے حضرت کا عجیب طور سے تعلق اور وابستگی ہوئی۔پھر اس کے بعد حضرت مولانا تھانویؒ کا اور اکابر دیوبند کا رنگ ان پر اس طرح چڑھا کہ حضرت سید سلیمان ندویؒ نے بعض جگہ اعتراف کیا ہے کہ ہم نے نماز پڑھنا تو تھانہ بھون جا کرسیکھا۔حضرت سے خلافت بھی ملی اور غالبا ذکر کا اثر جب ان پر ہوا اور ذکر کا رنگ چڑھا تو سکوت طاری ہوگیا۔بہترین مقرر، لسّان مقرر، فصیح وبلیغ بیان کرنے

والے خاموش خاموش رہنے لگے۔ جب ٹھیٹ ندوی فضلاء نے ان کی یہ حالت دیکھی اور سمجھا کہ یہ تھانہ بھون کا نتیجہ ہے تو انہوں نے کہا کہ قوم کے ایسے بہترین نوجوانوں کو تھانہ بھون والے بگاڑ رہے ہیں۔ برباد کر رہے ہیں۔ وہ کل قیامت میں اللہ تعالیٰ کو کیا جواب دینگے۔ یہ بات اتفاق سے حضرت کو پہنچی۔ حضرت تھانویؒ کو جوش آ گیا۔ حضرت نے کہا دیکھو بھائی! ہم کسی کو بلاتے نہیں ہمیں تو بگاڑنا ہی آتا ہے۔ جس کو بگڑنا ہو وہ ہمارے پاس آوے۔ ہم کو بھی کسی نے بگاڑا ہے۔ یہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ کی طرف اشارہ ہے ہم کو بھی کسی نے بگاڑا ہے۔ تو یہ حالت کچھ دنوں تک علامہ سید سلیمان پر طاری رہی۔ تو گھٹیا مال کے پاس جا کر مولانا سید سلیمان ندویؒ وہ بنے کہ بعد میں چل کر اہلِ نظر نے انہیں دلِ روشن کہا۔

اور دوسرے حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی ہیں جن کے لئے آج ہم نے قرآن خوانی کی ہے۔ یہ کیا ہیں ان کی تعلیم ان کی ذہنیت ندوی سانچے میں ڈھلی ہے۔ ان کا نصابِ تعلیم، انکا طرزِ تعلیم سب کچھ ندوی ہے۔ لیکن انکی جو تربیت ہوئی وہ پوری دیوبندی بزرگوں سے ہوئی ہے۔ ہمارے ایک عالم مولانا بختیاری صاحب مرحوم فرمایا کرتے تھے کہ مولانا علی میاںؒ ہمارے چار بزرگوں کی تربیت کا ایک حسین گلدستہ ہیں۔ یوں فرمایا کرتے تھے وہ چار بزرگ کون ہیں۔ سب سے پہلے حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوری، مفسّر لاہوری جن کے یہاں تفسیر کا ایک مختصر دور ہوتا تھا۔ جس میں سارے لوگ دیوبند، ندوہ وغیرہ کے فضلاء شریک ہوتے تھے۔ جس میں حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ بھی شریک ہوئے تھے اور حضرت

مولانا نے بیان بھی کیا تھا کہ جب تک میں لاہور نہیں گیا اور مولانا احمد علی صاحب لاہوری کی خدمت میں نہیں پہنچا اس وقت تک ہم نے اس علمی تحقیقات کو، ادبی ذوق ہی کو سب کچھ سمجھ رکھا تھا۔ لیکن جب ہم وہاں پہنچے تو حضرت مولانا احمد علی صاحب کی خدمت میں ہمیں پتہ چلا کہ ''ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں''۔ علمی تحقیقات اور ادبی ذوق کے علاوہ بھی کچھ چیزیں ایسی ہیں جسے انسان کو حاصل کرنا چاہئے۔ اسے زندگی کا مقصد بنانا چاہیئے۔ چنانچہ روحانیت کا چسکا وہاں لگا۔ حضرت مولانا احمد علی صاحب کی بھی عجیب حالت تھی۔ انجمن خدام الدین لاہور والے دورہ کا انتظام کرتے تھے جو دورہ کرنے ان کے پاس آتے تھے تین مہینے کا ایک مختصر سا کورس ہوتا تھا اور حضرت کی زندگی سراپا اخلاص، سراپا تقویٰ، سراپا سادگی۔ یہ علی میاں جیسے ایک نوجوان ایک سعادت مند نوجوان نے دیکھا تو زندگی سے زندگی متاثر ہوتی ہے۔ کوئی آمدنی کا ذریعہ نہیں۔ گھر میں جو ہے ایک معمولی سا کھانا، اس حالت میں مولانا علی میاں کو مدعو کیا کہ چلیں آپ ہمارے ساتھ گھر کھانا کھالیں۔ لیکن عین کھانے کے وقت کہا کہ ارے بھائی میں گھر کہلا بھیجنے بھول گیا۔ لیکن چلو گھر میں جو کچھ ہے کھالیں۔ چنانچہ یہ گئے۔ مولانا نے پرانے چراغ میں یہ واقعہ لکھا ہے، جب ہم دسترخوان پر پہنچے تو سادی روٹی اور پیالہ میں دال۔ بس سب کچھ یہی تھا۔ یہ تو تھی زندگی حضرت کی اور حضرت وہاں ہفتہ وار بیان بھی کرتے تھے۔ جمعہ میں معتقدین دور دراز شہروں میں مدعو کرتے تھے لیکن جب وہ بلاتے تو مولانا احمد علی صاحب شرط کرتے تھے کہ بھائی تمہارا کوئی کرایہ نہیں لوں گا۔ تمہارے یہاں

دعوت نہیں کھاؤں گا۔ اپنے کرایہ سے آؤں گا اپنا کھانا کھاؤں گا۔ اگر تمہیں منظور ہے تو میں آتا ہوں ۔ یہ بے چارے بے حد شوقین حضرت کے مشتاق کہ کسی طرح حضرت ہماری بستی کو آئیں۔ کبھی کبھی سینکڑوں میل سفر کرتے اپنے کرایہ سے۔ وہاں بیان کیا مصافحہ سے فارغ ہوئے تو اپنا توشہ جو ساتھ لاتے اس کو لیکر ایک کونے میں کھانے کے لئے بیٹھ جاتے۔ بے چارے مدعو کرنے والے شہر والے منتظمین تڑپ تڑپ کر رہ جاتے۔ حضرت کہتے بھائی میں نے تم سے وعدہ لیا تھا۔ ایسی شخصیت کی خدمت میں جب مولانا علی میاں پہنچے تو دوسری دنیا بھی نظر آئی۔ وہاں سے چسکا پڑا کہ علمی تحقیقات، تاریخی تحقیقات اور ادبی تحقیقات ان سب کے علاوہ کوئی چیز حاصل کرنے کی ہے۔ پھر اس کے بعد دوبارہ رنگ چڑھا حضرت مولانا الیاس صاحبؒ کی خدمت میں آکر، جب وہاں آئے تو چسکا پڑ چکا تھا وہ مضبوط سے مضبوط تر ہوگیا۔ یہ دوسرے بزرگ تھے اور تیسرے بزرگ حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رائپوریؒ ہیں جن سے حضرت مولانا علی میاں صاحب بیعت بھی ہوئے اور ان سے خلافت بھی پائی اور چوتھے حضرت شیخ سہارنپوری تھے۔ تو چار بزرگوں کی نظر اور ان کی تربیت یہ تمام مجتمع ہوکر مولانا علی میاں کو ''علی میاں'' بنایا اور ندوہ کے اندر دلِ روشن کا گویا ایک بہترین نمونہ پیدا کیا۔

میرے محترم بزرگو دوستو! واقعی یہ ایک بہت بڑی چیز ہے کہ انسان اپنے آپ کو مٹادے اور دین کے تقاضے کے سامنے اپنی ہر چیز قربان کرنے کے لئے تیار ہوجائے۔ حضرت مولانا میں یہی باتیں تھیں اب ان پر تبصرے کے لئے ان کی

کتابیں ہیں۔ اب وقت نہیں ہے۔

ان کی ایک کتاب ہے۔ ''**ماذا خسر العالم**'' عربی میں ہے اور جب کتاب شائع ہوئی ہے تو لوگوں نے کہا کہ اس صدی کی انقلابی کتاب ہے۔ ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں نسخے اس کے متعدد اڈیشن میں نکل چکے۔ اسکے ترجمے شائع ہوئے۔

اردو زبان میں ''مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر'' کے نام سے اس کا ترجمہ شائع ہوا ہے۔ جس میں انہوں نے یہ مرکزی فکر دیا ہے کہ عالم کی قیادت، اس کائنات کی قیادت صرف مسلمان ہی کر سکتے ہیں۔ اسلام ہی قیادت کا مستحق ہے اب یہ قیادت جو مسلمانوں کے ہاتھ سے چھنی ہے تو عالم میں فساد ہی فساد ہوگیا۔ اب عالم میں اگر امن آنا ہے تو عالم کی قیادت امریکہ اور یورپ والوں سے نکل کر مسلمانوں کے ہاتھ آنا ہے۔ یہ مرکزی فکر اس کتاب **ماذا خسر العالم** نے پیدا کی۔ پھر اس کے ساتھ ساتھ ''تاریخِ دعوت وعزیمت'' نامی کتاب انہوں نے لکھی اور اسمیں یہ ثابت کیا کہ اسلام کا جہاں قرآنِ کریم زندہ معجزہ ہے اسی طرح اسلام کا یہ بھی ایک زندہ معجزہ ہے کہ جس وقت جیسے جیسے فتنے رونما ہوتے ان فتنوں کے قلع قمع کرنے لئے جن جن صلاحیتوں والی شخصیتوں کی ضرورت تھی اسلام نے عین اسی وقت ان شخصیتوں کو پیدا کیا۔ یہ پوری داستان تاریخ دعوت وعزیمت میں ہے۔

اب میں اس سے ہٹ کر یہاں آتا ہوں کہ ہندوستان کے بارے میں۔ انگریز کا ناپاک دور جب ہندوستان میں آیا اس کی وجہ سے بھی اور ان کے ذریعہ صنعتی انقلاب ہوا، سیاسی واقتصادی غلبہ عالم یورپ کو حاصل ہوا تو اس کی وجہ سے

ان کی پوری تہذیب وتمدن اپنی تمام خرابیوں کے ساتھ ،اپنی تمام گندگیوں کے ساتھ اس کا ایک سیلاب آیا۔برِصغیر ہندو پاک میں بھی ایک سیلاب آیا۔مسلمانوں کوان کے تہذیب وتمدن میں اہانت محسوس ہونے لگی تو اب یورپی تہذیب وتمدن کا مقابلہ کرنے میں اگر چہ بہت سے افراد نے حصّہ لیا لیکن تین شخصیتیں نمایاں رہیں۔مغربی تہذیب وتمدن کا مقابلہ کرنے کے لئے ایک اکبرالہ آبادی مرحوم تھے، جنہوں نے مزاحیہ انداز میں طنز وطعن کے ذریعہ مغربی تہذیب پر تنقید کی۔اس کا ایک رعب دماغوں پر چھایا ہوا تھا اس کو ختم کیا۔دوسرے علامہ اقبال تھے جنہوں نے حکیمانہ طرز پر مغربی تہذیب کا پوسٹ مارٹم کیا اور بتایا کہ اس مغربی تہذیب نے انسانیت کو کہاں سے کہاں پہنچایا۔

تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی
جو شاخِ نازک پہ آشیانہ بنے گا، ناپائیدار ہوگا

ان دونوں حضرات نے مغربی تہذیب پر تنقید کی اور اس کا نظم کے اندر اشعار کے اندر تعاقب کیا۔اور تیسرے حضرت مولانا علی میاں صاحب ندوی ہیں جنہوں نے نثر کے ذریعہ اور اپنے خطبات وتقریر کے ذریعہ اس مادی مغربی تہذیب پر سخت تنقید کی۔

میرے دوستو! بزرگو! وقت تو بہت مختصر ہے۔آج کل کالجوں میں پڑھنے والے نوجوان بہت ساری لادینی تحریک سے وابستہ ہیں۔ان کا حال یہ ہے کہ وہ ذہنی ارتداد میں مبتلا ہو چکے ہیں۔وہ آگے بڑھتے بڑھتے اعتقادی ارتداد کی سڑک

کو چھونے والے ہیں۔اسلام پر سے ان کا اعتقاد اٹھ گیا۔متزلزل ہو چکا ہے۔ ایسے موقع پر حضرت علی میاں صاحبؒ نے ہندوستان میں بھی اور ہندوستان کے باہر عرب اور اسلامی ملکوں میں جا جا کر اپنے فصیح وبلیغ خطاب اور بیانات کے ذریعہ مغربی تہذیب پر تنقید کر کے نوجوانوں کو ارتداد سے بچانے کا سامان پیدا کیا۔ان کی تصنیفات بھی اسی طرح ،ان کے خطباب وتقریر بھی اسی طرح ہیں۔اب اس پر زیادہ کہنے کا موقع بھی نہیں ہے۔

بہر حال یہ حضرت مولانا علی میاں صاحب کا خصوصی وصف ہے کہ اللہ نے اس مغربی تہذیب پر تنقید کرنے کے لئے اور نوجوانوں کو ذہنی ارتداد سے بچانے کے لئے ہندوستان میں حضرت مولانا کو اٹھا کھڑا کیا۔جیسا کہ میں نے شروع ہی میں کہا تھا کہ دوڈھائی سو سال میں ایسا کوئی شخص نظر نہیں آتا جو عالمِ اسلام پر، عالمِ عرب پر اپنا سکّہ اس طرح جمایا ہو جیسا کہ حضرت مولانا نے جمایا۔اگر ہم اس مو قعہ پر علامہ اقبال کا وہ مشہور شعر پڑھیں.

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

تو یہ شعر حضرت مولانا پر پوری طرح صادق آتا ہے۔لیکن اس شعر کو جا اور بے جا استعمال کر کے غلط جگہ استعمال کر کے لوگوں نے اس کی معنویت کو ختم کر دیا۔خود علی میاں صاحبؒ نے ایک تعزیتی جلسہ کے موقع پر اس کی شکایت کی اس واسطے انہوں نے اس شعر کو چھوڑا۔علامہ اقبال ہی کا دوسرا شعر پڑھا ہے۔میں نے

اپنی تقریر کے شروع میں اسی کو پڑھا ہے۔

دو صد دانا دریں محفل سخن گفت — سخنِ نازک تر از برگِ سمن گفت
ولے با من بگو آں دیدہ ور کیست — کہ خارے دید و احوال چمن گفت

ایسا دیدہ ور جو کانٹے دیکھکر چمن کی ساری داستان بیان کردے یہ دیدہ ور آسانی سے پیدا نہیں ہوتا۔اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہندوستان کو اب تک ایسی بڑی نعمت عطا کی تھی۔اللہ کی مشیت کہ وہ اب ہم سے جدا ہوئی۔اللہ تبارک تعالیٰ ان کے درجات کو بلند فرمائے اور اپنی مقام تقرب میں ان کو جگہ دے۔انہوں نے دین کے لئے ،اسلام کے لئے جو خدمات انجام دیں۔امت کے لئے انہوں نے جیسی جیسی قربانیاں دی ہیں۔کیا بتائیں۔بس اس موقعہ پر حضرت مولانا مناظر احسن گیلانیؒ کے وہ اشعار یاد آتے ہیں جو انہوں نے مولانا محمد علی جوہر کی شان میں کہا،ان کے مرثیہ میں کہا۔اسی پر میں اپنی بات ختم کرتا ہوں۔

بہ دینِ مصطفی دیوانہ بودی — فدائے ملّت جانانہ بودی
بدل بودی فقیرے بے نوائے — بہ قالب پیکرِ شاہانہ بودی
ندانستی کجا سوزم نہ سوزم — تو شمع دین را پروانہ بودی

یہی حالت حضرت مولانا کی تھی۔اللہ تبارک وتعالیٰ امتِ مسلمہ ہند پر رحم کرے کوئی نعم البدل اللہ تعالیٰ پیدا کرے۔بس اسی پر اپنی بات ختم کرتا ہوں۔

ایک اہم وعظ

بعنوان اصلاح معاشرہ

(یہ بیان بعدِ نماز مغرب پاکتنی مسجد میل وشارم میں ہوا)

محترم بزرگو! عزیز دوستو بھائیو!

میں نے اپنے بعض مخلص دوستوں سے یہ کہا تھا کہ ان کے اپنے ساتھیوں سے کچھ گفتگو کرینگے مشورہ کرینگے۔بیان کا،وعظ کا،نصیحت کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔اس کے بعد میں مدراس چلا گیا،آج تقریباً صبح پونے دس بجے مدراس سے گھر واپس آیا۔تھوڑی دیر بعد مجھے اطلاع ملی کہ وعظ کا اعلان ہوا ہے اور وہ بھی اشتہار کے ذریعہ مجھے بڑی حیرت ہوئی،کوئی وعظ کا،تقریر کا،کوئی پروگرام نہیں تھا۔ان دوستوں نے گفتگو اور مشورہ کے لفظ کو شاید سمجھا یا نہیں سمجھا۔انہوں نے وعظ کا اعلان کردیا۔اس وقت مجمع حاضر ہے بہرحال میں بھی مختصر کچھ باتیں ذکر کرکے ختم کرتا ہوں۔

جناب رسول اللہ ﷺ نے تئیس سال کی اپنی نبوت والی محنت سے ایک اسلامی معاشرہ تیار کیا،پوری بنی نوع انسان کی تاریخ میں ایسا معاشرہ سراپا خیر والا معاشرہ نہ اس پہلے کبھی وجود میں آیا نہ اس کے بعد کبھی وجود میں آئیگا۔حضرات صحابہ کرامؓ پر تیئیس سال تک آپ ﷺ نے محنت کی اور محنت کرکے ایک معاشرہ جو مدینے میں قائم ہوا،اسلامی معاشرہ،دینی معاشرہ۔اس معاشرہ میں تین عناصر

نمایاں ہیں۔ ایک اس معاشرے کے اندر سادگی ، دوسرے اس معاشرے کے اندر ایثار و ہمدردی، تیسرے اس معاشرے کے اندر حیا وعفت ، یہ تین عناصر ہیں سادگی ، ایثار و ہمدردی، حیا وعفت ۔ اسلامی معاشرے کے گویا یہ تین ستون ہیں اور ان تینوں کی جو بنیاد ہیں وہ اللہ پر ایمان ویقین اور فکر آخرت ہیں ایمان اور فکر آخرت یہ اس کی بنیاد ہیں۔

اسکے مقابلے میں ایک معاشرہ ہے۔ مغربی معاشرہ، مغربی تہذیب وتمدن کا معاشرہ اس کی بنیاد ہے اسرف وفضول خرچی پر، ظاہری ٹیپ ٹاپ اور رونق پر۔ اس کی بنیاد ہے خودغرضی اور مفاد پرستی پر۔ اس مغربی معاشرے کی بنیاد ہے بے حیائی اور تعیش پر۔ یہ دونوں مغربی معاشرہ اور اسلامی معاشرہ ایک دوسرے کے مدمقابل اور حریف ہیں۔

میں نے کہا اسلامی معاشرے کے اندر سادگی ہوتی ہے، وہ سادگی طہارت کے ساتھ نظافت کے ساتھ ہوتی ہے، کھانا کھائینگے سادہ طریقہ پر، وہاں ٹیبل کرسیوں کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ چٹائی پر بیٹھ کر کھائینگے ، آقا کے سامنے غلام جیسے ادب کے ساتھ بیٹھ کر کھائیگا ویسے کھائینگے جیسا کہ حضور ﷺ نے فرمایا ۔۔۔۔۔۔ چھری کانٹے نہیں ہونگے ، اسی طرح ہر جگہ میں سادگی ہوگی نظافت اور پاکیزگی کے ساتھ۔ اسی طرح اسلامی معاشرہ کے اندر میں نے کہا ایثار ہوگا ہمدردی ہوگی۔ تفصیل کا موقعہ نہیں۔ آپ واقعات سنے ہونگے ۔ بکری کی سری ایک گھر کو ہدیہ بھیجی جاتی ہے وہ یہ سمجھ کر کہ شاید ہمارا پڑوسی فلاں ہم سے زائد محتاج ہے تو وہ سری

وہاں جاتی ہے، سات گھروں کا چکر کاٹ کر پھر پہلے گھر کو پہنچ جاتی ہے۔

خود بھوکے بچوں کو بہلا پھسلا کر سلا دیا جاتا ہے سارا کھانا جو بچوں کا ہے مہمان کو کھلا دیا جاتا ہے، یہی نہیں یرموک کی لڑائی کا واقعہ صرف میں اشارہ کرتا ہوں۔ حضرت ابوجہم ؓ فرماتے ہیں کہ میں اپنے چچازاد بھائی کی تلاش میں نکلا اور ہاتھ میں پانی کا مشکیزہ لیا کہ کہیں وہ میدان میں زخمی پڑے ہوں تو انکو پانی پلاؤں، دیکھا کہ زخمی پڑے ہیں کراہ رہے ہیں پوچھا کہ پانی پلاؤں؟ اشارہ سے کہا جی۔ اتنے میں پاس کے ایک زخمی نے آہ کی ''العطش'' پیاس کی آواز لگائی انہوں نے اشارہ کردیا اس طرف جاؤ۔ ذرا سوچئے گا اس وقت جو پیاس ہے معمولی پیاس نہیں وہ جان کنی کی عالم کی پیاس، دنیا بھر کا پانی اگر پی لیا گیا تو یہ پیاس نہیں مٹتی، پاس والے کے پاس گئے، وہاں گئے پلانا چاہا تو تیسرے نے آواز دی۔ انہوں نے تیسرے والے کے پاس جانے کو کہا، وہاں جاتے جاتے تیسرے کا انتقال ہوگیا۔ لوٹتے ہوئے دوسرے کے پاس جاتے ہیں تو ان کا بھی انتقال ہوگیا، پھر لوٹ کر جو اپنے چچازاد بھائی کے پاس آتے ہیں تو دیکھا کے وہ بھی ختم ہو چکے تھے۔ پانی کا چھاگل بس بے چارہ کے ہاتھ میں رکھا رہ گیا۔

آنحضرت ﷺ نے محنت کر کے ایمان ویقین کی بنیاد پر، فکر آخرت کی بنیاد پر جو معاشرہ تیار کیا اسکے اندر یہ ایثار تھا، یہ ہمدردی تھی ی،ہ بھائی چارگی تھی۔ اب اس کے مقابلے میں یہ مغربی تہذیب وتمدن جس کا تقریباً دوڈھائی سوسال سے چرچا ہے اسکی ساری بنیاد جو ہے مفاد پرستی پر، ذاتی اغراض پر ہے۔ جہاں بھی یہ

قوم گئی اس طریقہ پر فتح حاصل کی۔لوٹ گھسوٹ کرا کے اس قوم کو اس ملک کو کنگال بنا کے چھوڑا۔اپنے لوگوں کو مالا مال کیا۔اب اس پر مزید کہنے کی کچھ ضرورت نہیں۔کم از کم حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کی کتاب نقشِ حیات کا مطالعہ کر کے دیکھ لیجئے کہ ان خبیث قوموں نے ان مغربی قوموں نے ہندوستان کو کس طرح لوٹا ہے۔یہاں کے صنعتوں کو کیسے برباد کیا ہے، یہاں کے دولتوں کو کیسے برباد کیا ہے، یہ اس معاشرہ کی بنیاد ہے۔اس لئے کہ مغربی معاشرے کی بنیاد مادّیت پرستی پر، دنیوی فوائد وفتوح حاصل کرنے پر ہے، ان کے ہاں فکر آخرت کوئی چیز نہیں، اس کا کوئی تصور نہیں، اللہ پر یقین وایمان نہیں۔جس قدر ملے لوٹو گھسوٹو۔یہ خون چوسنے والی قوم ہے۔

اس کے بالمقابل اسلامی معاشرہ جو تیار ہوا بڑی محنتوں سے تیار ہوا، اسکا ایک تیسرا عنصر جو بڑا غالب عنصر تھا وہ عفت، حیا اور پاکدامنی والا عنصر تھا۔حیا ایک شریف انسان کا بہت بڑا جوہر ہے۔ایک شریف عورت کا بہت بڑا زیور ہے، اگر کوئی عورت چاہے وہ اونچی خاندان کی ہو، چاہے وہ شکل وصورت میں حسین وجمیل ہو اگر اس کے اندر عفت نہیں، پاکدامنی نہیں تو کسی بھی کوڑی کی لائق نہیں۔

اسلامی معاشرہ میں بہت اہم جگہ دی گئی ہے اس عفت کو، اس پاک دامنی اور حیا کو۔حیا کے جذبات اور احساسات کو بچانے کے لئے شریعت نے بہت دور دور کے احکامات جاری کئے ہیں۔اسی کی پیش بندیاں ہیں پردہ کا مسئلہ، مردوزن کا عدم اختلاط اور اس سے متعلق جمیع احکام۔یہ سب اسی عفت وحیا کو باقی رکھنے کے لئے ہیں۔

اسکے مقابلے میں یہ مغربی تہذیب، یہ مغربی معاشرہ، یہ مغربی تمدن جس کی آج بڑی دھوم ہے۔اس کی بنیاد بے حیائی پر ہے، تعیش پر ہے۔اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کے اندر نفسانی خواہش کو پیدا کیا ہے۔اس کو پورا کرنے کا جائز طریقہ بھی بتلایا ہے، لیکن اس قوم نے اس مغربی معاشرہ نے اس معاملہ میں بہت ہی بے اعتدالی کر رکھی ہے۔عنوان بڑے بہترین، بہت ہی دل چسپ اور بہت ہی دلفریب اختیار کئے۔پہلے تعلیم نسوان کا عنوان، پھر اس کے بعد آزادئ نسوان کا عنوان دیکر عورتوں کو باہر نکالا۔اس کے بعد نعرہ لگایا معاشی دوڑ کے اندر مرد کے ساتھ عورت بھی شانہ بہ شانہ شریک ہو۔فیکٹریوں میں کھینچا، مخلوط تعلیم کے نام سے اسکولوں میں، کالجوں میں دونوں کی مخلوط تعلیم چلائی، ادھر اسکول میں مخلوط تعلیم، مردوزن کا اختلاط، پارکوں میں مردوزن کا اختلاط، فیکٹریوں کے اندر مردوزن کا اختلاط، غرض اس اختلاط کا نتیجہ یہی نکلا کہ انسان کی جو فطرت ہے وہ اپنا کام کر رہی ہے۔

چنانچہ اس کے بعد قائم ہونے لگیں نائیٹ کلب (NIGHT CLUB) ننگوں کی انجمنیں باقاعدہ لائسنس شدہ، کہ جس کے اندر جانے کے بعد انسان بالکل حیوان بن جاتا ہے۔آئے دن آپ حضرات سنتے ہیں، دیکھنے والوں نے روبرو دیکھ کر بھی کہا وہاں کیا کیا حالات چلتے ہیں۔

نتیجہ کیا نکلا دوستو! یہ بے حیائی، عفت اور پاکدامنی کا دامن جو تار تار ہوا تو نتیجہ کیا نکلا؟ ناجائز اولاد کی بھرمار ہوئی، کہنے کی بات نہیں، بات موضوع میں آئی تو عرض کرتا ہوں۔چرچوں کے اندر اس کا مستقل نظام بنا موجود ہے، کنواری عورتیں

ماں بن رہی ہیں۔اب پیدا شدہ بچے کو کیا کرے، نظام بنایا گیا کہ بعض چرچوں میں پیچھے کی طرف کھڑکی بنائی جاتی تھی کہ کوئی عورت اگر اس قسم کے بچے کو محفوظ کرنا چاہے اس کھڑکی میں لاکر رکھ دے۔ پادری لوگ اس بچے کو لیکر پالتے پوستے اور پرورش کرتے، بڑا بناتے،اب بچہ کو پتا نہیں کہ میری ماں کون ہے اور میرا باپ کون ہے؟ کبھی غور کیا ہم لوگوں نے کہ مغربی معاشرہ میں یہ کیا چیز چل رہی ہے۔اب پھر عفت اور پاکدامنی کا دامن جہاں تار تار ہوا مرد وزن کے اختلاط کی جو عام طور پر ہمت افزائی کی گئی اور حیا وعفت وغیرہ جیسے الفاظ کو دقیانوسیت قرار دیا گیا۔

اولڈ فیشن (old fashion out of date) قرار دیا گیا۔

بعض (up to date) لوگوں نے جو معاشرہ بنایا خود گھبرا رہے ہیں کانپ رہے ہیں۔عفت کے ساتھ جنگ کرنے کا،عفت کے ساتھ متصادم ہونے کا یہ نتیجہ نکلا کہ اب ایڈز (AIDS) کی بیماریاں پیدا ہوئی۔سارا یورپ تھرا رہا ہے،سارا امریکہ کانپ رہا ہے یہ ایڈز بیماری کی جو جنسی انارکی سے پیدا ہوتی ہے اب تک لاعلاج بیماری ہے۔بیماری پر قابو پانے کے لئے تحقیقات چل رہے ہیں۔ریسرچ ہو رہا ہے۔اب وہ مغربی معاشرہ اس مرحلے پر پہنچ چکا ہے کہ توبہ کرنا چاہتا ہے لیکن کیسے کرے!اس لئے کہ اتنا دور آگے جا چکے ہیں کہ واپسی کے سارے راستے بند ہو چکے ہیں۔

اب رہا انکا مذہب،عیسائیت کا وہ مذہب وہ بہت پہلے یورپ سے بے دخل ہونا شروع ہو چکا۔ یہ پادری لوگ یہاں دندناتے پھرتے ہیں بائبل تقسیم کرتے پھر رہے ہیں،نئی نئی جگہوں پر چرچ قائم کرتے پھرتے ہیں،وہاں چرچ پر

خود تالے لگ رہے ہیں،اتوار کے دن چرچ کو جانے والا کوئی نہیں،اور بہت سے چرچ کو مسلمانوں نے خرید کر اسکو مسجد بنایا ہے تو یہ عیسائی مذہب بے جان مذہب اسکے اندر اتنی جان نہیں کہ مغربی معاشرہ کی برائیوں کا مقابلہ کرے۔اب اسکی بنا پر جو آزادی آئی ہے،مخلوط تعلیم کی وجہ سے،آزادئ نسوان کے عنوان سے عورتوں کو باہر لاکر جو گندہ ماحول پیدا کیا گیا اس میں ان کا اندرونی عائلی نظام درہم برہم ہو کے رہ گیا ہے۔

لڑکی کہیں جارہی ہے باہر بے وقت، باپ ٹوک نہیں سکتا،کسی باپ نے ٹوک دیا تو لڑکی نے فوراً باپ پر مقدمہ دائر کر دیا۔اب باپ کو مجرم بن کر کورٹ میں حاضر ہونا پڑا۔صرف اتنے اعتراض پر کہ اپنے boy friend کو ساتھ کیوں جارہی ہے؟ بیٹی ماں کے کنٹرول میں نہیں ہے،لڑکا باپ کے کنٹرول میں نہیں ہے،شوہر بیوی کا وفادار نہیں ہے، بیوی شوہر کی وفادار نہیں ہے۔یہ ہے وہاں کا عائلی نظام اور یہ مغربی معاشرہ۔لیکن جس وقت یہ مغربی معاشرہ ہمارے مشرق کی طرف آیا،خاص کر ہندوستان کی طرف اس وقت ان کا سیاسی اقتدار تھا،ان کے اندر قوت تھی،ان کے اندر فوجی طاقت تھی،ان کے اندر علوم وفنون اور ٹیکنالوجی کی صلاحیتیں تھی، وہ لوگ آئے،ان ہتھیار و اوزار کے ساتھ آئے۔ان صلاحیتوں کے ساتھ آئے تو مشرق والوں نے ان علوم وفنون سے استفادہ کرنے،ان کے ٹیکنا لوجی کو فقط اپنانے کے بجائے انہوں نے مغربی معاشرہ کی بے حیائی،تعیش،مرد وزن کا اختلاط،ان ساری گندی چیزوں کو انہوں نے اپنایا۔

ہندوستان میں مغربی تہذیب وتمدن کوفروغ دینے کے لئے سرسید احمد خان پیش پیش تھے، بے چارے اچھے جذبہ کے تھے، عربی تعلیم بھی انہوں نے پائی تھی انکی کتاب ''آثار الصنادید'' میں انہوں نے اپنے استاد حضرت مولانا مملوک علی صاحبؒ کا تذکرہ بہت اونچے الفاظ میں کیا ہے۔ یہ مولانا مملوک علی صاحب کون ہیں؟ حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے استاد محترم ہیں۔ بانی دارلعلوم کے استادِ محترم ہی سے انہوں نے بھی پڑھا ہے، لیکن تعلیم پوری نہیں کی، اسکے بعد ہر ایک کی اپنی اپنی ترتیب کا اور مزاج کا معاملہ، کہ ان بزرگوں کے پاس پڑھنے کے باوجود بھی ان کے اندر ذہنی طور پر، قلبی طور پر جذبات و احساسات دوسری قسم کی ہوئے ہیں۔

ہندوستان میں مغلیہ سلطنت ختم ہوئی اور انگریز غالب آئے ۱۸۵۷ء کی جنگ میں ہندوستانیوں کو اور خاص کر مسلمانوں کو بہت ہی زیادہ ذلت و رسوائی، ہزیمت وشکست کا سامنا ہوا۔ مایوسی کی حالت تھی، احساس کمتری کی حالت تھی اس وقت انہوں نے علی گڈھ کالج قائم کیا، جذبہ اچھا تھا، لیکن طریقہ کار غلط اختیار کیا، ان کا یہ خیال تھا کہ اگر ہندوستان کی قوم اور خاص کر مسلمان مغربی علوم و فنون کے ساتھ ساتھ مغربی معاشرہ کو اختیار کرلیں۔ ان کی تہذیب وتمدن کو اختیار کر لیں تو یہ بھی معزز بن جائینگے۔ مہذب بن جائینگے، ان کے اندر احساس کمتری ختم ہو جائیگی اور انگریز جو حاکم ہیں ان کے نظروں میں ذرا اونچے اٹھ جائینگے، یہ خیال ان کے ذہن میں آیا اور اس کا پرچار شروع کردیا۔ تہذیب الاخلاق اس زمانے میں

انکا ماہنامہ جاری تھا اور آج بھی بعض پرانی لائبریریوں کے اندر اسکے فائل موجود ہونگے۔ آج ذرا سا اٹھا کر دیکھئے۔ بعض موقع پر مشرقی تہذیب کے اوپر انہوں نے بہت ہی رکیک قسم کے حملے کئے ہیں اور مغربی تہذیب کو اپنانے کی انہوں نے دعوت دی۔ انہیں دنوں میں وہ ۱۸۶۹ء میں انگلینڈ اور فرانس گئے اور وہ اس وقت کا زمانہ تھا جبکہ مغربی تہذیب وتمدن اپنے پورے عروج اور شباب پر تھا۔

پہلی جنگ عظیم کے بعد اس میں جو اضمحلال کے آثار پیدا ہوئے اور دوسری جنگ عظیم کے بعد اب اس کے اندر جو بہت سی خامیاں اور خرابیاں ظاہر ہوئیں وہ اس وقت نہیں تھیں۔ زرق برق تہذیب اور دلفریب اور بہت ہی دلفریب قسم کی تہذیب، اس کو انہوں نے وہاں لندن میں پیرس وغیرہ میں دیکھا۔ جب وہ وہاں گئے تھے تو کہتے ہیں کہ وہاں اونچی اونچی سوسائٹیوں میں انکا اچھا استقبال ہوا، بڑی بڑی انجمن میں مدعو کیا گیا، اور انجمن والوں نے ان کو ممبر بنالیا، بہرحال یہ جو انہوں نے وہاں کا معاشرہ دیکھا بے چارے بہت مرعوب ہو گئے، مغربی تہذیب وتمدن سے بہت مرعوب ہو گئے، اس مرعوبیت کے ساتھ ہندوستان آئے اور آکر بڑے زور وشور سے انہوں نے مسلمانوں کو مغربی معاشرہ اور مغربی تہذیب وتمدن اختیار کرنے کی دعوت دی۔

دوستو! ایک شئے جب آتی ہے اپنے تمام لوازمات کے ساتھ آتی ہے۔ جاپان والے واقعی قابل تعرف ہیں انہوں مغرب والوں کے علوم وفنون لئے، صنعتی ٹیکنالوجی لئے، اور اس کو اپنا یا لیکن اپنے مذہب کو، اپنی تہذیب کو، اپنے کلچر کو

انہوں نے باقی رکھا اور ٹیکنالوجی انہیں کی اپنا کر آج وہ اتنے ترقی یافتہ ہو گئے کہ مغرب والوں سے، امریکہ والوں سے، یورپ والوں سے ٹکر لے رہے ہیں، جاپان کی قوم آج ہر میدان میں ہر شعبہ میں مغرب والوں سے ٹکر لے رہی ہے۔ بد قسمتی سے ہندوستان ایسا نہیں رہا۔علوم وفنون آئے لیکن جتنے علوم وفنون آئے اس سے کہیں زیادہ مغربی معاشرہ کے وہ جراثیم آئے جس پر کہنے والوں کہا تھا۔

ہم سمجھتے تھے لائے گی فراغت تعلیم
کیا خبر تھی کہ چلا آئے گا الحاد بھی ساتھ

الحاد آیا، بے دینی آئی، بے حیائی آئی، تعیش آیا، سب جراثم آئے۔ دوستو! میں یہی عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ہم خالی ہاتھ آئے نہیں، ہمارے پاس ایک معاشرہ ہے، ایک تہذیب، ایک تمدن ہے جسکو ہم اسلامی تہذیب کہتے ہیں، اسلامی کلچر کہتے ہیں آج وہ قوم جس کے پاس کوئی خاص تہذیب نہیں، ان کے خاص کلچر نہیں وہ تمام قومیں بھی اپنی اپنی تہذیب کو زندہ کرنے کی کوشش کررہی ہیں R.S.S آر۔یس۔یس والے ہندو تہذیب کو، گئی گزری تہذیب کو، مردہ تہذیب کو زندہ کررہے ہیں، لیکن آج مسلمان اپنی اسلامی تہذیب کو جو پورے بنی نوع انسان کو نجات دہندہ ہے اسکے بغیر کوئی چارۂ کار نہیں، اپنی تہذیب کو دوستو حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے، مغربی تہذیب کے ان دلدادوں کے پاس مغرب کا ہر نظریہ قابلِ قبول ہے۔ اکبرالہ آبادی نے واقعی سچ کہا ہے۔

مرزا غریب چپ ہیں ان کی کتاب ردی
بدھوا کڑ رہے ہیں صاحب نے یہ کہا ہے

انگریز بہادر کے زمانے میں انگریز کو صاحب کہتے تھے، یہ مغربی تہذیب ہمارے پاس آئی، یہ تمدن پھیلا اور اپنی ساری خرابیوں کے ساتھ میں، میں اس میں یہ فقط عرض کرنا چاہتا ہوں کہ مغربی علوم وفنون کا سیکھنا، ٹیکنالوجی حاصل کرنا، فنی تعلیم حاصل کرنا یہ کوئی بری بات نہیں بلکہ مطلوب ہے۔ آگے بڑھنا چاہیے۔ لیکن اپنی تہذیب کو، اپنے تمدن کو چھوڑ کر مغربی تہذیب کو پوری طرح اپنایا گیا تو اس کے بعد اسلامی معاشرے کے اندر وہ سارے فتنے، وہ ساری خرابیاں، وہ سارے جراثم آئینگے اور آرہے ہیں جن کی وجہ سے آج مغرب بڑا پریشان ہے، بہت پریشان ہے۔

اس واسطے دوستو! ہمیں اس معاملہ میں بہت محتاط رویہ اختیار کرنا چاہئے، بہت احتیاط کرنا چاہئے، تعلیم عورتوں کو بھی ضروری ہے۔ دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ دنیوی تعلیم بھی ضروری ہے، لیکن وہی بات جو اکبرالہ آبادی کہتے ہیں۔

تعلیم عورتوں کی ضروری تو ہے مگر
خاتون خانہ وہ سبھا کی پری نہ ہو

عورتیں تعلیم یافتہ، زیور تعلیم سے آراستہ خاتون خانہ بن کے بیٹھیں پردہ نشین بن کے بیٹھیں۔ اپنے گھر کے اپنے بچوں کی تربیت کا اہتمام کرے اور وہ کسی محفل کی سبھا پری بن کر اسٹیج پر نہ آئے۔ لیکن لوگوں نے اس پر توجہ نہ کی اور آج وہ بڑا طبقہ دھڑا دھڑ اس کی طرف جارہا ہے۔ ہماری ذمہ داری ہے کہ معاشرہ کے اندر اس قسم کی خرابیاں جو آرہی ہیں ہم بروقت اس پر تنبیہ کریں، اس پر آگاہ کریں، یہ ہمارا اپنا فریضہ ہے۔ اگر نہ کریں گے تو ہم بھی اللہ کے ہاں ماخوذ ہونگے گناہ گار ہوں گے۔

یہ آج جوٹی، وی، چل رہی ہے مغربی تہذیب وتمدن کے جراثیم کو دنیا میں پھیلانے میں سب سے بڑا کردار ادا کر رہی ہے، پہلے ناول تھے، افسانے تھے، سنیما تھیں ایک طبقہ ملوث تھا، لیکن آج ٹی وی کی وجہ سے video کی وجہ سے ہر گھر کا ماحول، معاشرہ خراب ہو رہا ہے۔ گجرات کے ایک عالم صاحب کا قول بندے نے سنا ہے وہ فرماتے تھے یہ t.v,t.v نہیں ہے اخلاق وایمان کی، روحانیت کی t.b ہے t.b کی بیماری ہے اور جس معاشرے کے اندر یہ بیماری گھسی اور پھیلی اس کی خیر نہیں۔

اس واسطے دوستو! اس معاملہ میں ہمیں ذرا احساس ہونا چاہئے برائی پر برائی آرہی ہے بستی میں، ہمیں تماشائی بن کر نہ رہنا چاہئے۔ قوالی کی محفلیں چل رہی ہیں، رات رات بھر قوالیاں چل رہی ہیں اور سننے میں آیا کے چھوٹے چھوٹے معصوم بچیاں جو کانونٹوں میں پڑھتی ہیں sports کے نام سے سنیما کے رکارڈ رکھ کر اس رکارڈ پر انکو ڈیانس dance سکھایا جاتا ہے، دیکھا ہے آپ نے ترقی کا حال؟ قوم کے وہ ادارے جو لاکھوں کروڑوں خرچ کر کے قائم کئے جاتے ہیں تا کہ قوم کے نونہال بچوں کی تعلیم وتربیت ہو سکے، ان اداروں میں کیسی تربیت ہورہی ہے؟

ان کو مرنے کا کوئی احساس نہیں، اللہ کہ ہاں جواب دہی کی ان کو کوئی فکر نہیں۔ ارے بھائی ملّا پنے کی بات نہیں old type کی بات نہیں، یہ بولتے بولتے آخر ہم کہاں تک برباد ہوتے رہیں گے up to date باتوں کو لیکر تو آج up to date پریشان ہے، اسکا پورا نظام تتر بتر ہو چکا ہے۔ اس مغربی تہذیب اور اسکا مقابلہ کرنے کی اگر کسی میں قوت ہے، حوصلہ ہے، طاقت ہے، تو وہ

فقط اسلامی تہذیب اور اسلامی تمدن میں ہے۔

دیکھا اس کے اندر حیا وعفت ایک اہم عنصر ہے، یہ حیا وعفت اور پاکدامنی جیسا کہ میں نے کہا شریف انسان کے لئے خاص کر عورت کیلئے زیور ہے، سب سے بڑا زیور ہے اور یہی عفت اور حیا ایک قلعہ ہے جسکے اندر وہ شریف عورت محفوظ رہتی ہے خواہش وغیرہ کی طرف جانے سے، اگر یہ عفت وحیا کا پردہ پھٹ گیا تو وہی بات سامنے آئے گی۔

تو بے حیا باش وہر چہ خواہی کن

اِذَافَاتَکَ الْحَیَافَافْعَلْ مَاشِئتَ

عربی میں کہتے ہیں جب حیا ختم ہوگئی تو جو چاہے کر لے اس حیا نے تھام رکھا ہے خاندانوں کو اور معاشرہ کی شریف عورتوں کو۔

آپ حضرات ذرا سوچئے! گھر میں video چل رہا ہے باپ بھی بیٹھا ہوا ہے، ماں بھی بیٹھی ہوئی ہے، بہن بھی بیٹھی ہوئی ہے سب دیکھ رہے ہیں، سنیما کے مناظر، بلکہ فحش مناظر اور blue film جو ننگی فلمیں ہیں۔ اس کے دیکھنے کے بعد اس گھر کے معاشرہ کا ذہن کیا بنے گا، ان بچے بچیوں کا ذہن کیا بنے گا، بڑے جیسے بھی ہوں جوں توں کر کے ان کی زندگی ختم ہے، مگر یہ معصوم بچے جو آگے چل کر قومی معاشرہ کے جز بننے والے ہیں، یہ قوم کے افراد بننے والے ہیں، قوم کی تعمیر کرنے والے ہیں، انکا کیا ہوگا۔ تو میں نے جو کہا گجرات کے مولانا کی بات کہ جن گھروں میں t.v آجائے اس گھر کی عورتوں کی عفت اور پاکدامنی کا محفوظ رہنا مشکل ہے، یہ بات جب مجھے پہنچی تو میں کانپ سا گیا اور خیال کیا کہ بار بار غور کرنے کے

قابل بات ہے۔ملّا پنے کی بات کہکر کر اسکو رد کرنے کی چیز نہیں، اپنی بھی فکر کرنی ہے، اور اپنے اولاد کی بھی فکر کرنی ہے۔ اخلاق ختم ہو گئے، حیا ختم ہوگئی اس کے بعد کیا رہا۔ بھائی اب ویسے بھی میں پہلے عرض کر چکا ہوں آجکل تعلیمی رپورٹیں جو آرہی ہیں اسکول کے ذمہ داروں کی طرف سے اس میں باقاعدہ یہ رپورٹ آرہی ہے جب سے ٹی، وی، کی بلا ہندوستان آئی ہندوستان کے طلبہ نے محنت کرنا چھوڑ دیا وقت سارا ٹی، وی، کے مناظر دیکھنے میں لگ رہا ہے، وہ کہاں پڑھے گا کہاں home work کریگا وہ کہاں امتحان کے لئے کوشش کریگا، بغیر محنت کے استعداد نہیں آسکتی، تعلیمی شعبہ ویران ہوتا چلا جارہا ہے۔

صرف طلبہ کے بھر دینے کا نام تعلیمی شعبہ نہیں، صحیح تعلیم ہو، اس پر طلبہ صحیح محنت کریں، انکی ذہنی یکسوئی باقی رہے تب تعلیم آئے گی چاہے دینی تعلیم ہو یا دنیوی تعلیم۔ ہمارے بڑوں نے تو ایسا ہی حاصل کیا ہے اب ذہن بچاروں کا پراگندہ ان فحش مناظر کو دیکھ دیکھ کر، خیالات گندے، ان کے تصورات گندے، ان کے جذبات گندے پھر کیا پڑھینگے، کیا ہم کو اپنی اور اپنی اولاد کی اتنی بھی فکر نہ کرنی چاہئے، یہ ملا پنے کی بات نہیں۔

اس واسطے دوستو! میری عاجزانہ اپیل ہے کہ اس مسئلہ میں تمام غور کریں، بڑے بھی اور نوجوان بھی، میں نے سنا کہ اشتہار میں نوجوانوں سے اپیل کی ہے اور ہے بھی بات، ذرا مجھے اجازت دیں میں بے تکلف ہو کر عرض کروں۔

میرا اپنا پڑھنے کا زمانہ تھا، یہاں ہماری اس بستی میں بعض حضرات کا مزاج اگرچہ تنقیدی تھا اعتراضات بہت کرتے تھے، لیکن میں محسوس کرتا تھا کہ

غیرت دینی ان کے اندر کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی، حمیت ملّی جس کو کہتے ہیں انکے اندر بہت زیادہ تھی، جہاں کہیں بستی میں اس قسم کے غیر شرعی قسم کی چیزیں یا فحش قسم کی چیزیں ہونے لگتی فوراً ذمہ داروں سے رابطہ قائم کرتے اس سلسلے میں meeting منعقد کرتے اس پر باتیں ہوتیں۔ اس زمانے میں لوگ آرکاٹ کو سنیما دیکھنے جاتے تھے۔ اس پر یہاں مستقل بندشیں ہوئیں۔ ان قوالیوں پر عرس کے قوالیوں کے اوپر بندشیں ہوئیں۔ یہی نہیں بلکہ رمضان میں ہوٹلوں کے دن میں کھلے رکھنے پر بندشیں ہوئیں، مستقل گفتگو ہوئی آج پھر وہ دور یاد آرہا ہے۔ اللہ ان کی مغفرت فرمائیں اور وطن کے اندر، شہر کے اندر ایسے جذبات رکھنے والے، دینی حمیت رکھنے والے اور قومی غیرت رکھنے والے افراد زیادہ سے زیادہ پیدا ہوں، اس کے ساتھ ساتھ میں نوجوانوں سے یہ عرض کروں گا، آپ نوجوانوں کے اندر ایک بڑی قوت ہے پہلے آپ حضرات کو غور کرنا چاہئے کہ آپ کون ہیں؟ علامہ اقبال نے فرمایا۔ ؎

کبھی اے نوجواں مسلم تدبر بھی کیا تو نے
وہ کیا گردوں تھا تو جس کا ہے اک ٹوٹا ہوا تارا
تجھے اس قوم نے پالا ہے آغوش محبت میں
کچھ ڈالا تھا جس نے پاؤں میں تاج سردار

صحیح فرمایا علامہ اقبال نے جیسا کہ آج کل نوجواں اور طلبہ کسی قسم کی تحریک میں کھڑے ہو جاتے ہیں چاہے غلط قسم کی تحریک ہو حکومتوں کی کایا پلٹ جاتی ہے۔ نوجوانوں کے اندر یہ قوت ہے ان کی اتحاد کے اندر، ان کی تنظیم کے ندر

یہ طاقت ہے، غلط قسم کی بیکار کی تحریکوں میں اپنی طاقت کو، اپنی قوت کو، اپنے انرجی کو لگاتے ہیں، میں کہتا ہوں اگر ہمارے نوجوان منظم ہو کر اپنے اتحاد و قوت کے ساتھ اس قسم کے فحش منکرات کو وطن کے اندر سے، وطن کے علاقے سے دور کرنے کی منظم کوشش کریں تو انشاء اللہ بہت کچھ توقعات ہیں۔

اپنے بڑوں سے مشورہ کر کر کے، ذمہ داروں سے مشورہ کر کر کے ان کا اکرام اور ان کا لحاظ پوری طرح ملحوظ رکھ کر اگر نوجوان حضرات اس سلسلے میں بالکل تعمیری طور پر تخریب سے بالکل بچتے ہوئے، توڑ پھوڑ سے بالکل بچتے ہوئے قانون کو ہاتھ میں لئے بغیر قانون کے دائرے کے اندر رہتے ہوئے تعمیری طریقہ پر اگر ایک منظم اجتماعی کوشش کریں، تو انشاء اللہ امید ہے کہ دیر سویر بستی سے بہت سارے منکرات بہت سارے فواحش دور ہو سکتے ہیں۔ لوگ کہتے ہیں بھائی زمانہ جیسا چلتا ہے ویسا چلنا چاہئے فارسی کا ایک مصرعہ ہے۔

زمانہ با تو نسازد تو با زمانہ بساز

اگر زمانہ تیرا ساتھ نہیں دے رہا ہے تو تو زمانہ کا ساتھ دے، زمانہ جیسا چلتا ہے اس لائن پر چل: ع

چلو تم ادھر کو ہوا ہو جدھر کی

یہ بالکل غلط ہے، بالکل باطل نظریہ ہے، علامہ اقبال نے اس پر رد کیا ہے۔

حدیث بے خبراں ست کہ با زمانہ بساز
زمانہ با تو نسازد تو با زمانہ ستیز

یہ بے خبروں کی بات ہے، نہ جاننے والے جہلاء کی بات ہے کہ زمانے

کے ساتھ موافقت کرو، زمانہ اگر تیرا ساتھ نہیں دیتا تو تو زمانے کے ساتھ ٹکر لے، با زمانہ ستیز، ایک اور جگہ فرماتے ہیں۔

گفتند جہانِ ما آیا بتو می سازد   گفتم کہ نمی سازد گفتند کہ برہم زن

ان سے پوچھا کہ کیا یہ ہماری دنیا تمھارے ساتھ موافقت کر رہی ہے؟ ''گفتم کہ نمی سازد'' میں نے کہا کہ زمانہ میرے ساتھ موافقت نہیں کر رہا ہے ''گفتند کہ برہم زن'' انہوں نے کہا اس موجودہ نظام کو اس فحش نظام کو اپنے جدو جہد کے ذریعہ اس فضا کو بدل دو درہم کر دو یہ جو علامہ اقبال نے پیغام دیا، اسکا تو یہ غلط مفہوم نہیں ہے، برہم زن کے معنے یہ نہیں ہیں کہ توڑ پھوڑ کرو، قانون کو ہاتھ میں لے لو، تخریبی عمل کو زندہ کرو، بلکہ سنجیدگی کے ساتھ، حکمت کے ساتھ، تدبیر کے ساتھ، ایک اجتماعی نظام کے ساتھ عمل کرو کہ آگے چل کر زمانے کی فضا بدلے، ماحول میں تبدیلی آئے اور پھر تمہارے لئے ماحول سازگار ہو۔ یہ نوجوانوں کا کام ہے اور نوجوانوں کی ذمہ داری ہے، اور وہ نوجوان جو خیر امت کے افراد ہے جن کا کام ہی کیا خیر کو پھیلانا اور برائیوں کو روکنا ہے۔

اس واسطے دوستو بزرگو! خاص کر میں نوجوانوں سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ اس سلسلے میں حساس رہیں، بیدار رہیں، متفکر رہیں، ورنہ جو بھی منکرات اور جو بھی فحش قسم کی چیزیں بستی کے اندر آتی جائیں۔ اگر ہم خاموشی کے ساتھ تماشہ بن کے دیکھتے رہیں تو ہم اللہ کے ہاں چھوٹ نہیں سکتے، بلکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا جو قانون فطرت ہے اس کا اعتبار کرتے ہوئے کسی بستی کے اندر اس قسم کے فحش ومنکرات داخل ہوتے رہیں اور بستی والوں کے چہرے پر شکن نہ پڑے اس کی کوئی کوشش نہ

ہو دور کرنے کی ،تو اس کے بعد جو عذاب آئیگا،سب اس کی لپیٹ میں آجائینگے کرنے والے بھی نہ کرنے والے بھی سارے اس کے لپیٹ میں آجائینگے۔اللہ حفاظت فرمائیں اللہ سب کی حفاظت فرمائیں۔آمین۔

اس واسطے دوستو بزرگو!اس کا خاص طور پر خیال رکھیں کہ اب ہم اس قسم کی چیزیں سنتے ہیں کہ INTER NATIONAL CHANNEL یہاں لگ رہے ہیں۔اب اس میں فحش قسم کے مناظر بلو فلمیں BLUE FILM اگر بتائی جائیں اور وہ گھر گھر دکھائی جائے اور جو جو اس کا ممبر بن جائے ان سب کے گھروں پر ریلیس ہوتے رہیں تو چند ہی مہینوں کے اندر آپ دیکھیں گے۔

کہ معاشرہ کے اندر ایک بھیانک قسم کی تبدیلی آئیگی جسکا تصور کرتے ہوئے بھی رونگھتے کھڑے ہوجاتے ہیں۔یہ جو سینما کے اشتہارات فحش قسم کے اشتہا رات یہ خود نوجوانوں کو خراب کرنے کے لئے بہت کچھ ہیں،چلتی پھرتی تصویریں vedio کے اندر جب آنکھیں دیکھیں گی آپ سوچ سکتے ہیں کہ اسکے ذہن و دماغ کا کیا حال ہوگا،اسکے تصورات کا کیا حال ہوگا یہ کوئی ملّائیت کی بات نہیں، یہ کوئی پرا نی باتیں نہیں ہیں اپنے اور اپنے بچوں کی فکر کرنی چاہئے اپنے عورتوں کی حفاظت کی فکر کرنی چاہئے۔

اس واسطہ میں تمام سے عرض کرتا ہوں اور خاص کر نوجوانوں سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ اس معاملہ میں متفکر رہیں اور اجتماعی کوشش کرتے رہیں۔کیوں کہ بہت سے کام ایسے ہوتے ہیں۔جو انفرادی طور پر کہنے سننے سے انفرادی کوششوں سے نہیں ہوتے ، جہاں اجتماعی قوت استعمال کی جاتی ہے۔وہاں بڑی بڑی تبدیلیاں

ہوجاتی ہیں۔جیسے میں نے ابھی کہا کہ حکومتوں کے اندر کا یا پلٹ ہوجاتی ہے اس واسطے نہایت اہتمام سے اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا بھی مانگیں اور دین کے واسطہ، امّت کے واسطے،قوم کے واسطے اپنے آپ کو پیش کریں۔

آپ جانتے ہیں محمد علی جوہر وہ کوئی عالم تو نہیں تھے،عربی دان تھے،ایک باقاعدہ عالم تو نہیں تھے گریجویٹ تھے اور انگریزی کے بڑے اسکالر تھے۔کا مریڈ جو انہوں نے اخبار نکالا تھا اور ان کی جو انگریزی تھی انگریز خود اس کا لوہا مانتے تھے،اتنے بڑے گریجویٹ،اتنے بڑے انگریزی دان۔آپ کو یہ بھی معلوم ہوگا گول میز کانفرنس کے واسطے لندن گئے اب وہاں یہ اعلان کہا کہ ہندوستان کو یا تو آزادی دینی ہوگی یا میری قبر یہیں بنے گی۔خدا کی شان کہ لندن ہی میں ان کا انتقال ہوا۔جنازہ دفن کے لئے بیت المقدس لے جایا گیا۔ان کی وفات کے بعد عثما نیہ یونیورسٹی حیدرآباد کے شعبۂ دینیات کے صدرر مولانا مناظر حسن گیلانی مرحوم نے فارسی میں ایک پُردرد مرثیہ کہا اس مرثیہ کے دوشعر سُنانا چاہتا ہوں

بہ دینِ مصطفیٰ دیوانہ بودی   فدائے ملتِ جانانہ بودی

دینِ مصطفیٰ پر تم دیوانہ بنے ہوئے تھے اس محبوب کی ملّت کے اوپر اپنی جا ن سے تم قربان ہونے والے تھے۔

ندانستی کجا سوزم نسوزم   تو شمعِ دین را پروانہ بودی

تم نہیں اج نتے تھے کہ کہاں جلوں کہاں نہ جلوں تم شمع دین کے لئے ایک پروانہ تھے پروانہ شمع پر گر کر اپنی جان دیتا ہے۔جانے والے ایسا کارنامہ انجام دے کر جاتے ہیں کہ ان کے جانے کے بعد یاد رکھنے والے ان کو یاد رکھتے ہیں کہ تم

دینِ مصطفیٰ کے دیوانے تھے۔

تو دوستو! ایسے کچھ دیوانوں کی ضرورت ہے۔علماء کے طبقہ میں بھی ،تعلیم یافتہ انگریزی طبقہ کے اندر بھی ،اس قسم کے دین مصطفیٰ کے دیوانوں کی ضرورت ہے کہ وہ اپنی جان کے ساتھ اپنے جسم کے ساتھ اپنی تمام قوتوں کے ساتھ ،اپنی تمام صلاحیتوں کے ساتھ دین کی حفاظت کیلئے اور ملّت کی ترقی کے واسطے کوشش کر نے والے بنیں ۔جسمیں سب سے اہم مسئلہ ئی فحش و منکرات کی بندش ہو جو ہماری بستی میں داخل ہو رہے ہیں بے تحاشہ داخل ہوتے چلے جا رہے ہیں۔

میں مسئلہ کے طور پر عرض کر دیتا ہون اگر اس قسم کے چینل چلانے والے ہمارے کوئی مسلمان صاحب ہوں تو انکی جو آمدنی ہے وہ جائز نہیں اور جس نے اس کے لئے کرایہ پر مکان دیا ہے وہ جرایہ کی رقم بھی جائز آمدنی نہیں ہے اور جو جو اسکے ممبر بن رہے ہیں اب وہ کیا کام کر رہے ہیں اپنے بارے میں اپنی اولاد اور خاندان کے بارے میں کیا فیصلہ کر رہے ہیں وہ خود سوچ لیں ۔میں نے آیت کریمہ پڑھی اس پر بات ختم کرتا ہوں ۔تعاونوا علی البر والتّقوی۔نیکی کے کاموں پر،تقویٰ و پرہیزگاری کے کاموں پر آپس میں ایک دوسرے کی معاونت کرو ۔ایک دوسرے کی مدد کرو تقویٰ عام ہوجائیگا۔نیکی پھیل جائے ملک کے اندر۔ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان۔گناہوں کے کاموں پر،حدود سے تجاوز ہونے والے حرام کاموں کے اوپر کبھی ایک دوسرے کے ساتھ معاونت مت کرو بلکہ روکو۔

اپنے مکان کو کرایہ پر دینا یہ تعاونوا علی الاثم والعدوان ہے اور اس کا ممبر بننا فیس ادا کر کے یہ تعاون علی الاثم والعدوان بھی ہے اور خود گناہ میں مبتلا ہونا بھی ہے۔

بندہ منکرات کے اس بیان پر اس تلخ نوائی پر مجبور ہوا مگر بندہ کو امید ہے کہ معاشرہ میں اس تلخ نوائی کے عمدہ اثرات ظاہر ہونگے۔

چمن میں تلخ نوائی مری گوارا کر
کہ زہر بھی کبھی کرتا ہے کار تریاقی

اس واسطہ میری دردمندانہ اپیل ہے کہ ہم ذمہ داری محسوس کریں میرا تو خیال تھا کہ اس سلسلے میں نوجوان رفقاء سے مشورہ کر کے کچھ گفتگو کریں گے۔لیکن بیان کا اعلان ہی ہو گیا تو چند باتیں میں نے آپ کے سامنے عرض کی ہیں۔بہر حال مجھے امید ہے کہ میری ان باتوں سے کسی کو غلط فہمی نہیں ہو گی۔

جس جذبہ سے یہ باتیں کہی گئیں مجھے امید ہے کہ اس جذبہ سے یہ باتیں سنی جائیں گی اور اسی جذبہ سے ان باتوں پر غور کیا جائے گا۔اب جیسا کہ میں نے اپنے معروضہ میں عرض کیا ہے،اس کے مطابق کچھ تدبیر کی جائے۔نوجواں کچھ دو ڑ دھوپ کریں اور بڑے لوگ انکے ساتھ تعاون کرتے ہوئے رہبری کریں۔

مرثیہ بروفات حسرت آیات والد محترم علیہ الرحمہ

نتیجہ فکر: دخترِ فخر جنوبؒ

رب کعبہ کی ہمیشہ حمد گاتی ہی رہوں
چاہے کچھ بھی وہ کرے پر چہچہاتی ہی رہوں

ایک دن دیکھی فضا نے ہر طرف ہے سوگوار
سونی سونی ہر ادا ہے غم میں ڈوبا ہر سوار

پوچھا اس نے جا کے بستی سے اے جانانِ جاں
کیوں خموشی چھا گئی ہے اے وشارم تیرے ہاں

کیا خبر تجھ کو بتاؤں سن لے اے روشن ضمیر
کیسی ہستی چل بسی ہے آج میں ہوں بے بصیر

جو بیاسی سال پہلے آئی تھی مجھ میں بہار
نیک نامی اور شہرت میں ہوا میرا شمار

پائی عزت جس سے میں نے تھا وہ اک صاحب نظر
دیکھتے ہی دیکھتے وہ ہوگیا غائب مگر

اسکی فطرت کیا کہوں میں ہر اکابر کی ادا
جس کی خاطر ہو گیا تھا ہر کوئی اس پر فدا

تھا وہ مستغرق عبادت یادِ مولیٰ میں مدام
تھا شریعت اور قانونِ خدا میں صبح وشام

سنتِ نبویؐ میں ساری زندگی اسکی بسر
ایک لمحہ کے لئے بھی وہ نہ تھا غافل بسر

ساری دنیا جانتی ہے ہو اگر عالِم کی موت
وہ فقط تنہا گیا ہے پر یہاں عالم کی موت

جو یہاں سے چل بسا وہ ہے اک شیخ الحدیث
وہ نمائندہ ہے گرچہ حضرتِ شیخ الحدیثؒ

وہ تھا شاگردِ رشیدِ مدرسہ دارالعلوم
وہ تھا نقشہ اور نمونہ حضرتِ قاسم علوم

وہ تھا اک روحانی فرزند حضرتِ مدنی کا ہاں
عشقِ ربانی میں کامل ہر عمل میں کامراں

وہ تھے کاشف الہدیٰ کے خادم وچشم وچراغ
قبر ان کی تو بنادے ربِّ عالی باغ باغ

فانی دنیا کی کبھی بھی تھی نہ ان کو آن بان
وہ تھے اس آیت کے مصداق كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَان

سب گھرانہ سارے بچوں میں بھی وہ مرغوب تھے
ان کا تھا اسم گرامی یعنی وہ یعقوب تھے

رونا واویلا مچانا اب نہیں ناچیزؔ کو
یہ لکھی ہے مرثیہ اللہ کے ہاں مقبول ہو